گل کرسٹ اور اس کا عہد

محمد عتیق صدیقی

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

گل کرسٹ اور اُس کا عہد

گل کرسٹ اور اُس کا عہد

محمد عتیق صدّیقی

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

تعداد	ایک ہزار
اشاعت	پہلی بار
سال	۱۹۶۰ء
قیمت	سات روپے
طباعت	یونین پرنٹنگ پریس دہلی

آلِ احمد سرور کے نام

حدیثِ اہلِ دل با اہلِ دل گو

پیش لفظ

جان بارتھوِک گل کرسٹ اہلِ یورپ کے اُس منتخب روزگار گروہ کا ایک فرد تھا جس نے ہمارے ثقافتی ورثے کو تحقیق کا موضوع بنا کر یا اُس میں بیش بہا اضافہ کر کے ہندستانیوں کو بے دام کا غلام بنا لیا ہے۔ گل کرسٹ، جو سر ولیم جونس کا ہم عصر تھا اور شایدان کا رفیقِ کار بھی رہا ہو اِس کا کٹر بھی تھا اور قسمت آزما بھی۔ علم سے شغف کے ساتھ ساتھ تن دہی اور سرگرمی بھی اُس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ بیس برس سے کچھ ہی اُوپر وہ ہندستان میں رہا، لیکن اِس مختصر مدت میں اس نے ہندستانی زبان پر حرف عبور ہی حاصل نہیں کیا بلکہ اِس زبان کے قواعد و لغت مرتب کرنے کی خدمت بھی اس نے انجام دی۔ اس سے فارغ ہو کر ہندستانی نثر کی معیاری کتابیں لکھنے اور لکھوانے کا کام بھی اس نے شروع کیا چناں چہ اس کے عہد میں بہت سی کتابیں تالیف یا ترجمہ کی گئیں، جو جدید اردو اور ہندی کی اوّلین نثری کتابیں ہیں۔

یہ گراں بہا خدمت کسی ہندستانی نے بھی اگر انجام دی ہوتی، تو یہ اس کا بھی بہت بڑا کارنامہ سمجھا جاتا، لیکن اس میدان میں ایک غیر ملکی کی ایسی عظیم الشان کامیابی الف لیلیٰ کی داستان معلوم ہوتی ہے۔ اور جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے اُس نے عملی زندگی کا آغاز کیا اور ابتدائی دور میں طبی خدمت بھی اُسے انجام دینی ہوتی تھی، تو اُس کا علمی شغف ہمارے لئے اور بھی حیران کن بن جاتا ہے۔

گل کرسٹ نے ہندستانی —— ہندی و اردو لسانیات کی معرکتہ الآرا کتابیں تصنیف ہی نہیں کیں، بلکہ جدید ہندی اور اُردو کی معیاری کتابیں تیار کرانے کی بھی ان تھک کوششیں کیں، اور یہ اِس دور کے ہندی اور اردو کے طالب علموں پر گل کرسٹ کا ایک ایسا احسان ہے جس کا معاوضہ ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جس کا کچھ عرصے تک گل کرسٹ سکریٹری بھی رہا تھا، دنیا

کا پہلا علمی ادارہ تھا، جہاں مختلف قوموں کے اہلِ علم مِل جُل کر دنیا کے ایک بڑے خطے کے تمدن کی چھان بین کرنے کے بعد، ایک دوسرے خطے کے بسنے والوں سے اس کی ترجمانی بھی کرتے۔ یہ جاننا بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس عظیم ذہنی مہم میں اہلِ یورپ اور ہندستانیوں نے ابتدا ہی سے ایک دوسرے سے قریبی تعاون برتا ہے۔ انسانی علوم کے خزانوں میں سر ولیم جونس شاید اس درجہ اضافہ نہ کر سکتے اگر رادھا کانت شرمن اور دوسرے اہلِ علم ہندستانیوں نے اس کام میں ان کا ہاتھ نہ بٹایا ہوتا۔ قدیم فارسی اور سنسکرت کے قریبی رشتے کا بارنوف کو پتا لگنے کی بڑی وجہ یہ بھی کہ ایک ہندستانی اِس کا ئرنے رُوسنگ نے اوستا کا سنسکرت میں ترجمہ کیا تھا۔ اور اس سے بھی بہت پہلے آگسٹس ماری داس پلے نے، جو پانڈی چری کے رہنے والے تھے، بھاگوت پُران کے نسب ناموں کو فرانسیسی زبان میں منتقل کیا تھا، جس سے یہ راز کھلا کہ یونانی زبان میں چندر گپت موریا ہی کا نام "سانڈرو کوٹوس" ہے۔ پنڈت گولکھ ناتھ داس نے بے بے ڈف کی اگر مدد نہ کی ہوتی تو سنسکرت اور متعلقہ زبانوں کی پہلی گرامر مرتب کرنے میں اُسے ہرگز کامیابی نہ ہوتی۔ اسی طرح میر امن جیسے لوگوں کے تعاون ہی نے گل کرسٹ کو اس قابل بنایا کہ ہندستانی لسانیات پر کام کرنے کا اس نے آغاز کیا۔

افراد یا اقوام کی سیاسی و اقتصادی کشمکش کے واقعات تو انسانی ذہن کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں، لیکن روحانی سطح پر اُن کے خاموش مگر مفید تعاون کے جو کارنامے ہوتے ہیں، اُن میں انسانی تاریخ کے لیے دائمی معنی اور ابدی دل چسپی کا سامان ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے گل کرسٹ بھی انسانی طائفے کا ایک خاموش مردِ میدان تھا۔ محمد عتیق صاحب صدیقی کا ہمیں ممنون ہونا چاہیے جنھوں نے گل کرسٹ کو اس قعرِ گم نامی سے نکالا جس میں امتدادِ زمانہ نے عارضی طور پر اُسے محبوس کر دیا تھا۔ محمد عتیق صاحب اس اعتبار سے بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بڑی جاں فشانی سے اصل ماخذ تک رسائی حاصل کی اور بڑی چابک دستی سے گل کرسٹ کی زندگی کے اکثر گوشوں کو بے نقاب کر کے اُن غلطیوں کا ازالہ کیا جو عرصے تک رائج ہونے کی وجہ سے سکۂ رائج الوقت بن گئی تھیں۔ جس قابلیت اور عقیدت و محبت کے ساتھ انھوں نے یہ کتاب مرتب کی ہے اُس کے لیے بھی وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہمایوں کبیر

نئی دہلی
۱۹ر نومبر ۱۹۶۰ء

تعارف

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اُردو زبان وادب کی تشکیل اور ترئین میں مختلف عناصر اور افراد نے حصہ لیا ہے اور گو بعض عناصر اور افراد کے متعلق ہماری معلومات بہت ناکافی ہیں لیکن کم سے کم یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ زبان تاریخ کے ایسے ناگزیر تقاضوں سے وجود میں آئی اور اتنی ہر دلعزیز مقبول اور عام فہم ہوئی کہ لوگوں کو اس میں اپنے خیالات کا اظہار فطری، آسان، مفید اور ضروری معلوم ہوا۔ شمالی ہند میں عام طور سے اور ہندوستان کے بہت سے اہم تجارتی، تاریخی، تہذیبی اور سیاسی مرکزوں میں خاص طور سے اس کا استعمال اٹھارویں صدی میں عام ہو چکا تھا، اتنا عام کہ ہندستانیوں کے علاوہ بیرونی ممالک کے جو لوگ یہاں آئے وہ بھی اس کے جادو سے متاثر ہوئے اور اسے سیکھنے کی ضرورت انھوں نے محسوس کی چنانچہ بہت سے یوروپین اربابِ علم نے اس سلسلہ میں جو کام کئے ہیں وہ اس کی دلیل ہیں۔ اس موقع پر ایک دلچسپ بحث یہ ہوسکتی ہے کہ اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں سے دلچسپی لینے کے کیا کیا اسباب ہو سکتے ہیں اور کس طرح اس دلچسپی کی مختلف نوعیتوں کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ بہ ظاہر یہ دلچسپیاں تجارتی یا کاروباری، سیاسی، مذہبی اور علمی نوعیت کی ہوسکتی ہیں، اس کا دار مدار انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں پر ہوگا لیکن جب تاریخی حیثیت سے اس کا جائزہ لینے کا وقت آئے تو اس نوعیت کے اظہار کے باوجود اس جائزہ کو علمی اور تحقیقی ہونا چاہئے

مثلاً سولویں صدی عیسوی میں یورپ کے مختلف حصّوں سے جو تجارتی کمپنیاں ہندوستان میں آئیں انھوں نے اپنی ضرورت سے یہاں کی زبانیں، خاص کر ہندستانی یا اردو اور ہندی سیکھیں۔ ان سیکھنے والوں میں کچھ ایسے بھی تھے جن کا مقصد محض کاروباری یا مذہبی نہیں تھا بلکہ وہ علمی حیثیت سے ان کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنے اہل ملک کے لئے اُس کے قواعد اور لغات مرتب کئے اور اُس وقت جب خود ہندوستانی اپنی زبان کی اصل اور ساخت سے تقریباً ناواقف تھے، وہ لسانی حیثیت سے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہے تھے۔ ان کی نیت جو بھی رہی ہو، انھوں نے جو کام کیا وہ علمی تھا اس لئے ان کی قدر نہ کرنا غلط ہوگا۔ کیونکہ انھیں کی مدد سے لسانی اور ادبی تاریخ کی کڑیاں جوڑی جا سکتی ہیں۔ ایسی ہی اہم کڑیوں میں جان گل کرسٹ کا شمار بھی کرنا چاہئے۔

اس وقت تک اُردو ادب پر تفصیلی کام نہیں ہوا ہے اس لئے کسی تاریخ ادب میں گل کرسٹ کا ذکر مفصل نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ شاید خالص ادبی نقطۂ نظر سے اُسے وہ اہمیت نہ دی جا سکے جو بعض دوسرے اکابر ادب کو حاصل ہے لیکن اُس کے علمی کارناموں کی مقدار، اُس کا خلوص اور شغف، اس کی تعلیمی جدوجہد اور سب سے بڑھ کر ہندستانی سے اُس کی دلچسپی اور محبت، یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن کے پیش نظر اُس کی زندگی اور علمی فتوحات کی تحقیق نہ کرنا بڑا ظلم ہوگا۔ عین عالم شباب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم کی حیثیت سے ہندستان میں اس کا قیام، اس کی زندگی کو دوسری راہوں پر بھی ڈال سکتا تھا، وہ بھی کلائیو جیسے مہم آزماؤں کی زندگی اختیار کر کے نہ صرف ہندستان میں انگریزی اقتدار کی نیو مضبوط کر سکتا تھا بلکہ دولت کما کر "نوابی" بھی کر سکتا تھا لیکن اُس نے ابتدا ہی سے ہندستانی زبان کو علمی حیثیت سے سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے کا مشغلہ اختیار کیا اور اپنا نام فاتحوں میں لکھانے کے بجائے مصنفوں میں لکھا لیا۔ وہ طبیب بھی تھا لیکن غالباً اُس نے تلوار اور نشتر دونوں پر قلم کو ترجیح دی اور وہ راستہ اختیار کیا جو زیادہ گہرے تعمیری نقوش اختیار کر سکتا تھا۔

یہی اس کا ایک بڑا سبب ہو سکتا ہے کہ اُردو زبان و ادب سے دلچسپی لینے والے گل کرسٹ کی طرف متوجہ ہوں۔

محمد عتیق صاحب، جنھیں علمی اور تحقیقی کام کرنے کی دُھن ہے اور جو کمپنی کے عہد میں ہندستانی اخبار نویسی لکھ کر اپنی محنت، لگن اور سوجھ بوجھ کا ثبوت دے چکے ہیں، ہمارے پہلے ادیب اور محقق ہیں، جو گلکرسٹ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے فورٹ ولیم کالج کے قدیم کاغذات اور دوسرے سرکاری اور غیر سرکاری ذرایع اور شواہد کی مدد سے گلکرسٹ کی زندگی اور کارناموں کا خاکہ مکمل کر لیا ہے جو ایک کتاب کی شکل میں شایع کیا جا رہا ہے۔ مجھے کتاب کا مسودہ دیکھنے کا موقع ملا تو ایسی بہت سی نئی باتیں دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں، جن کی طرف کبھی میرا خیال بھی نہ جاتا تھا اور بہت سی وہ غلط فہمیاں بھی دور ہوئیں جو تحقیقی معلومات کی کمی کی وجہ سے ذہن میں بیٹھ گئی تھیں۔ جن کو ایسے تحقیقی اور علمی کام کرنے کا موقع ملا ہے وہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہزارہا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صفحات کو کھنگال کر ایک ایک نام اور تاریخ کے ڈھونڈھ نکالنے میں ان کا کتنا وقت لگا ہوگا۔ اپنی موجودہ حالت میں یہ کتاب گل کرسٹ کی اُسی زندگی کی داستان پیش کرتی ہے جو اُس نے ہندستان میں گذاری کیونکہ ہندستان آنے سے پہلے اور ہندستان سے اِڈنبرا واپس جانے کے بعد کے حالات اُس تفصیل سے ہمارے سامنے نہیں آسکے ہیں جیسا ہونا چاہئے تھا لیکن یہ اس لئے ممکن نہ تھا کہ اُس مواد تک ان کی رسائی نہ ہو سکی جو ممکن ہے اڈنبرا، لندن یا پیرس کے کتب خانوں میں محفوظ ہو۔ بہر حال گلکرسٹ ہندستان میں جتنے دن رہا، جو کچھ لکھتا پڑھتا رہا، ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم اور فورٹ ولیم کالج کے معلم کی حیثیت سے اس کی زندگی کس طرح گذری، اپنی اور دوسروں کی کتابیں شائع کرانے کے سلسلہ میں اُس نے کیا زحمتیں برداشت کیں، اُردو کے غیر معروف لیکن صاحب صلاحیت اہلِ قلم کے ایک مختصر سے گروہ کی مدد سے اُس نے جدید اردو نثر کی داغ بیل کس طرح ڈالی، اچھے ادیبوں کی ہمت افزائی کے لئے اُس نے کیا تدبیریں اختیار کیں، کمپنی کے ملازمین کو اُردو سکھانے کے سلسلہ میں کس تدریسی

صلاحیت کا اظہار کیا یہ ساری باتیں محققانہ انداز میں عتیق صاحب کی اس تصنیف میں شامل ہیں۔

اُردو ادب کی تاریخ کے لئے جس قسم کے مواد کی ضرورت ہے وہ اس قدر بکھرا پڑا ہے کہ جب تک اسے اسی طرح یک جا نہ کر دیا جائے، صحیح ادبی تاریخ لکھی نہیں جا سکتی۔ جدید اردو نثر کی ابتدا اور ترقی کے سلسلہ میں اُس وقت تک کچھ لکھنا ممکن نہیں جب تک کہ فورٹ ولیم کالج کی ساری مساعی ہمارے سامنے نہ آجائیں اور اس ضمن میں جان گلکرسٹ کی علمی اور ادبی کاوشوں کی پوری تصویر ہمارے پیش نظر نہ ہو۔ یہ کتاب بڑی حد تک اس پہلو کو روشن کرتی ہے۔ کہنے کو تو اس کا مقصد صرف جان گلکرسٹ کی ہندستانی زندگی اور علمی مشاغل کا یکجا کر دینا ہے لیکن ضمناً اس میں بہت سی ایسی ضروری باتیں بھی آگئی ہیں جن سے کمپنی کے عہد کے متعلق دوسری باتیں بھی اخذ کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اربابِ حل و عقد ہندستان میں تعلیم پھیلانے کی جانب کچھ زیادہ متوجہ نہ تھے، چہ جائیکہ وہ ہندستانی زبانوں کی ترویج و اشاعت سے دلچسپی لیتے لیکن جب ہم اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آجاتا ہے کہ کمپنی کے صاحبان اختیار ہر مسئلہ کو سود و زیاں کی ترازو پر تولتے تھے لیکن اس کے بعض دُور بیں اور علم دوست حکام کچھ بلند خیالی سے بھی کام لینا چاہتے تھے۔ لارڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج قائم کرتے ہوئے اس خطرے کو محسوس کیا تھا کہ کمپنی ایسے کالج کو غیر ضروری سمجھے گی، چنانچہ وہی ہوا لیکن اس مختصر سے زمانے میں بھی، جب تک کالج قائم رہا گل کرسٹ اور اس کے کچھ ہم خیال پورے جوش و خروش سے ہندستانی زبان و ادب کے متعلق اپنے دن رات ایک کرتے رہے۔ گل کرسٹ نے ہندستانی منشیوں سے کچھ کتابیں لکھوائیں، انھیں چھپوانا بھی شروع کر دیا لیکن کمپنی نے انھیں غیر ضروری سمجھ کر چھپنے سے روک دیا۔ جب گل کرسٹ نے یہ کہا کہ لوگوں کو کیا پڑھایا جائے تو حکام نے کہا کہ جو حصے چھپ گئے ہیں انھیں سے ایک انتخاب تیار کر دیا جائے، وہ کافی ہوگا۔ اس طرح کی اور بہت سی باتیں زیر بحث آئی ہیں اور یہ کتاب محض

گل کرسٹ کی سوانح عمری ہونے کے بجائے اُس عہد میں ہندستانی زبانوں کے متعلق انگریزوں کے روّیہ کی مختصر تاریخ بھی بن گئی ہے۔

میرے خیال میں محمد عتیق صاحب کی یہ نئی تالیف ہماری ادبی تاریخ کے ایک بہت اہم خلا کو پر کرتی ہے اور تحقیق و تفتیش کی نئی راہیں دکھاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا مطالعہ اُردو دانوں کے علم میں اضافہ کرے گا اور یہ کتاب بھی اسی طرح ارباب نظر سے خراج تحسین حاصل کرے گی جیسے ان کی پہلی تصنیف ہندستانی اخبار نویسی نے حاصل کیا۔

سیّد احتشام حسین

لکھنؤ یونیورسٹی

۱۲ر اگست ۱۹۶۰ء

دیباچہ

کسی علمی، ادبی، یا تحقیقی کام میں ہاتھ لگانے سے پہلے مصنّف اپنے موضوع کا تعیّن کرتا ہے، اُس کا ایک خاکہ بناتا ہے، اور پھر مواد کی جستجو کی مہم شروع کرتا ہے۔ لیکن یہ کتاب جو اِس وقت آپ کے سامنے ہے، ان منزلوں سے نہیں گذری ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کتاب کا اور میرا کچھ اُسی نوع کا قصہ ہوا ہے، جو شاعری کے باب میں غالبؔ کے ساتھ پیش آیا تھا، اور جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ

من نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ

یہ بات کبھی میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آئی تھی کہ گل کرسٹ* کو بھی کسی وسیع تحقیق کا موضوع بنایا جا سکتا ہے، یا کم از کم یہ کہ گل کرسٹ اور فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات پر بھی میں کبھی کام کر سکوں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں ارادے کو نہیں بلکہ صرف اتفاق کو دخل ہے۔ اور یہ اتفاق ۱۹۵۷ء کے اواخر میں پیش آیا۔ میں اس وقت نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں ہندستانی اخبار نویسی کے لئے مواد کی جستجو کر رہا تھا۔ وہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں کے اشاریہ (انڈکس) کی ضخیم جلدوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایک جگہ مجھے گل کرسٹس جرنل Gilchrist's Journal لکھا نظر آیا، اور میری نظریں اُسی جگہ ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ اس وقت چوں کہ 'اخبار نویسی' دماغ پر چھائی ہوئی تھی، اس لئے 'جرنل' کا لفظ

---

* صحیح تلفظ گل کرائسٹ نہیں بلکہ گل کرِسٹ ہے۔ اپنی مطبوعہ کتابوں کے سرورق پر بھی گل کرسٹ نے اپنے نام کا املا "گلکرسٹ" ہی لکھا ہے۔

دیکھتے ہی رسالے کی طرف ذہن قدرتاً منتقل ہوا۔ میں سمجھا کہ یہ کوئی اخبار یا رسالہ ہے، جسے گل کرسٹ نے نکالا تھا۔ اس خیال سے خوشی بھی ہوئی اور ساتھ ہی ایک الجھن بھی پیدا ہو گئی۔ خوشی اس کی ہوئی کہ ایک نئی چیز ہاتھ آ رہی ہے، جو اب تک کسی اور کو نہیں ملی۔ الجھن اس خیال سے ہوئی کہ گل کرسٹ کے اس متوقع اخبار یا رسالے کو میں اپنی کتاب کے جس حصے میں کھپا سکتا تھا، وہ کتابت کی منزل سے گذر چکا تھا اور کاپیاں پلیٹوں پر جم چکی تھیں۔ لیکن یہ دستاویز جب نکل کر سامنے آئی تو مایوسی کے ساتھ کچھ اطمینان بھی ہوا۔ یہ کوئی اخبار یا رسالہ نہ تھا جس کا ذکر کرنے کے لئے جمی ہوئی پلیٹوں میں کتر بیونت کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

یہ دستاویز گل کرسٹ کے اُس مدرسے کا ایک قلمی رجسٹر نکلا، جو اس نے ۱۷۹۹ء میں کلکتے میں، قایم کیا تھا، اور جو فورٹ ولیم کالج کا پیش رو تھا۔ یہ دستاویز پُر از معلومات ہونے کے ساتھ ساتھ دل چسپ بھی نکلی۔ تھوڑی سی جستجو کے بعد گل کرسٹ کے کچھ خطوط بھی نکل آئے، جن کے پڑھنے سے پہلی بار مجھے یہ اندازہ ہوا کہ گل کرسٹ کے متعلق ہماری معلومات محدود ہونے کے ساتھ ساتھ ناقص بھی ہیں۔ میں اُس وقت اپنی زیرِ تالیف کتاب میں بے طرح الجھا تھا، جو زیرِ طبع بھی تھی۔ اسی لئے زیادہ دور تک گل کرسٹ کا میں تعقب نہ کر سکا، لیکن اُس کا خیال میرے ذہن میں منڈلاتا رہا۔ چناں چہ ہندستانی اخبار نویسی، سے فراغت پاتے ہی میں نے جم کر گل کرسٹ پر کام شروع کر دیا۔ کام جوں جوں آگے بڑھتا گیا، گل کرسٹ کی قدر و منزلت بھی میرے دل میں جگہ کرتی گئی۔

ایک سال تک مسلسل کام کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی متفرق اور منتشر دستاویزوں سے، گل کرسٹ کے مدرسے کے رجسٹروں سے، اور فورٹ ولیم کالج کی انتظامی کمیٹی کی کارروائیوں سے جو معلومات حاصل ہوئیں اُن کے علاوہ گل کرسٹ کے خطوط اور ان کے جوابات کی نقلوں کا بہت بڑا ذخیرہ میرے پاس جمع ہو گیا۔ اس کے بعد گل کرسٹ کی اور اس کے عہد کی تصانیف کی جستجو شروع کی، جو ہندستان میں نایاب ہونے کی حد تک کم یاب ہیں۔ نیشنل لائبریری (کلکتہ)، ایشیاٹک سوسائٹی اف بنگال

(کلکتہ)، نیشنل ارکائیوز اف انڈیا لائبریری (نئی دہلی)، دہلی یونیورسٹی لائبریری، مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اور کتب خانہ انجمن ترقی اردو (علی گڑھ) نے یہ منزل بھی بڑی حد تک آسان کردی۔ کتاب ترتیب و تالیف کی حد سے گذر چکی تو، غیر متوقع طور پر گل کرسٹ کے لغت کے پہلے ایڈیشن (۱۷۹۰-۱۷۹۶) کی دونوں جلدیں ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب (انسٹیٹیوٹ اف اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے ذاتی کتب خانے میں نکل آئیں، جو میرے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں۔

یہ کتاب مقدمے کا علاوہ پانچ حصوں میں منقسم ہے ——

پس منظر

گل کرسٹ کا ورود اور تصنیف و تالیف کا دور (۱۷۸۲-۱۷۹۸)

گل کرسٹ کا مدرسہ (۱۷۹۹-۱۸۰۰)

فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰-۱۸۰۴)

ضمیمے

"ضمیمے" میں گل کرسٹ اور اس کے عہد کی تالیفات کی فہرست کے ساتھ ساتھ ان ہندستانی "منشیوں" کی فہرست بھی درج کی گئی ہے۔ جو گل کرسٹ کے عہد میں فورٹ ولیم کالج سے وابستہ تھے۔ اس فہرست سے منشیوں کے تقرر کی تاریخیں اور ان کی تنخواہ وغیرہ کی تفصیلات بھی معلوم ہوں گی۔ آخر میں اکثر مصنفین کے خود نوشت حالات بھی یک جا کر دیے گئے ہیں۔

ان ابواب کی ترتیب و تالیف میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے غیر مطبوعہ ریکارڈوں، گل کرسٹ کے مدرسے اور فورٹ ولیم کالج کونسل کی غیر مطبوعہ کارروائیوں کے علاوہ گل کرسٹ کی تصانیف، نیز کلکتہ گزٹ اور اس عہد کے دیگر اخبارات و رسائل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ سارے مآخذ، تحقیق کی اصطلاح میں "اصلی مآخذ" کہے جاتے ہیں۔ یہ کہنا، غالباً، تعلی پر محمول نہ کیا جائے گا کہ ہندستانی ادبیات کے سلسلے کی یہ پہلی کتاب ہے جو "اصلی مآخذ" کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔

مجھے اس کا بھی احساس ہے کہ اس ادبی داستان کو پڑھتے وقت کچھ ایسے مقام بھی سامنے آئیں گے، جہاں بجا طور پر یہ محسوس ہوگا کہ اس جگہ واقعات کی کچھ کڑیاں گم ہیں۔ ان گم شدہ کڑیوں کو ڈھونڈھ نکالنے کی میں نے ہر امکانی کوشش کی، لیکن بدقسمتی سے میری یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لندن، ایڈن برا، اور پیرس کے علمی ذخیروں کو اور اس دور کے سربرآوردہ انگریزوں کے نجی کاغذات (Private papers) کو اگر کھنگھالا جائے تو ممکن ہے کہ اس ساری داستان کی عموماً اور گل کرسٹ کی علمی زندگی کی خصوصاً تمام گم شدہ کڑیاں مل جائیں۔ افسوس ہے کہ میرے وسایل کی پستی نے میرے شوق کی بلندی کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اور یہ آخری کوشش میں نہ کر سکا۔ ممکن ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد انجمن ترقی اردو (ہند) یا حکومت ہند کی منسٹری اف کلچر یا انگلستان کے کسی علمی ادارے کی توجہ اس طرف مبذول ہو، تو پھر یہ پوری داستان از سر نو دہرائی جا سکے۔

گل کرسٹ اور فورٹ ولیم کالج کی، اور ان دونوں سے زیادہ خود ہندستانی ادب کی یہ کم نصیبی ہے کہ اب تک ہماری کسی یونیورسٹی نے سنجیدگی کے ساتھ گل کرسٹ یا فورٹ ولیم کالج کو تحقیق کا موضوع نہیں بنایا ہے، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری متداول ادبی تاریخوں میں نہ تو گل کرسٹ کے حالات ہی دست یاب ہوتے ہیں اور نہ اس کی ادبی خدمات ہی کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ یہی حال فورٹ ولیم کالج کا ہے، جس نے اپنی پچپن سالہ زندگی میں مشرقی ادبیات کی عموماً، اور ہندستانی ادب کی خصوصاً گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ چناں چہ یہ طویل و عظیم داستان بھی ہمارے لئے ایک سر بہ مہر کتاب ہے۔ کالج کے ہندستانی شعبے سے کون کون مصنفین وابستہ تھے؟ ان کی کیا حیثیت تھی؟ ان کی کیا تنخواہیں تھیں؟ انھوں نے کتنی کتابیں لکھیں؟ ان سوالوں کا اور اسی طرح کے دوسرے سوالوں کا جہاں تک تعلق ہے، ہماری جملہ ادبی تاریخیں، بلا استثنا، یک سر ساکت ہیں۔ ان خلاؤں کو پر کرنے میں یہ کتاب اگر کچھ ممد ثابت ہوئی، تو سمجھوں گا کہ

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے صد سالہ (۱۷۵۷ء۔۱۸۵۷ء) دور حکومت میں کچھ

نیک کام بھی کئے ہیں۔ چناں چہ کمپنی کی حکومت نے ہندستانی ادب کے نشوونما اور اس کی ترویج واشاعت میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔ مجھے اس کا بھی پورا پورا احساس ہے کہ کمپنی کی حکومت نے اس سلسلے میں جو بھی کیا، وہ نتیجہ تھا ان کی انتظامی ضرورتوں کے بہیم تقاضوں کا لیکن اس حقیقت کا اعتراف ان کے کارناموں کے وزن کو کم نہیں کر سکتا۔

آج ہماری سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ادبی تاریخ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی پوری تاریخ کا عموماً اور برطانوی عہد کی تاریخ کا خصوصاً بے لاگی سے ازسرِنو جائزہ لیں، اور ان کے نتائج کی روشنی میں مستقبل کی راہیں متعین کریں۔ اگر اس فرض کو ہم نے کامیابی کے ساتھ ادا نہ کیا تو ہمارے بھٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ پیشِ نظر کتاب میں تاریخ کے اسی مطالبے کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

محمد عتیق صدیقی

ردولی (بارہ بنکی)
یکم دسمبر ۱۹۶۰ء

اعتراف

مجھے سب سے پہلے حکومت ہند کا شکریہ ادا کرنا ہے، جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں سے استفادہ کرنے کی مجھے اجازت دی۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (نئی دہلی) کے رِی کارڈس برانچ اور رِی سرچ رُوم کے سارے عملے کا بھی میں بے حد ممنون ہوں، جس نے رِی کارڈوں کی تلاش اور ان کی فراہمی میں گرم جوشی سے کام لے کر میرے کام کو بہت کچھ آسان بنا دیا۔ نیشنل آرکائیوز کی لائبریری کے عملے کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا فرض ہے، جس نے ہر طرح سے میرے ساتھ تعاون کیا، اور اپنے نادر ذخیرے سے استفادہ کرنے کا موقع دینے کے علاوہ دہلی اور دہلی سے باہر کے کتب خانوں سے بھی میری ضرورت کی کتابیں منگوائیں۔ اس سلسلے میں مسلم یونیورسٹی (علی گڈھ) کے کتب خانے کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جہاں سے میں نے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے گل کرسٹ کے لغت کے پہلے ایڈیشن کی دونوں جلدیں مستعار دیں۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

گل کرسٹ کی تصویر جو اس کتاب کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے، وہ اس کے لغت کے تیسرے ایڈیشن سے لی گئی ہے، جس کا ایک نسخہ ہندی ساہتیہ سمیلن (الٰہ آباد) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ سمیلن کی شاخ دہلی کا ممنون ہوں جس کی وساطت سے یہ نسخہ بلاک بنوانے کے لئے مستعار مل سکا۔

آخر میں انجمن ترقی اردو (ہند) کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا خوش گوار فرض ہے، جو اس کتاب کی ناشر ہے۔

م، ع، ص

ترتیب

پسِ طباعت

طباعت ختم ہونے کے بعد جب یہ کتاب جلد سازی کی منزل سے گذر رہی تھی۔ تو غیر متوقع طور پر فورٹ ولیم کالج کے چند ایسے مخطوطات ملے جن کو اب تک چھپنا نصیب نہیں ہوا ہے۔ ان کے دیباچوں میں مولفین نے اپنے حالات بھی ضمناً قلم بند کئے ہیں۔ ہماری ادبی تاریخوں میں اِن مصنّفین کے حالات چوں کہ ملتے ہی نہیں ہیں۔ اِس لئے اِن کا اضافہ مفید اور ضروری خیال کیا گیا۔

'احوالِ ترجمہ قرآن شریف' بھی اِسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ 'گل کرسٹ اور اس کا عہد' میں بھی اس ترجمے کی داستان بیان کی گئی ہے، لیکن کاظم علی جوان نے اس ترجمے کی جو تفصیلات قلم بند کی ہیں، اُن سے ہماری معلومات میں قابلِ قدر اضافہ ہوتا ہے۔

اب کتاب کے آخر میں (اشاریہ کے بعد) اس نئے مواد کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

م۔ ع۔ ص

ابتدائیہ

ہمارے ادب میں گل کرسٹ کا مرتبہ

اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں جن لوگوں نے ہندستانی زبان اور ہندستانی ادب کو نئے سانچوں میں ڈھال کر ہماری ادبی و لسانی تاریخ کے اوراق پر اپنے دوام کی مہریں ثبت کی ہیں، ان کی فہرست اگر مرتب کی جائے تو گل کرسٹ کا نام یقیناً سرِ فہرست ہوگا۔ اس نے ہماری زبان کے قواعد و لغت کو وسیع پیمانے پر مدوّن کرنے کی اہم خدمات ہی انجام نہیں دیں، بلکہ جدید ہندستانی نثر کا وہ جنم داتا اور پالن ہار بھی تھا۔ اردو اور ہندی کی جو کتابیں گل کرسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج کے ہندستانی شعبے میں تصنیف یا تالیف کی گئیں، ان کتابوں نے ہندستانی نثر کا صرف ادبی معیار ہی نہیں قائم کیا، بلکہ ہمارے جدید نثری ادب میں، نیز ہندی اور اردو طباعت کی تاریخ میں بھی ان کو اوّلیت کا فخر حاصل ہے۔ خود گل کرسٹ نے ہندستانی لسانیات کے موضوع پر جتنی کتابیں تالیف یا تصنیف کیں وہ کسی مصنف کے لئے بھی، تعداد و مواد کے اعتبار سے باعث فخر ہو سکتی ہیں۔

گل کرسٹ کی اہمیت اور قدر و منزلت کے باب میں اردو اور ہندی کے مورخین میں بد قسمتی سے تھوڑا سا اختلاف ہے، اور دونوں کو گل کرسٹ کے متعلق کچھ بدگمانیاں بھی ہیں، مثلاً ہندی کے اکثر مورخین کا خیال ہے کہ ہندی کے مقابلے میں گل کرسٹ نے اردو کی جانب داری کی تھی، اردو اور ہندی دونوں کے اکثر محققین کو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ گل کرسٹ کی لسانی حکمتِ عملی ہی نے اردو ہندی کا جھگڑا

کھڑا کیا۔ لیکن ان تمام بدگمانیوں کے باوجود ہندی ادب کے مورخین نے عموماً اور اردو ادب کے مورخین نے خصوصاً گل کرسٹ کی خدمات کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا ہے ڈاکٹر لکشمی ساگر وارشنے نے اپنی ہندی تالیف 'فورٹ ولیم کالج' میں گل کرسٹ کی کوششوں کی داد دیتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ:

"یہ کہنا انوچت (بے محل) نہ ہوگا کہ کمپنی کے کرم چاریوں (ملازمین) میں ہندستانی کا پرچار کرنے کے لئے جتنا پرشرم (جدوجہد) گل کرسٹ نے کیا' اتنا اور کسی نے نہ کیا تھا۔"[1]

ہندی ادب کے ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ گل کرسٹ کی نگرانی میں ہندی نثر کی جو کتابیں لکھی گئیں "ان کو ہندی نثر کی اولین تصانیف اگر نہ بھی مانا جائے" تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہ کر سکے گا کہ ان کتابوں نے "ہندی نثر کا ادبی معیار قائم کیا۔"[2]

جہاں تک اردو کا تعلق ہے، اس زبان وادب کا کوئی بھی مورخ، بقول مولوی عبدالحق، گل کرسٹ کا ذکر بغیر احسان مندی کے نہیں کر سکتا۔ احسان مندی کے اسی جذبے کا اظہار کرتے ہوئے ایک جگہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "بلا مبالغہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو احسان ولی نے اردو شاعری پر کیا تھا، اس سے زیادہ نہیں تو اسی قدر احسان جان گل کرسٹ نے اردو نثر پر کیا ہے۔"[3]

رام بابو سکسینہ کے الفاظ میں گل کرسٹ "اردو کے مربی (باپ) کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔"[4] یحیےٰ تنہا نے بھی اردو نثر کی قلم رو میں گل کرسٹ کو وہی مرتبہ دیا ہے جو اردو شاعری کی دنیا میں ولی کا ہے۔[5]

ہمارے مستند مورخین و محققین نے گل کرسٹ کی خدمات کا جس احسان مندی و شکر گذاری کے ساتھ اعتراف کیا ہے، وہ قدیم مشرقی ادب کے روایتی مبالغے پر اگر مبنی نہیں ہے، تو یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ لسانیات اور ادبیات کی تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے، کیوں کہ آج تک کسی غیر ملکی زبان میں کوئی شخص بھی اس مرتبہ کا حامل نہ ہو سکا تھا، جو گل کرسٹ نے ہماری ادبی و لسانی تاریخ میں حاصل کر لیا ہے۔ لیکن اس سے

بھی عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ اپنی زبان اور اپنے ادب کے اتنے بڑے محسن کے متعلق ہماری معلومات عبرت ناک حد تک محدود ہیں۔ گل کرسٹ کب اور کیوں کر ہندستان آیا؟ یہاں کے دورانِ قیام میں وہ کہاں کہاں رہا؟ ہماری زبان کا علم حاصل کرنے کے لئے وہ کن دشوار گزار وادیوں سے گزرا؟ طبیب سے ادیب بننے تک کتنی کٹھن منزلیں اس نے طے کیں؟ ہماری زبان اور ہمارے ادب پر اس کے کیا احسانات ہیں؟ ان سب کا اور اسی طرح کے دوسرے سوالوں کا، تفصیلی تو درکنار، اجمالی جواب دینے سے بھی ہماری ادبی تاریخیں قاصر ہیں۔ جب ہماری ہی عدم واقفیت کا یہ حال ہے تو ان کتابوں کا رونا کیا رویا جائے، جو انگریزی میں لکھی گئی ہیں۔

مستشرقین میں گل کرسٹ کا مرتبہ

گل کرسٹ کی خدمات سے عدم واقفیت کا ایک افسوس ناک نتیجہ یہ ہے کہ چوٹی کے مستشرقین کے نام جب گنائے جاتے ہیں تو گل کرسٹ کو لوگ یا تو بھول جاتے ہیں، یا اس فہرست میں اگر اس کو شامل کیا بھی جاتا ہے تو اس کا نام سب سے نیچے نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو سر فہرست ہونا چاہیے۔ سر ولیم جونس جنھیں مستشرقین کا کارواں سالار سمجھا جاتا ہے، ان کی اس حیثیت سے اگر قطع نظر کر لیا جائے کہ وہ اس ایشاٹک سوسائٹی کے بانی اور روح رواں تھے، جس نے مشرقی علوم کی نشاۃ ثانیہ کے دور کا آغاز کیا، تو گل کرسٹ کا درجہ سر ولیم جونس سے بلند تر ہے۔

سر ولیم جونس جو سنسکرت کے عالم اور اسلامی فقہ کے ماہر تھے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مشرقی علوم کی کتابوں کو انگریزی زبان میں منتقل کرا کے انھوں نے مغرب کو مشرق سے روشناس کیا۔ اس کا ایک خوش گوار نتیجہ مشرق کے قدیم علوم کے احیاء کی شکل میں بھی نمودار ہوا۔ اس کے لئے ہم ان کے احسان مند ہیں، لیکن ہم سے زیادہ مغرب کو ان کا ممنون ہونا چاہیے۔ گل کرسٹ کے کام کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ ہندستان کی وہ مختلف بولیاں، جنھیں گریرسن (Grierson) نے "ہندی آریائی خاندان کی مرکزی بولیوں"

کا نام دیا ہے اور جو ہمالہ کی ترائی سے لے کر راس کماری کے ساحل تک اور بمبئی سے لے کر کلکتے تک مختلف مخلوط شکلوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھیں ان کو ترقی دے کر گل کرسٹ نے "زبان" کا درجہ دیا۔ اور ہندستانی اس کا نام رکھا۔ اور پھر اس جدید ہندستانی زبان کا نیا نثری ادب پیدا کیا۔ گل کرسٹ کا یہ ایسا کارنامہ ہے، جس کے سامنے دوسرے مستشرقین کے کام بے حقیقت ہیں۔ اس کی علمی و لسانی خدمات کا جائزہ لیتے وقت اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ گل کرسٹ کو نہ تو وہ ذہنی سکون ہی نصیب تھا اور نہ ان وسائل ہی تک اس کی رسائی تھی، جو سر ولیم جونس اور اس عہد کے بیشتر مستشرقین کے حصے میں آئے تھے۔

غلطی ہائے مضامین مت پوچھ

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہم کو اپنی ادبی تاریخوں میں گل کرسٹ کے متعلق جو گنی چنی باتیں ملتی بھی ہیں، وہ قطعاً بے سروپا ہیں۔ اس کے متعلق تین حسبِ ذیل باتیں ہم کو تبلائی جاتی ہیں:

۱ ۱۷۸۳ء میں وہ ہندستان پہنچا۔
۲ انگلستان سے براہ راست ملازم ہو کر ہندستان آیا۔
۳ ویلزلی نے اس کو فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل مقرر کیا۔

پیش نظر تالیف میں آپ کو اس کے دستاویزی ثبوت ملیں گے کہ ان باتوں کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ۱۷۸۳ء میں نہیں بلکہ ۱۷۸۲ء میں گل کرسٹ ہندستان آیا، اور کلکتے نہیں، بلکہ بمبئی کے ساحل پر اترا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہو کر نہیں آیا تھا، بلکہ یہاں آنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں داخل ہوا۔ ان پہلوؤں پر چوں کہ آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث کی جائے گی، اس لئے یہاں ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ کیا واقعی ——

گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل تھا؟

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہے۔ پرنسپل ہونا تو ایک طرف رہا گل کرسٹ غریب کالج کا وائس پرنسپل یا کالج کونسل کا ممبر بھی نہیں تھا۔ اس غلطی کا اور اسی طرح کی دوسری تمام غلطیوں نیز معلومات کے فقدان کا سبب یہ ہے کہ تحقیق کے سلسلے میں ہمارے ادبی مؤرخین نے صرف ثانوی مآخذ کا سہارا لیا ہے، اور اصل مآخذ تک، جن میں مصنف کی کتابیں بھی شامل ہوتی ہیں، کسی نے رسائی حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غلطیاں ایک کتاب سے دوسری کتاب میں، اور ایک زبان سے دوسری زبان میں وراثتاً منتقل ہوتی رہیں۔

اردو کی پہلی مبسوط تاریخ رام بابو سکسینہ نے لکھی، اور گل کرسٹ کو فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل لکھنے کی پہلی غلطی بھی، ان ہی کے قلم سے نکلی۔ لیکن یہ غلطی انھوں نے غالباً انگریزی کے ایک تذکرے ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی (Dictionary of National Biography) سے مستعار لی تھی۔ اس انگریزی تذکرے کی طرف ذہن یوں منتقل ہوا کہ گل کرسٹ کے متعلق جو باتیں تاریخ ادب اردو میں لکھی گئی ہیں، وہ بیشتر اسی سے اخذ کی گئی ہیں، بلکہ بعض جگہ تو ترجمے کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن اس دور کے اور مؤرخین کی طرح رام بابو نے بھی مآخذ کا حوالہ دینا غیر ضروری سمجھا اس لئے قدرتاً اس تذکرے کا بھی انھوں نے نام نہیں لیا۔

فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کی حیثیت صرف "ہندستانی پروفیسر" کی تھی، اور کالج سے مستعفی ہونے تک وہ اسی عہدے پر مامور رہا۔ ویلزلی جو کالج کا بانی اور کرتا دھرتا تھا، ممکن ہے کہ گل کرسٹ ہی کو کالج کا سربراہ بنانا پسند کرتا جس کی علمی لیاقت اور انتظامی اہلیت کا وہ معترف بھی تھا لیکن کالج کے اس اعلیٰ عہدے کے لئے ایک لازمی شرط یہ بھی تھی کہ:

"کالج کا پرووسٹ (Provost) یعنی پرنسپل، انگلستان کے کلیسا کا

کلرجی مین (Clergyman) ہوگا۔"[9]

گل کرسٹ اس صفت سے متصف نہ تھا، اس لئے اس کے پرنسپل مقرر ہونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ چناں چہ ریونڈ ڈیویڈ براون (Rev. David Brown) کو کالج کا پہلا پرنسپل مقرر کیا گیا، جو کلکتے کے قلعہ فورٹ ولیم کا پادری اور کلکتہ بائبل سوسائٹی کا بانی تھا۔[11]

ہندستانی ادب کے مورخین و محققین کا جہاں تک تعلق ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ فورٹ ولیم کالج کی ان ابتدائی مطبوعات تک ان کی رسائی نہ ہو سکی جو گل کرسٹ کی پروفیسری ہی کے عہد میں شائع ہوئی تھیں، اور جن کے سرورق پر مصنف، مؤلف یا نگراں کی حیثیت سے اس کا نام بھی درج ہے۔ یہی بات گل کرسٹ کی اُن تالیفات کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جو اس نے انگلستان لوٹنے کے بعد شایع کی تھیں، ورنہ اس کو فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل لکھنے سے پہلے ایک مرتبہ اس پر غور ضرور کرتے کہ کیا واقعی گل کرسٹ ہی کالج کا پرنسپل تھا؟

مجھے اس حقیقت کا بھی پورا پورا احساس ہے کہ کالج کے ہندستانی شعبے کے منشیوں نے اس عہد کی تمام مطبوعات میں مشرق کی جاگیردارانہ روایات کے عین مطابق،

"خداوند نعمت، صاحب مروت، نجیبوں کے قدردان جان گل کرسٹ صاحب
کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے جب تک کہ گنگا جمنا بہے"[12]

کا نام اس انداز سے لکھا ہے کہ ہمارے مورخین کا ذہن اس سوال کی طرف متوجہ نہ ہو سکا کہ فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ سے بڑا کوئی اور افسر بھی ہو سکتا تھا۔ اس وقت اتفاقاً میرے سامنے دو ایسی کتابیں ہیں، جن میں دو اور دو چار کی طرح گل کرسٹ کے عہدے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی کتاب گل کرسٹ ہی کی ہے۔ یہ اس کے لغت کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۸۱۰ء میں اس نے اڈنبرا سے شائع کی تھی۔ اس کے سرورق پر اس کے نام ساتھ

Late of the Bengal Medical Establishment, and
Professor of Hindoostani, in the College of Fort William.

درج ہے[13]۔ اس جگہ گل کرسٹ نے اپنے نام کے ساتھ "سابق پرنسپل" کا اضافہ نہیں کیا ہے۔

دوسری کتاب شیر علی افسوس کی آرائش محفل ہے، اس کے دیباچے میں افسوس نے گل کرسٹ کا نام اس طرح لکھا ہے:

صاحب مدرس ہندی مسٹر جان گل کرسٹ بہادر دام اقبالہ۔[14]

صاحب مدرس ہندی، اس وقت کی زبان میں ہندی پروفیسر کا اردو ترجمہ تھا۔ گل کرسٹ اور شیر علی افسوس کی عبارتیں اگر کوئی شخص پڑھے تو قدرتاً یہ سوال اس کے ذہن میں پیدا ہوگا کہ جب گل کرسٹ صرف "ہندستانی پروفیسر" یا "صاحب مدرس ہندی" تھا، تو پرنسپل کوئی اور رہا ہوگا۔ اس سوال کی طرف ذہن منتقل ہوتے ہی تحقیق کا ایک نیا میدان سامنے آجاتا ہے۔

انگریزی کی مستند ترین کتابیں بھی غلطیوں سے پاک نہیں ہیں

یہ ایک دل چسپ واقعہ ہے کہ گل کرسٹ کے فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل ہونے کی مضحکہ خیز غلطی کا، اور اسی طرح کی اور غلطیوں کا جہاں تک تعلق ہے، انگریزی کی مستند ترین کتابیں اور تذکرے بھی ان سے پاک نہیں ہیں۔ مثال کے لیے انگریزی کی چند چوٹی کی کتابوں کو لیجیے۔

ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی (Dictionary of National Biography) جس کا پہلے بھی نام لیا جا چکا ہے، انگریزوں کا اور انگریزی زبان کا مستند تذکرہ سمجھا جاتا ہے، جو علاوہ ضمیموں کے، ۶۳ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی گل کرسٹ کے قیام ہندستان کے متعلق جو حالات درج کیے گئے ہیں، ان میں سے بیش تر صحیح نہیں ہیں اس عظیم اور ضخیم تذکرے کے فاضل مرتبین کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اگر اس امر کی وضاحت نہ کی گئی کہ گل کرسٹ کے متعلق جو غلط بیانیاں اس کتاب میں ملتی ہیں، وہ مشہور تذکرہ نگار ڈاڈ ول اور مائلز (Dodwell and Miles) کی ایک کتاب "میڈیکل افیسرز آف انڈین آرمی" (Medical Officers of the Indian Army) کے حوالے سے درج کی

گئی ہیں[۱۵] جو اپنی دوسری متعلقہ کتابوں کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول اور فوجی ملازمین کے باب میں حدیث و قرآن کا درجہ رکھتی ہے۔

اِن سائیکلوپیڈیا برٹےنی کا (Encyclopaedia Britannica) جیسی معروف و مستند کتاب کا بھی اسی سلسلے میں نام لیا جا سکتا ہے، جس میں "ہندستانی ادب" کے بیان میں لکھا گیا ہے کہ:

"انیسویں صدی کے آغاز میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج کا افسرِ اعلیٰ (Head) تھا۔"[۱۶]

اور یہ غلطی اِن سائیکلوپیڈیا برٹےنی کا کے قدیم و جدید ایڈیشنوں میں پائی جاتی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں سی۔ ای۔ بک لینڈ (C. E. Buckland) نے ہندستان کے سربرآوردہ انگریزوں کا ایک تذکرہ، ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی (Dictionary of Indian Biography) کے نام سے مرتب کیا، جس میں اس نے نہایت واضح الفاظ میں گل کرسٹ کے متعلق لکھا کہ:

"... ایسٹ انڈیا کمپنی کی طبّی ملازمت میں وہ ۱۷۹۴ء میں کلکتے آیا..... مارکوئس آف ویلزلی نے ۱۸۰۰ء میں اس کو فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل مقرر کیا۔"[۱۷]

اس بیان میں سنہ اور واقعے کی جو غلطیاں ہیں، وہ محتاجِ بحث نہیں ہیں۔

بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں گراہم بےلی (Graham Bailey) نے اردو ادب کی تاریخ، اور مسٹر کے (E. F. Keay) نے ہندی ادب کی تاریخ لکھی۔ ان دونوں صاحبوں نے بھی فورٹ ولیم کالج کی پرنسپلی کا تاج گل کرسٹ ہی کے سر پر رکھا۔[۱۸] ہمارے ادب کے ہندستانی مورخین کے مقابلے میں انگریز مورخین کی یہ غلطی زیادہ افسوس ناک ہے، کیوں کہ انگریزی زبان میں فورٹ ولیم کالج کے متعلق کم از کم ایک ایسی کتاب ضرور موجود ہے، جو آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے مرتب کی گئی تھی، اور اس میں ڈیویڈ براون کو کالج کا پرنسپل اور گل کرسٹ کو ہندستانی پروفیسر لکھا گیا ہے۔ یہ ہے تھامس رُوبک (Thomas Roebuck) کی کتاب 'فورٹ ولیم کالج کی تاریخ'،

(Annals of the College of Fort William) جو ۱۸۲۰ء میں ہندستانی پریس (کلکتہ) سے شائع ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں کرنل رین کنگ (Col. Ranking) کا طویل و پر از معلومات مقالہ بھی قابل ذکر ہے جو "فورٹ ولیم کالج کی تاریخ" کے عنوان سے بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ (The Bengal Past and Present) میں ۱۹۱۱ء اور ۱۹۲۱ء کے چار نمبروں میں شایع ہوا تھا۔

الہ آباد یونیورسٹی کے ڈاکٹر لکشمی ساگر وارشنے نے ڈی۔ لِٹ کے لئے فورٹ ولیم کالج پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا تھا، جسے الہ آباد یونیورسٹی کے ہندی شعبے نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ گل کرسٹ کو فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل لکھنے کی وبائے عام میں تو ڈاکٹر وارشنے مبتلا نہیں ہوئے، لیکن وہ یہ لکھنے سے باز نہ رہ سکے کہ:

"۱۷۸۳ء میں جان بارتھ وِک گل کرسٹ ایسٹ انڈیا کمپنی میں سہائک (اسسٹنٹ) سرجن نِیُکت (مقرر) ہو کر بھارت ورش آیا"[19]

یہاں بھی سنہ اور واقعہ دونوں غلط ہیں۔

ہندستانی پریس گل کرسٹ نے قایم کیا تھا

گل کرسٹ سے متعلق "غلطی ہائے مضامین" کی فہرست اگر مرتب کی جائے تو وہ خاصی طویل ہو گی۔ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہندستانی چھاپا خانہ یا ہندستانی پریس بھی ہے۔ اردو ادب کے مورخین کا بیان ہے کہ اس چھاپے خانے کے مالک مولوی اکرام علی تھے، جنھوں نے ۱۸۱۰ء میں اس کو قائم کیا تھا، اور یہی اردو کا پہلا چھاپا خانہ تھا۔

"ہندستانی اخبار نویسی" میں اس خیال کو مشتبہ قرار دیتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ

"... فارسی رسم خط کا پہلا باضابطہ تجارتی چھاپا خانہ ۱۸۰۱ء کے اواخر یا ۱۸۰۲ء کے اوائل میں قائم ہوا۔ اس کا نام ہندستانی پریس تھا...

"... محققین نے ہندستانی پریس کا سنہ اجرا ۱۸۱۰ء لکھا ہے، جو یقیناً صحیح نہیں ہے۔ اور سب نے یہ غلطی مولّف اختر شہنشاہی سے مستعار لی ہے

جنھوں نے اس مطبع کا سنہ اجرا یکم جنوری ۱۸۱۰ء بتلایا ہے اور جن کے بیان کے مطابق اس کے مالک مولوی اکرام علی" تھے"[۲۰]

اُس وقت میرے پاس اس کا کوئی واضح ثبوت نہ تھا کہ اس چھاپے خانے کے بانی مولوی اکرام علی نہیں تھے۔ اس لئے میں نے دبے الفاظ میں اس خیال کو مشتبہ قرار دیا تھا۔ میرے شبہ کی تردید کرتے ہوئے جناب ناؔدم صاحب سیتاپوری نے اپنی تالیف "فورٹ ولیم اور اکرام علی" میں، جو گذشتہ سال شایع ہوئی ہے، لکھا کہ:

"صدیقی صاحب کی اس تحقیق سے یقیناً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندستانی پریس اور فورٹ ولیم کالج پریس قریب قریب ایک ہی زمانے میں قائم ہوئے...۔ اب رہا یہ سوال کہ ہندستانی پریس مولوی اکرام علی کی ملکیت تھا یا نہیں؟"[۲۱]

اب میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ مولوی اکرام علی نے نہیں بلکہ گل کرسٹ نے ۱۸۰۲ء میں یہ چھاپا خانہ قایم کیا تھا، اور یہ گل کرسٹ ہی کی ملکیت تھا۔ فورٹ ولیم کالج کے باب میں آپ کو اس دعوے کے دستاویزی ثبوت ملیں گے۔

گل کرسٹ کے قیامِ ہندستان کا ایک سرسری جائزہ

۱۷۸۲ء میں گل کرسٹ تیئیس سال کی عمر میں ہندستان آیا اور ۱۸۰۴ء تک یہاں مقیم رہا۔ اس حساب سے ہندستان میں اس کے قیام کی مدت کم و بیش بائیس سال ہوتی ہے۔ واپسی کے وقت اس کی عمر پینتالیس سال تھی۔ گویا اپنی عمر کا بہترین حصہ اس نے اسی ملک میں بسر کیا گل کرسٹ کے قیام ہندستان کی کچھ اہم تاریخیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں، جن سے اس کے قیام کی نوعیت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

پہلا دور ۱۷۸۲ء تا ۱۷۹۸ء

۱۷۸۲ ہندستان میں ورود

ہندستانی زبان کی تحصیل کا آغاز
ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجی طبّی ملازمت، اور سورت میں قیام۔
۱۷۸۳ سورت سے فتح گڑھ تبادلہ
۱۷۸۵ ہندستانی زبان کے قواعد و لغت کا مواد فراہم کرنے کے لئے، ایک سال کی رخصت کی منظوری، جس میں سال بہ سال توسیع ہوتی رہی۔ فتح گڑھ کو خیرباد کہنے کے بعد اپنے اصلی پیشے، یعنی طبابت کی طرف وہ کبھی بھی لوٹ نہ سکا۔
شمالی ہند کا سفر۔ فیض آباد میں قیام
لغت کی طباعت کے لئے کلکتے کا سفر
۱۷۸۶ لغت کی طباعت کا آغاز
۱۷۸۷ (تا ۱۷۹۵) غازی پور میں قیام۔ نیل کی کاشت و تجارت۔ کاروباری عروج و زوال کا دور
۱۷۹۰ لغت کی طباعت کے سلسلے میں لغت کے حقوق کا رہن
لغت چھپ کر شائع ہو گیا
۱۷۹۵ مراجعت کلکتہ
۱۷۹۶ 'ہندستانی زبان کی قواعد' شائع ہو گئی
۱۷۹۸ ضمیمہ، اور 'مشرقی زباں داں' کی اشاعت
ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب حل و عقد نے گل کرسٹ کو ہندستانی زبان کا مسلم الثبوت ماہر تسلیم کر لیا

دوسرا دور۔ ۱۷۹۹ء تا ۱۸۰۰ء

۱۷۹۹ گل کرسٹ کے 'مدرسے' کا قیام (جنوری ۱۷۹۹)۔
معلمی کی زندگی کا آغاز

۱۸۰۰ مدرسے کا خاتمہ
خدمات کا اعتراف

تیسرا دور ۔۔۔ ۱۸۰۰ء تا ۱۸۰۴ء

۱۸۰۰ فورٹ ولیم کالج کا قیام ہندستانی پروفیسر کے عہدے پر تقرر
۱۸۰۰ کالج میں تعلیم اور تصنیف وتالیف کے دوسرے دور کا آغاز
۱۸۰۲ ہندستانی پریس کا قیام
۱۸۰۴ (۱۸۰۰ سے ۱۸۰۴ تک) بارہ کتابیں، تصنیف وتالیف کرکے شایع کیں
استعفا اور مراجعت وطن

گل کرسٹ کے عہد میں (۱۸۰۰ء ۔ ۱۸۰۴ء) ہندستانی زبان کی ۶۳ کتابیں تصنیف وتالیف یا ترجمہ کی گئیں۔

گل کرسٹ ایک قسمت آزما کی حیثیت سے ہندستان آیا۔ یہاں آنے سے پہلے چند سال اس نے ویسٹ انڈیز (West Indies) میں بھی بسر کئے تھے جس کا اس نے خود ایک خط میں ذکر کیا ہے۔ وہاں کے قیام کی نوعیت اور مدت کا ہم کو پتا نہیں چلتا۔ گمان غالب ہے کہ قسمت آزمائی ہی کے لئے گیا ہوگا۔ وہاں جب کامیابی نہ ہوئی ہوگی تو اس نے ہندستان کا رخ کیا ہوگا، جہاں اس وقت منچلے انگریزوں کے لئے قسمت آزمائی کے ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں وسیع میدان تھے۔ یہاں آنے سے پہلے اس دیش کی اتھاہ دولت کے ہوس انگیز چرچے بھی اس نے ضرور سنے ہوں گے، بلکہ اپنے ہم وطنوں کو اس نے دیکھا بھی ہوگا جو ہندستان میں چند ہی سال قیام کرنے کے بعد زر وجواہر کے انبار سے لدے پھندے انگلستان لوٹا کرتے تھے۔ بمبئی پہنچتے ہی، امید کے مطابق اس کو ملازمت بھی مل گئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں وہ اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوگیا۔ اس تقرر نے اُس کے فوری مسائل حل کردئے ہوں گے۔ پیٹ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے مستقبل کے متعلق

سوچنا شروع کیا، اور جلد ہی وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اپنے فن سے دوسروں کے درد دکھ کا علاج تو وہ کر سکتا ہے، لیکن خود اس کی آرزوؤں کی درماندگی کا اس سے مداوا نہیں ہو سکتا۔ اسی جذبے کا اعتراف کرتے ہوئے ایک جگہ اس نے لکھا ہے کہ اس بات کا اسے یقین تھا کہ فوجی طبی ملازمت سے پیٹ کی روٹی تو اسے مل جائے گی، لیکن خاطر خواہ ترقی وہ نہ کر سکے گا۔[۲۲] اور اس کی حوصلہ مند طبیعت صرف پیٹ کی روٹی پر قناعت کرنے کے لئے راضی نہ تھی۔

گل کرسٹ بے حد ذہین اور دور اندیش انسان تھا۔ بمبئی کے ساحل پر قدم رکھتے ہی اس نے ملکی زبان سیکھنی شروع کر دی تھی، جس کا سبب تو اس نے یہ بتلایا ہے کہ پہلے ہی دن اس حقیقت کو اس نے محسوس کر لیا تھا کہ جب تک ہندستانی زبان پر وہ کلی عبور حاصل نہ کرے گا، اس وقت تک یہاں کی زندگی سے وہ لطف اندوز نہ ہو سکے گا۔[۲۳] لیکن اس کا ایک وزنی سبب اور بھی رہا ہوگا جس کی طرف خود گل کرسٹ نے بھی جابجا مبہم اشارے کئے ہیں اور جس کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ یہ تھا کہ ہندستان آتے ہی اس کے ذہنِ رسا نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہندستان کا بوڑھا جاگیردرانہ نظام اس کے وطن کے نوخیز تجارتی سامراج کے مقابلے میں ٹک نہ سکے گا۔ اس کی دوربین نگاہیں ایک اور حقیقت کو بھی دیکھ رہی تھیں، جس کی طرف اس کے دوسرے ہم وطنوں کی توجہ مبذول نہ ہوئی تھی اور وہ اس سے بے خبر تھے، وہ یہ تھی کہ ہندستان میں انگریزی سامراج کے قیام و بقا کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بدیسی اہل کار ہندستانی زبان کو، جس کے ہندستان گیر ہونے کا اسے یقین تھا، زیادہ سے زیادہ سیکھیں۔ چناں چہ اسے اپنے اس خیال پر بھی پورا بھروسہ تھا کہ حکمران طبقے کے تجارتی و انتظامی مصالح اُن کو ہندستانی زبان کے سیکھنے پر جلد ہی مجبور کریں گے جس کے موثر ذرائع اس وقت کلیتاً ناپید تھے۔ ہندستانی زبان کے قواعد و لغت پر انگریزی میں کپتان ہیڈلے (Hadley) کی ایک چھوٹی سی کتاب یقیناً موجود تھی، لیکن خود گل کرسٹ کے تجربے نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ناکافی و ناقص تھی، اور اس سے مستقبل کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ اس احساس کے پیدا ہوتے ہی، اس کے ذہن نے شہرت و ترقی کی ایک نئی راہ اُس کے سامنے کھول دی، اور آنکھ بند کر کے وہ اُس راہ پر چل پڑا۔ اس خیال کی

تائید میں گل کرسٹ کا یہ بیان پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہندستانی زبان کی ابجد شروع کرتے ہی اس نے اس زبان پر ایک کتاب لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس کو یقین تھا کہ اس کی تصنیف ہاتھوں ہاتھ بک جائی گی۔ ہیس ٹنگز (Hastings) "جو علم کے بڑے قدر داں ہیں، اس کی کوششوں کو نظر انداز نہ کریں گے"[۲۴]

یہ اسی یقینِ محکم کا نتیجہ تھا کہ تین سال کی مختصر مدت میں اس نے ہندستانی زبان پر صرف عبور ہی حاصل نہیں کیا، بلکہ اسی دوران میں اپنی مجوزہ کتاب کے لئے اس نے خاصا مواد بھی اکٹھا کر لیا۔ تصنیف و تالیف کا کام آج جتنا صبر آزما اور دشوار ہے اس وقت اس سے کہیں زیادہ صبر آزما اور دشوار تر تھا، خصوصاً ان نامساعد حالات میں، گل کرسٹ جن کا مسلسل شکار رہا تھا۔ پھر ایک ایسی زبان کو علمی تحقیق کا موضوع بنانا بڑی ہمت کا کام تھا، جس کو خود اس کی مادری زبان سے دور دور کا بھی تعلق نہ تھا، اور جس کے قواعد و لغت پر اس وقت تک خود ان لوگوں نے بھی کوئی کام نہ کیا تھا، جن کی وہ مادری زبان تھی۔ گل کرسٹ دھن کا بڑا پکا تھا۔ سولہ سال، ۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۸ء تک، راہ کی دشواریوں کا، جو بے حساب تھیں، اور ہمت شکن حالات کا، جن کی گردو پیش فراوانی تھی، وہ مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ بالآخر اس کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریکارڈوں اور دوسرے ذرائع سے ہم کو پہلی بار یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قیام ہندستان کے پہلے دور میں گل کرسٹ سات سال (۱۷۸۷ سے ۱۷۹۴) تک اتر پردیش کے شہر غازی پور میں مقیم رہا۔ اسی دوران میں اس کی پہلی کتاب، انگریزی ہندستانی لغت چھپ کر منظر عام پر آئی اور یہیں بیٹھ کر اس نے ہندستانی زبان کے قواعد کا اور لغت و قواعد کے "ضمیمہ" کا مسودہ تیار کیا۔ غازی پور کے دوران قیام میں تصنیف و تالیف کے علاوہ گل کرسٹ نے کچھ تجارتی و زرعی تجربات بھی کئے۔ اس میدان میں قسمت اس کا ساتھ نہ دے سکی اور اس کو شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ہندستان میں گل کرسٹ کی زندگی کا پہلا دور، جو سولہ برس کی طویل مدت پر پھیلا تھا، مصیبتوں اور پریشانیوں کے پیہم نزول کا دور تھا۔ ذہنی کوفت، جسمانی تکالیف

اور شدید مالی دشواریوں کے اس دور میں اس نے حسب ذیل چار کتابیں یکے بعد دیگرے شائع کیں۔

English and Hindoostanee Dictionary (1786-1790)

A Grammar of the Hindoostanee Language, (1796).

The Appendix (1798).

The Oriental Linguist. (1798)

ان کتابوں کی اشاعت نے اس کی شہرت کو پر لگا دیے اور اس کے ساتھ ہی اس کی مصیبتوں کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد پھر ہم کو اس کی کوئی تحریر نہیں ملتی جس میں اس نے مالی مصیبتوں کا رونا رویا ہو۔

گل کرسٹ کی ہندستانی زندگی کا دوسرا دور، جسے فارغ البالی کے دور کا آغاز کہنا چاہیئے، جنوری ۱۷۹۹ء سے شروع ہو کر جولائی ۱۸۰۰ء میں ختم ہوگیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نووارد سول ملازمین (Junior Civil Servants) کو ہندستانی و فارسی کا درس دینے کے لئے، ولیزلی کے ایما سے گل کرسٹ نے جنوری ۱۷۹۹ء میں ایک مدرسہ قائم کیا جو بہ ظاہر ایک نیم سرکاری ادارہ تھا، لیکن عملاً اسی کی حیثیت ایک سرکاری درس گاہ کی تھی اس کا نام "گل کرسٹ کا مدرسہ" یا اورنیٹل سیمے نری (Oriental Seminary) تھا۔

گل کرسٹ کے اس مدرسے میں طالب علموں کی تعداد، جو ۳۱ سے شروع ہوئی تھی، چالیس کے آگے نہ بڑھ سکی۔ تعلیم کا سارا بار گل کرسٹ ہی کے سر تھا۔ یہ مدرسہ جس کی مدتِ حیات صرف ڈیڑھ سال تھی، دراصل فورٹ ولیم کالج کا پیش رو تھا۔ گل کرسٹ کے اس دور کی بہترین یادگار اس کے مدرسے کے رجسٹر اور ڈائریاں ہیں، جن کے اقتباسات "گل کرسٹ کا مدرسہ" کے باب میں پیش کئے جائیں گے۔

معلمی کے اس ابتدائی دور میں گل کرسٹ نے ایک چھوٹی سی کتاب فارسی و انگریزی میں لکھی، اس کا نام تھا۔

"نوایجاد یعنی نقشۂ افعال فارسی مع مصدرات ان ومترادف ہندستانی
وفارسی وانگریزی۔"

لیکن یہ کتاب شائع ہوئی ۱۸۰۱ء میں۔

گل کرسٹ کی ہندستانی زندگی کا تیسرا اور آخری دور فورٹ ولیم کالج کے قیام کے ساتھ شروع ہوا۔ کالج کا افتتاح تو ویلزلی نے ۶ر جون ۱۸۰۰ء کو کیا تھا، اگرچہ اس وقت تک کالج کے اسٹاف کا تقرر بھی عمل میں نہ آیا تھا۔ پڑھائی کوئی چھ مہینے کے بعد شروع ہوئی۔ افتتاح کے لئے ۶ر جون کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ اس سے ٹھیک ایک سال پہلے ۶ر جون ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم میں انگریزی فوجوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کی یادگار کے طور پر یہ کالج قائم کیا گیا تھا۔

فورٹ ولیم کالج نے تو آدھی صدی سے کچھ اوپر زندگی پائی، لیکن گل کرسٹ ۱۸۰۴ء کے اوائل میں مستعفی ہوگیا۔ اس حساب سے کم وبیش صرف چار سال وہ کالج سے وابستہ رہا۔ اگر کالج کی پوری تاریخ سامنے آجائے تو اندازہ ہوگا کہ جہاں تک ہندستانی ادبیات کا تعلق ہے گل کرسٹ کا چہار سالہ عہد ہی کالج کی ادبی خدمات کے شباب کا زمانہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ گل کرسٹ کے جانے کے بعد بھی کچھ اچھی کتابیں شائع ہوئیں، لیکن ان میں سے بیشتر کتابیں گل کرسٹ ہی کے عہد میں ترجمہ، تصنیف یا تالیف ہو چکی تھیں۔

گل کرسٹ کے عہد کے تالیفات وتراجم

گل کرسٹ کا اس سے بھی بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جتنا کام خود اس نے کیا، اس سے کہیں زیادہ اس نے دوسروں سے کام لیا۔ اور یہ اس کی خدمات کا نہایت ہی روشن اور اہم پہلو ہے۔ گل کرسٹ میں ادبی مردم شناسی بھی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کالج کے ہندستانی شعبے کے لئے اس نے جن ہندستانی منشیوں کا انتخاب کیا تھا، ان میں سے بیشتر کی علمیت وادبیت

کا ہم آج بھی لوہا مانتے ہیں۔ میر امّن، بہادر علی حسینی، مظہر علی ولاؔ، شیر علی افسوسؔ، نہال چند لاہوری، للّولال اور سدل مسرو غیرہ کے جب بھی نام لئے جاتے ہیں تو ہمارا سر احترام سے ان کے سامنے جھک جاتا ہے۔

کالج کونسل کی کارروائیوں سے اس کا تفصیلی اندازہ نہیں ہوتا کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ گل کرسٹ کا طرزِ عمل کیا تھا، لیکن اس کی متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ ان کی ہمت افزائی اور ان کے حقوق کے تحفظ میں وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا کم از کم پورا پورا معاوضہ ملے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ دو ڈھائی سال کی مختصر مدت میں کالج نے، بقول گل کرسٹ، "مشرقی علوم کا ملجا و ماویٰ" ہونے کی شہرت و نام وری حاصل کر لی تھی۔ کالج کے اور شعبوں نے عموماً، اور ہندستانی شعبے نے خصوصاً ان گنت ہندستانی مصنفین اور شعرا کو براہ راست یا بالواسطہ اپنے دامن سے وابستہ کر لیا تھا۔ ان میں سے اگر بیشتر نہیں تو اکثر مصنفین کے نام بھی ہم کو اپنی ادبی تاریخوں میں نہیں ملتے، بلکہ آج ہم کو بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔ گل کرسٹ نے ان سب سے ہندستانی زبان میں کتابیں تصنیف، تالیف یا ترجمہ کرائیں، اور کالج کونسل سے لڑ جھگڑ کر ان کو انعامات دلوائے۔ اس سلسلے میں گل کرسٹ کا دائرۂ عمل صرف اپنے ہندستانی شعبے ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ فارسی و عربی شعبوں کے ان منشیوں سے بھی اس نے کام لئے، جو ہندستانی زبان میں تصنیف و تالیف کی اہلیت و قابلیت رکھتے تھے۔

گل کرسٹ کے عہد میں کالج کے ہندستانی شعبے میں کام کی جو رفتار تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسی کی ایک رپورٹ کے مطابق ۲ جنوری ۱۸۰۲ء کو ہندستانی زبان کی گیارہ کتابیں زیرِ طبع تھیں، اور ان میں سے بعض کتابوں کے ۵۸ صفحات تک چھپ چکے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ۱۸۰۱ء کے اواخر تک یہ ساری کتابیں مرتب ہو چکی تھیں، لیکن کالج کونسل نے بعض وجوہ کی بنا پر، جن کی تفصیل آئندہ صفحات پیش کی جائے گی، ان کی اشاعت روک

دی اور حکم دیا کہ ان کتابوں کے جو حصے چھپ چکے ہیں ان کو یک جا کر کے انتخاب کی شکل دے دی جائے۔ چناں چہ گل کرسٹ نے اُن کو ترتیب دے کر ہندی مینول اس کا نام رکھا۔ آگے چل کر ان میں سے بیش تر کتابیں مکمل شکل میں شائع بھی ہوئیں۔

ان گیارہ کتابوں میں سے چھ دیوناگری لپی میں اور پانچ اردو رسم خط میں تھیں۔ دیوناگری لپی کی کتابوں کی زبان بھی غالباً اردو ہی تھی۔ مثلاً ان ہی چھ کتابوں میں مسکین کے مرثیے بھی تھے اور بہادر علی حسینی کی "اخلاق ہندی" بھی جو ۱۸۰۳ء میں اردو رسم خط میں بھی چھپی۔ یا کاظم علی جواؔں کی کتاب شکنتلا ناٹک بھی دیوناگری لپی کی فہرست میں ملتی ہے، لیکن اس کی زبان بھی اردو ہی تھی۔ برٹش میوزیم میں اس کا جو مخطوطہ ہے، اس کا پہلا شعر یہ ہے:

خدا کا نام لے پہلے زباں پر پھر دل کو اپنے لگا داستاں پر ۲۵

بیتال پچیسی، شکنتلا ناٹک اور بتیسی سنگھاسن کے سلسلے میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ تمام متداول ادبی تاریخوں میں ان کتابوں کے مترجم کی حیثیت سے کاظم علی جواؔں اور مظہر علی ولا کے ساتھ ساتھ للولال کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تینوں کتابیں للولال کے تقرر سے بہت پہلے ترجمہ ہو چکی تھیں۔ لیکن آگے چل کر ان کتابوں کے جو ایڈیشن شایع ہوئے ان کی تیاری میں غالباً للولال بھی شریک تھے۔

گل کرسٹ کے عہد میں جو کتابیں تصنیف، تالیف، یا ترجمہ کی گئیں ان کی گنتی کم از کم ساٹھ سے اوپر ہے۔ ان کی مکمل فہرست ضمیمے میں درج کی جائے گی۔ ان میں سے بیش تر کتابیں تو گل کرسٹ ہی نے شایع کر دی تھیں، کچھ اُس کی روانگی کے بعد بھی شائع ہوئیں۔ لیکن ایسی کتابوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جو طبع ہو کر منظر عام پر نہ آسکیں۔ ممکن ہے کہ اس کا سبب ان کے معیار کی پستی رہی ہو، بہر حال اب ان کا نام ہی باقی رہ گیا ہے، اور وہ بھی صرف کالج کونسل کی کاروائیوں کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ اِن غیر مطبوعہ کتابوں میں سے اکثر کے قلمی نسخے انڈیا آفس لائبریری، رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) اور ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری (کلکتہ)، نیشنل لائبریری (کلکتہ) اور بعض کتب خانوں میں بھی مدفون ہیں۔

پہلا حصہ

گل کرسٹ کے عہد کا پس منظر

ہندستانی زبان کی ابتدائی تاریخ

سترہویں صدی عیسوی میں جو یورپین سیاح، مبلّغ اور تاجر ہندستان آئے، ان کے مراسلات اور سفرنامے ہندستان کی اور زبانوں کے علاوہ ہندستانی زبان کے وجود کی بھی نشان دہی کرتے ہیں جسے وہ "انڈسٹان زبان" (Indostan Language) کہتے ہیں۔ جان فریر (John Fryer) جس نے سترہویں صدی کی تیسری دہائی میں ہندستان و ایران کی سیاحت کی تھی، ایک انگریز درویش ٹوم کوریٹ (Tom Coryate) کا ذکر کرتا ہے، جو ۱۶۱۶ء میں ہندستان میں تھا، اور "انگلش فقیر" کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کو "انڈسٹان زبان" پر پوری قدرت حاصل تھی۔ جان فریر حیرت و مسرت کے ساتھ لکھتا ہے کہ اس زبان میں "مغل اعظم کے حضور میں داد خطابت دیتے ہوئے، اسے قطعاً جھجک نہ محسوس ہوئی۔"[۱]

یہ واقعہ جہاں گیر کے عہد کا ہے، اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ ہندستانی نے جہاں گیر کے عہد میں زبان کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ جان فریر اورنگ زیب کے عہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"دربار کی زبان فارسی ہے، اور عوام انڈسٹان زبان بولتے ہیں جس کا کوئی باضابطہ رسم خط نہیں ہے ..."[۲]

اس دور میں ہندستانی زبان نے جو اہمیت حاصل کر لی تھی، اُس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۲ دسمبر ۱۶۷۷ء کو انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس نے اپنے ایک مراسلے میں قلعہ سینٹ جارج (مدراس) کو لکھا کہ:

"اس کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ کمپنی کے جو ملازمین فارسی سیکھیں گے، ان کو دس پونڈ،
اور جو انڈسٹان زبان سیکھیں گے، ان کو بیس پونڈ بہ طور انعام دئے جائیں گے۔
نیز یہ کہ اس زبان کی تعلیم دینے والے کسی مناسب آدمی کا تقرر بھی کیا جائے۔"[۲]

اس وقت ہندستان کے تخت پر اورنگ زیب متمکن تھا، جس کو مورخوں نے آخری مغل اعظم کہا ہے۔ اس دور میں ہندستان کی سرکاری زبان فارسی تھی، لیکن مندرجہ بالا اقتباس اس بات کا قطعی ثبوت فراہم کرتا ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں ہندستانی زبان اس درجہ رچ بس چکی تھی کہ کاروباری ضروریات کے سلسلے میں غیر ملکی تاجروں کے لئے بھی اُس سے پوری پوری واقفیت ناگزیر ہو گئی تھی۔ لیکن ہندستانی زبان کے قواعد و لغت مرتب کرنے کی کوششیں اٹھارہویں صدی کے اوائل سے شروع ہوئیں، اس اعتبار سے اسی زمانے کو ہندستانی ادب کی تاریخ کے آغاز کا عہد قرار دینا نامناسب نہ ہوگا۔

ہندستانی ادب کے ارتقا و عروج کی داستان ہمارے سیاسی ادبار، اقتصادی زبوں حالی، اور سماجی طوائف الملوکی تاریخ سے وابستہ ہے۔ زوال کی رفتار جوں جوں تیز سے تیز تر ہوتی گئی اسی سرعت سے ہندستانی زبان و ادب نے ارتقا کی منزلیں طے کیں۔ اور اس سے بھی عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے زوال کے اسباب ہی ہندستانی ادب کے ارتقا و عروج کے محرک بن گئے۔

اٹھارہویں صدی کا آفتاب جب طلوع ہوا، تو اس وقت ولی اور اُن کے ہم عصر شعرا ہندستانی شاعری کے آسمان پر نمودار ہو چکے تھے، اور ہندستانی شاعری ولی کے دور سے نکل کر میر و میرزا کے عہد میں قدم رکھنے کے لئے پر تول رہی تھی۔ شمالی ہند میں عموماً اور جنوبی ہند میں خصوصاً ہندستانی نثر نگاری کی داغ بیل پڑ چکی تھی مگر اس وقت تک ہندستانی زبان کے قواعد کی تدوین کی طرف کسی نے توجہ نہ کی تھی، لیکن جہاں تک بولی کا تعلق تھا، ہندستانی اس برصغیر کی عام مروجہ بولی بن چکی تھی، جس کو اٹھارہویں صدی کے

یورپین سیاحوں اور تاجروں نے 'انڈستان' کے ساتھ ساتھ "مُورس" زبان کا نام بھی دے دیا تھا، جو غلط فہمی اور ناسمجھی پر مبنی تھا۔ اور جس کے خلاف جارج ہیڈلے نے کچھ دبی زبان سے اور گل کرسٹ نے علانیہ احتجاج بھی کیا تھا۔

انشا اللہ خاں انشا کی دریائے لطافت ہندستانی زبان کے قواعد کی پہلی کتاب ہے، جو ایک ہندستانی کے قلم سے نکلی تھی۔ اس کا سنہ تالیف ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انیسویں صدی کے اوائل تک کسی ہندستانی نے ہندستانی زبان کے قواعد و لغت مرتب کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں اس کمی نے کم از کم گل کرسٹ کو سخت حیرانی اور الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے ۱۷۸۲ء کا اپنا ایک تجربہ قلم بند بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندستانیوں سے جب اس نے ہندستانی زبان کے قواعد و لغت کی کتابوں کا مطالبہ کیا تو وہ "حیرت سے منہ تکنے لگے، اور انھوں نے جواب دیا کہ آج تک کسی نے قواعد لغت کی مدد سے بھلا اپنی زبان سیکھی ہے۔"

اس دور میں ہندستانی زبان کے قواعد و لغت کے عدم وجود کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس وقت ہندستانی زبان کا نثری سرمایہ اگر کچھ تھا بھی، تو وہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کی باضابطہ تعلیم بھی نہیں دی جاتی تھی۔ جہاں تک بولی کا تعلق تھا، اُس کے لئے ہندستانیوں کو قدرتاً قواعد و لغت کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے برعکس ان غیر ملکیوں کو، جو اس وقت کثرت سے یہاں موجود تھے، اور ہندستانی جن کی زبان بھی نہ تھی، ان کو اُس کے سیکھنے کے لئے یقیناً قواعد و لغت کا سہارا لینے کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی رہی ہوگی۔ چناں چہ اپنی اسی ضرورت سے مجبور ہو کر اہل یورپ نے ہندستانی زبان کے قواعد و لغت مرتب کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

ہندستانی زبان کا پہلا لغت

گریرسن (Grierson) کے بیان کے مطابق ایک یورپین راہب فرانسس کس تروُنسس

(Franciscus M. Turonensis) سب سے پہلے اس میدان میں اترا۔ اس نے "۱۷۰۴ء میں ہندستانی زبان کا ایک لغت سورت میں بیٹھ کر مرتب کیا' جو دو حصوں پر مشتمل تھا، اور ہر حصہ دو کالمی چار پانچ سو صفحات پر پھیلا تھا" گویا یہ لغت اورنگ زیب کے انتقال (۱۷۰۷ء) سے تین سال قبل مرتب کیا گیا تھا اور تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھا۔ ایک زمانے میں اس لغت کا مسودہ شہر روم کے کسی کتب خانے میں محفوظ تھا مگر ۱۸۹۰ء میں جب گریرسن نے وہاں اس کی جستجو کی تو یہ مل نہ سکا۔

ہندستانی زبان کے قواعد کی پہلی کتاب

متذکرہ بالا لغت کی ترتیب کے بعد ایک اور یوروپین جان جوشا کِٹے لر (John Joshua Keterlaer) ہندستان وارد ہوا، جو ہالینڈ کا باشندہ تھا۔ ۱۷۰۸ء سے ۱۷۱۲ء تک بہادر شاہ اور جہاں دار شاہ کے درباروں میں اُس نے اپنے ملک کی سفارت کے فرائض انجام دیے، پھر ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاروبار کے نگراں (Director of Trade) کی حیثیت سے وہ سورت میں مقیم رہا۔ اُس کے بعد ہی کے ٹے لر کا تبادلہ ایران ہو گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے ہندستانی زبان Lingua hindostanica کے قواعد لاطینی زبان میں مرتب کیے۔ ڈیوڈ مِل (David Mill) نے ۱۷۴۳ء میں اِس کو لِی ڈن سے شایع کیا۔ ۱۸۰۵ء کے ایشیاٹک اینوَل رجسٹر (Asiatic Annual Register) کے ایک تبصرہ نگار کے خیال میں کے ٹے لر کی یہ کتاب "ناقص اور پُر از اغلاط" تھی۔ ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں ہے، کیوں کہ اس میدان میں یہ پہلی کوشش تھی۔ لیکن اس کی دو خصوصیتیں قابلِ ذکر ہیں، جن کو متذکرہ بالا تبصرہ نگار نے سرے سے نظر انداز کیا تھا، مگر گریرسن نے ان دونوں پہلوؤں کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک خصوصیت تو یہ تھی کہ اس کتاب میں دیوناگری رسمِ خط کے نمونوں کی کچھ تصویریں بھی دی گئی تھیں، اور دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس میں انجیل مقدس کے اوامر عشرہ کا اور حضرت عیسیٰ کی چند دعاؤں کا ہندستانی ترجمہ بھی رومن رسم خط میں درج کیا گیا تھا، جو بقول گریرسن کسی ہندستانی زبان میں "ایک یوروپین زبان کا پہلا ترجمہ تھا"۔[۲]

یہ ترجمہ، جو ضمیمے میں درج کیا جا رہا ہے، اس اعتبار سے بھی ہمارے لئے اہمیت رکھتا ہے

کہ ابتدائی اٹھارہویں صدی کی ہندستانی نثر کا ایک نمونہ فراہم کرتا ہے۔

شولز کی قواعد

کیٹے لیر کے بعد دوسرا یورپین جس نے ہندستانی زبان کے قواعد مرتب کرنے کی کوشش کی، وہ مشہور عیسائی مبلغ بن جے من شولز تھا۔ اس نے گرامیٹی کا اِن ڈوس ٹانیِ کا (Grammatica Indostanica) کے نام سے لاطینی زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جو ۱۷۴۵ء میں شائع ہوا۔ پادری شولز کی کتاب میں اس بات کے واضح ثبوت ملتے ہیں کہ "مولف [ہندستانی] زبان کی ساخت کا پورا پورا علم رکھتا" تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہندستانی زبان کے قواعد کا یہ نقش ثانی بھی "نامکمل و ناکافی" تھا۔ شولز کی تالیف کی یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ اس میں "ہندستانی الفاظ فارسی عربی رسم خط" میں بھی لکھے گئے تھے، اور "دیوناگری رسم خط کی وضاحت" بھی کی گئی تھی۔

گلسٹن کا رسالہ

پلاسی کی لڑائی (۱۷۵۷ء) کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب بنگال میں قدم جمائے اور انگریزی اقتدار تیزی سے پھیلنے لگا تو نووارد حکمرانوں کو باشندگانِ ملک کی بولی سے بہتر واقفیت کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔ چناں چہ کمپنی نے اپنے سول اور فوجی ملازمین کو ایک معیّنہ مدت کے لئے تیس روپے ماہوار کا وظیفہ "منشی الاؤنس" کے نام سے دینا شروع کیا تاکہ منشی رکھ کر وہ باضابطہ ہندستانی اور فارسی کی تعلیم حاصل کریں۔ اس کے ساتھ ہی کمپنی کے کچھ سول اور فوجی افسروں نے انگریزی میں ہندستانی زبان کے قواعد و لغت مرتب کرنے کی طرف بھی توجہ کی۔ اس سلسلے میں کمپنی کے ایک نوجوان سول ملازم مسٹر گلسٹن کا نام اس اعتبار سے قابلِ ذکر کہ اس نے اس میدان میں پہل کی۔ وہ گورنر وِن سِی ٹارٹ (Vansittart) کا سکرٹری اور فارسی مترجم تھا۔ ہندستانی زبان کے قواعد پر اس نے انگریزی میں ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا۔ گلسٹن ایک فساد میں کام آیا، اور اس کی بے وقت موت کی وجہ سے اُس کی یہ علمی کاوش منظرِ عام پر نہ آسکی۔[۹]

گل کرسٹ کی قواعد کا ابتدائی حصہ جب چھپ چکا تو چیٹ فیلڈ (Chatfield) نامی

ایک صاحب نے گلسٹن کے مقالے کی ایک نقل گل کرسٹ کو بھیجی۔ اس نے قواعد ولغت کے ضمیمے کی جلد میں گلسٹن کے اس مقالے کی بے حد تعریف کی ہے[۱]۔

ہیڈلے کے قواعد ولغت

گلسٹن کے بعد دوسرا انگریز جس نے ہندستانی زبان کے قواعد ولغت کے میدان میں قدم رکھا اس کا نام ہیڈلے (Hadley) تھا۔ اس نے ۱۷۶۵ء میں[۱۱] ہندستانی زبان کے قواعد پر ایک مختصر سی کتاب لکھی، جو اپنے نقائص کے باوجود بے حد مقبول ثابت ہوئی۔ اس دور میں کسی اور کتاب کے شاید ہی اتنے ایڈیشن نکلے ہوں جتنے ہیڈلے کی کتاب کے نکلے۔ اس کی مقبولیت کی بڑی اور اصلی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک اس موضوع پر انگریزی میں کوئی اور کتاب ہی نہ تھی۔ افسوس ہے کہ ہیڈلے کے حالات ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ اس کی پیدائش کا سنہ اور مقام پیدائش کا بھی پتا نہیں چلتا اور نہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان کب اور کیوں کر آیا۔

ڈاڈول اور مائلز (Dodwell and Miles) سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۶۳ء میں وہ بنگال آرمی میں داخل ہوا، اور تین سال بعد ۱۷۶۶ء میں ترقی کر کے کپتان بن گیا[۱۲]۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریکارڈوں میں اس سے متعلق صرف ایک دستاویز ملتی ہے۔ یہ اس کا خط ہے، جس میں اُس نے ملازمت سے سبک دوش کیے جانے کی درخواست اور انگلستان لوٹنے کی اجازت طلب کی تھی۔ اس خط پر ۲ نومبر ۱۷۷۱ء کی تاریخ درج ہے[۱۳]۔ اس کے مستعفی ہونے کے اسباب کا بھی ہم کو پتا نہیں چلتا۔ انگریزی تذکرہ نگاروں نے اُسے عموماً قابل التفات نہیں سمجھا۔

ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی سے ہماری معلومات میں اتنا اور اضافہ ہوتا ہے کہ ہیڈلے کو ہندستانی سپاہیوں کی ایک کمپنی کا چیف کمانڈر مقرر کیا گیا تو اس نے محسوس کیا کہ جب تک سپاہیوں کی زبان سے اس کو کلی واقفیت نہ ہوگی، اس وقت تک وہ اپنے فرائض پوری ذمے داری سے انجام نہ دے سکے گا "چناں چہ ہیڈلے نے ۱۷۶۵ء میں ان [ہندستانی سپاہیوں] کی زبان کے قواعد مرتب کر ڈالے"[۱۴]۔ اس کی ایک نقل کسی طرح لندن کے ایک ناشر کے ہاتھ لگ گئی، جس

نے ۱۷۷۰ء میں اسی کو چھاپ دیا۔ اس کے بعد خود ہیڈلے نے اس کا ایک نیا اور تصحیح شدہ ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں لندن ہی سے شایع کیا۔

ہابسن جابسن، جو انگلو انڈین محاورات اور مصطلحات کا لغت ہے، اُس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہیڈلے نے ہندستانی الفاظ کا جو رومن املا اختیار کیا تھا، وہ صحیح نہیں تھا۔[15] مثلاً

chookrau (چھوکرا)

chookree (چھوکری)

dolchihney (دال چینی)

ہیڈلے کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۷۷۴ء میں، تیسرا ۱۷۷۶ء میں، چوتھا ۱۷۸۹ء میں، پانچواں ۱۷۹۰ء میں، چھٹا ایڈیشن اس کی وفات کے بعد ۱۸۰۲ء میں اور آخری ایڈیشن ۱۸۰۹ء میں شایع ہوا۔

گل کرسٹ کے لغت کی اشاعت (۱۷۹۰ء) کے بعد ہیڈلے کے لغت کا جو ایڈیشن ۱۷۹۰ء میں شایع ہوا تھا، اُس میں ہیڈلے نے، گل کرسٹ کی روایت کے مطابق، اس کے لغت سے کچھ الفاظ اور اُن کے معنی "چرا کر" شامل کر لئے تھے، اور صرف دو جگہ گل کرسٹ کے لغت کا حوالہ دیا تھا۔ یقیناً یہ بیان صحیح ہوگا، اور ہیڈلے نے گل کرسٹ کے لغت سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن اس اتنی سی بات پر گل کرسٹ نے ہیڈلے کے خلاف جو انتہا پسندانہ روش اختیار کی تھی، اُس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ گل کرسٹ نے اس تاریخی حقیقت کا اظہار یا اس کا اعتراف بھی غیر ضروری سمجھا کہ اس "دو کوڑی کی کتاب"[16] کا مولف ہیڈلے پہلا انگریز تھا، جس نے ہندستانی زبان کے مبادیات پر انگریزی زبان میں پہلی کتاب شایع کی، جس کے متعدد ایڈیشن بھی نکل گئے۔ اس سلسلے میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ گل کرسٹ کے دوست کرک پیٹرک (Kirkpatrick) کے الفاظ میں، ہیڈلے کی یہ کتاب "بے حد مفید" تھی۔[17]

مرزا محمد فطرت لکھنوی

ہیڈلے کے لغت کا جو ایڈیشن اس کی وفات کے بعد ۱۸۰۲ء شائع ہوا تھا، وہ

ہمارے لئے اس اعتبار سے اہمیت اور کشش رکھتا ہے کہ ایک ہندستانی بزرگ مرزا محمد فطرت لکھنوی نے اس کی صرف "تصحیح" ہی نہیں کی تھی بلکہ اُس میں "بہت کافی اضافہ"[18] بھی کیا تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہیڈلے کی طرح مرزا فطرت لکھنوی کے حالات بھی کسی جگہ ہم کو نہیں ملتے۔ مرزا فطرت کے نام کے ساتھ "لکھنوی" کا اگر اضافہ نہ ہوتا، تو ہم کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ لکھنو کے رہنے والے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں میں کلکتے کی ایک انگریزی کوٹھی کی ایک چھٹی مورخہ ۱۵ مئی ۱۷۹۷ء ہے، جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اُس کوٹھی نے ''ایک فارسی منشی مرزا محمد کو سر جان مرے (John Murray) کی ملازمت میں لندن جانے کی غرض سے ملازم رکھا تھا۔ اسی چھٹی میں یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ فلاں جہاز پر ان کو جگہ دی جائے''[19] غالباً یہ وہی سر جان مرے ہیں جو ۱۷۹۰ء میں مصر جانے والی ہندستانی فوج کے کوارٹر ماسٹر مقرر ہوئے تھے۔[20] یہ بھی یقین ہے کہ یہ "مرزا محمد" ہی مرزا محمد فطرت لکھنوی ہیں، جن کا نام ہیڈلے کے قواعد (۱۸۰۲ء) کے سرورق پر درج ہے۔

۱۷۹۸ء کے اوائل میں مرزا محمد فطرت لکھنوی انگلستان پہنچے ہوں گے۔ وہاں انھوں نے ہیڈلے کے لغت پر نظر ثانی اور اضافہ بھی کیا۔ ۱۸۰۲ء کے اس ایڈیشن میں جس پر ہیڈلے کے ساتھ ساتھ مرزا محمد فطرت لکھنوی کا نام بھی درج ہے، ہم کو مرزا فطرت کا ایک فارسی اشتہار ملتا ہے، جس میں اُن کے متعلق حسبِ ذیل تفصیل بھی درج ہے۔

"مرزا محمد فطرت متوطن لکھنو کہ تا مدت چہار سال در آونِ برگ بود،
حالا می خواہد کہ در لندن بیاموزد بر دمانِ نجیب لغت پارسی و ہندستانی"[21]

مرزا فطرت کو اپنی اس کوشش میں شاید کامیابی نہیں ہوئی، اور وہ ہندستان لوٹ آئے۔ ان کی واپسی کی صحیح تاریخ کا ہم کو پتا نہیں چلتا، لیکن ۱۸۰۳ء کے اوائل میں وہ کلکتے میں موجود تھے۔ اس کا اندازہ ہم کو کول برک (Coolbroke) کے ایک خط سے ہوتا ہے جو گل کرسٹ کے نام تھا، اور جو فورٹ ولیم کالج کی کارروائی کے رجسٹر میں درج ہے۔ اس خط سے ہم کو معلوم ہوتا ہے، مسٹر کول برک کئی مہینوں سے مرزا فطرت لکھنوی سے انجیل

کا فارسی میں ترجمہ کرا رہے تھے۔ اس خط میں انھوں نے گل کرسٹ کو لکھا تھا کہ یہ کام فورٹ ولیم کالج اپنے ذمے لے لے اور مرزا فطرت کو اس کام کے لئے ملازم رکھ لیا جائے۔ کالج کونسل نے یہ تجویز منظور کرلی اور گل کرسٹ کی سفارش پر مرزا فطرت کو اسّی روپے ماہوار پر ملازم رکھ لیا گیا۔ اس سلسلے میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کول برک کے نزدیک یہ تنخواہ کم تھی۔ چناں چہ اس نے گل کرسٹ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ اس کے خیال میں "غریب فطرت کو اتنی تنخواہ تو دی جائے کہ وہ فارغ البال ہو کر کام کر سکے"[۲۲] یہ عجیب اتفاق ہے کہ اردو کے کسی مورخ نے بھی مرزا فطرت لکھنوی کے سفر انگلستان کا یا ہیڈلے کی کتاب پر نظر ثانی اور اضافہ کرنے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ہے۔

فرگوسن کا لغت

ہیڈلے کے لغت و قواعد کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے سال ہی بھر بعد ۱۷۷۳ء میں فرگوسن (J. Furguson) نے ہندستانی زبان کا لغت لندن سے شایع کیا، جس کا نام تھا A Short Dictionary of the Hindostan Language۔ اس کے دو حصے تھے۔

۱ "انگلش اور ہندستان"

۲ "ہندستان اور انگلش"

ان دونوں حصوں کے علاوہ اس کتاب میں ہندستانی زبان کے قواعد پر ایک مقالہ بھی لکھا گیا تھا۔

ڈاکٹر فرانسس بال فور

گل کرسٹ کے نمودار ہونے سے پہلے جن لوگوں نے ہندستانی زبان کے قواعد و لغت پر کام کیا ہے، ان میں ڈاکٹر فرانسس بال فور کا نام بھی قابل ذکر ہے، جو انشائے ہر کرن کے ترجمے کے لیے مشہور ہیں۔ ڈاکٹر بال فور گل کرسٹ کی طرح طبیب تھے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے ایشیاٹک ریسرچز (Asiatic Researches) میں ان کے متعدد مقالات

ملتے ہیں۔ اس رسالے کے دوسرے نمبر میں" فارسی اور ہندستانی زبانوں میں عربی الفاظ" کے عنوان سے ہم کو ایک مقالہ ملتا ہے، جس پر مقالہ نگار کا نام درج نہیں ہے، لیکن وہ مقالہ ڈاکٹر بال فور ہی کا تھا۔ آگے چل کر اس رسالے کے آٹھویں نمبر میں ہم کو ان کا ایک طبی مقالہ ملتا ہے، اس کے حاشیے میں متذکرہ بالا مضمون کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتری کاغذات میں ہم کو ڈاکٹر بال فور کا ایک طویل خط مورخہ ۲۵ جنوری ۱۷۸۵ء ملتا ہے جو وارن ہیسٹنگز "گورنر جنرل و ممبران کونسل" کے نام لکھا گیا تھا۔ اس وقت انشائے ہرکرن چھپ چکی تھی۔ اس کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کتاب کو "حال ہی میں مسٹر ولکنس نے چھاپا ہے" ان ہی مسٹر ولکنس نے بنگلہ اور فارسی رسم خط کے ٹائپ پہلے پہل ڈھالے تھے۔ آگے چل کر ڈاکٹر بالفور نے لکھا تھا کہ

"بنگال میں وارد ہوتے ہی اس کتاب کا ترجمہ میں نے شروع کر دیا تھا۔ اس وقت فارسی سیکھنے والے (انگریزوں) کے لئے بہت کم کتابیں موجود تھیں چنانچہ تقریباً سات سال ہوئے جب میں نے یہ ترجمہ ختم کیا، اور اس کا ایک صحیح نسخہ اپنے ہاتھ سے نقل کر کے کپتان رچرڈسن کی معرفت لندن چھپنے کے لئے بھیجا۔ ان کے جہاز کو لندن پہنچنا، نصیب ہی نہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی وہ کتاب بھی غرق ہوگئی۔ ایک قریبی عزیز کی موت سے، جن کے سپرد یہ کتاب کی گئی تھی، مجھے بے حد صدمہ ہوا اور اس کتاب کا خیال ہی میرے دماغ سے نکل گیا ولکنس نے جو خوبصورت ٹائپ تیار کئے ہیں ان کو دیکھنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ یہ کتاب تو بنگال میں بھی چھپ سکتی ہے۔ اور اس خیال نے مطبع کے لیے اس کا ایک نیا مسودہ تیار کرنے کی مصیبت برداشت کرنے پر مجھے آمادہ کر دیا۔ "آنرایبل بورڈ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی طباعت پر میری جیب سے پانچ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں ...[23]

اس کتاب کی سرپرستی فرمانے کی درخواست کرتے ہوئے ڈاکٹر بال فور نے اپنے اس مقالے کا بھی ذکر کیا تھا جو ایشیاٹک ریسرچز میں شائع ہوا تھا۔ بال فور کی انشائے ہرکرن

یہی غالباً فارسی رسم خط کی پہلی مطبوعہ کتاب ہے، جو ۱۸۰۱ء میں کلکتے سے شائع ہوئی تھی۔[۲۴] اس کا دوسرا ایڈیشن لندن سے ۱۸۰۴ء میں شایع ہوا۔ اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن ٹائپ اور لیتھو میں شایع ہوتے رہے۔

کپتان ہیے رس کا لغت

گل کرسٹ کے لغت کی اشاعت کے ساتھ ہی ساتھ ہندستانی زبان کے لغت کی ایک اور قابل ذکر کتاب مدراس سے شایع ہوئی۔ اس کے مولف کپتان ڈاکٹر ہنری ہیے رس (Henry Harris) تھے۔ اس موضوع پر یہ ایک جامع کتاب تھی جو ۱۷۹۱ء میں شایع ہوئی۔ گل کرسٹ کا بیان ہے کہ اس لغت کی ترتیب و تالیف میں ڈاکٹر ہیے رس نے "بڑی محنت اور صحت" سے کام لیا تھا، اور یہ کتاب ہندستانی زبان سے مولّف کی "پوری پوری واقفیت کے ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتی ہے"۔ گل کرسٹ نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ڈاکٹر ہیے رس کے لغت سے "کچھ منتخب الفاظ" اخذ کر کے اس نے اپنے "ضمیمے" میں بھی شامل کیے تھے۔[۲۵] ڈاکٹر ہیے رس کی کتاب کا نام تھا "ہندستانی زبان کا تجزیہ، اور اس کے قواعد و لغت" (Analysis, Grammar, and Dictionary of the Hindustany Language)

مسٹر لو (Love) نے اپنی کتاب Vestiges of Old Madras میں مدراس کے ایک اخبار Madras Courier کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ کپتان ہیے رس کی کتاب کی دوسری جلد تھی، اور پہلی جلد "جلد ہی شائع ہونے والی" تھی۔[۲۶] گریرسن نے اس بیان پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ "دوسری جلد غالباً شایع نہیں ہو سکی"۔[۲۷]

مسٹر لو نے اپنی متذکرہ بالا کتاب میں ڈاکٹر ہیے رس اور ان کے لغت کے سلسلے میں بعض دلچسپ تفصیلات بھی فراہم کی ہیں، جن سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ہیے رس ۱۷۸۵ء میں مقامی طور پر افواج مدراس میں اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے تھے۔ ۱۷۸۶ء میں انھوں نے گورنمنٹ کو لکھا کہ چار سال سے وہ ایک ہندستانی انگریزی لغت کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اسی سلسلے میں انھوں نے یہ بھی لکھا کہ "فارسی رسم خط کا ٹائپ تیار کرنے والے دو یورپین آرٹسٹ نیز دو عربی اور

ایک پرتگیزی منشی بھی انھوں نے نوکر رکھے ہیں"۔ اسی خط میں "ٹائپ کی ڈھلائی، اشتہار، کاغذ، طباعت اور جلد سازی" کے اخراجات کے سلسلے میں انہوں نے گورنمنٹ سے اعانت کی درخواست بھی کی تھی۔ چناں چہ گورنمنٹ نے سات مہینوں کے لئے پچاس روپے ماہوار کی اعانت منظور کی۔ آگے چل کر اس مدت میں غیر معین توسیع کر دی گئی۔ ۱۷۸۹ء میں گورنمنٹ نے کتاب کی اشاعت کا جب سختی سے مطالبہ کیا تو ڈاکٹر ہیڈس نے یہ عذر پیش کیا کہ "ابتدا میں جو ایک چھوٹی سی کتاب تھی، اس نے ہندستانی زبان کے مفید ترین الفاظ کے اضافے کی وجہ سے اب انگریزی و ہندستانی اور ہندستانی و انگریزی لغت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ نیز طباعت کی بعض دشواریاں بھی اشاعت میں تاخیر کا سبب ہو رہی ہیں ... "[۲۸]

تحسین کی نوطرزِ مرصّع

جدید ہندستانی نثر کی پہلی کتاب میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی نوطرز مرصع ہے، جو چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب شجاع الدولہ کے آخری عہد میں شروع کی گئی اور آصف الدولہ کی تخت نشینی کے وقت، یا اس سے کچھ پہلے مکمّل ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کی تحقیق کے مطابق "اس قصے کی داغ بیل ۱۷۷۵ء سے بہت پہلے پڑ چکی تھی، البتہ ختم ۱۷۷۵ء سے کچھ پہلے ہوا"[۲۹] تحسین اٹاوے کے رہنے والے تھے، اور کمپنی انگریز بہادر کے دامن دولت سے نیک نامی کے ساتھ وابستہ تھے۔ انھوں نے اٹاوے سے کلکتے تک کا سفر بھی کیا تھا۔ اس دور میں انگریزی حلقوں میں ہندستانی زبان کی جو مانگ، پیدا ہو گئی تھی، اس سے بھی وہ باخبر رہے ہوں گے۔ خود تحسین کے الفاظ میں اس قصے کی شان نزول یہ ہے کہ

"اتفاقاً ایک مرتبہ بیچ رفاقت نواب مبارز الملک، افتخار الدولہ، جرنیل اسمتھ بہادر، صولت جنگ، سالار افواج انگریزی کے بہ سواری بجرہ دمونیکھی کے سفر کلکتہ در پیش آیا ... اور طاوس نگارین خیال کا بیچ دماغ خاطر کے یوں جلوہ گر ہوا کہ ... مضمون داستان بہارستان کے تئیں بھی بیچ عبارت رنگیں زبان ہندی کے لکھا چاہیے، کیوں کہ سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہیں ہوا،

اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلّیٰ کا رکھتا ہو مطالعہ اس گلدستہ بہاریں کے سے ہوش و شعور فحوائے کلام کا حاصل کرے واسطے علم مجلس کے لسانی زبان ہندستان کی بیچ حق آدمی بیرونِ جات کے خراد کنندہ ناتراش کے متیٔں ہے ...،[۳۲]

تحسین کئی فارسی کتابوں کے مصنف تھے، جن کا انھوں نے خود ذکر کیا ہے، اور فارسی پر ان کو پوری قدرت حاصل رہی ہوگی۔ ان کی یہی فارسی دانی ان کی ہندستانی تحریر کے اسلوب پر بے طرح چھائی تھی۔ گل کرسٹ نے میرامن کے باغ و بہار کا جو دیباچہ انگریزی میں لکھا تھا، اور جو باغ و بہار کے پہلے اڈیشن میں شامل ہے اس میں تحسین کے انداز تحریر کے اس پہلو کی طرف اُس نے خاص طور سے اشارہ کیا ہے۔ اور یہ بھی اسی کا نتیجہ تھا کہ شہرتِ دوام تو یقیناً تحسین کے حصے میں آئی مگر قبولِ عام سے وہ قطعاً محروم رہے۔

دوسرا حصّہ

ہندستان میں گل کرسٹ کا ورود

اور

تصنیف و تالیف کا دور

اغازِ داستان

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ گل کرسٹ کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد اس کے سوانح مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی یہی وجہ ہے کہ اس کے حالات عموماً اور ابتدائی حالات خصوصاً آج ہماری دست رس سے باہر ہیں۔ اس کے ابتدائی سوانح کے باب میں ہماری معلومات صرف اسی حد تک محدود ہیں کہ ۱۷۵۹ء میں وہ ایڈنبرا (Edinburgh) میں پیدا ہوا، اور وہیں کے ایک مقامی ہسپتال، جارج ہیریٹس ہوس پی ٹل (George Hariot's Hospital) میں اس نے تعلیم حاصل کی۔ اس بیان سے ہم کو یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی طبی سند بھی لی تھی یا نہیں ؟ اور اگر کوئی سند اس نے لی بھی تو اس کی نوعیت کیا تھی ؟

یہ بھی ایک دل چسپ بات ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریکارڈوں اور گل کرسٹ تحریروں میں نیز اس کی تصانیف کے سرورق پر، جو ۱۸۰۵ء تک ہندستانی میں چھپی تھیں، کسی جگہ بھی اس کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا اضافہ نظر نہیں آتا۔ ہندستان سے لوٹنے کے بعد اس کے وطن ایڈنبرا کی یونیورسٹی نے اس کی علمی خدمات کا اعتراف کرنے کے لئے ال، ال ڈی، کی اعزازی سند اس کو عطا کی، جس کے بعد سے اس کو "ڈاکٹر گل کرسٹ" لکھا جانے لگا۔

ہندستان میں گل کرسٹ کا ورود اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت

ڈکشنری اف نیشنل بایوگرافی (Dictionary of National Biography)

میں ڈاڈویل اُور مائلز کی میڈیکل آفیسرز آف انڈین آرمی (Dodwell and Miles' Medical Officers of Indian Army) کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ :

"فن طب کا مطالعہ کرنے کے بعد ۳ر اپریل ۱۷۸۳ء کو ۔ گل کرسٹ ایسٹ انڈیا کمپنی میں اسسٹنٹ سرجن کے عہدے پر مقرر ہوا، اور ۲۱ر نومبر ۱۷۹۴ء کو ترقی کر کے سرجن بنا۔"[۲]

اس اقتباس میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ۳ر اپریل ۱۷۸۳ء کو گل کرسٹ انگلستان میں بھرتی کیا گیا، اور پھر وہ کلکتے آیا۔ یہ باتیں سرے سے غلط ہیں۔ خود گل کرسٹ نے نہایت واضح الفاظ میں ہم کو بتلایا ہے کہ وہ "۱۷۸۲ء میں بمبئی پہنچا"[۳] چوں کہ اس سے مستند اور کوئی راوی نہیں ہو سکتا، اس لئے مزید بحث تحصیلِ حاصل ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس میں دوسری اہم بات یہ کہی گئی ہے کہ ۲۱ر نومبر ۱۷۹۴ء کو ترقی کر کے گل کرسٹ سرجن بن گیا۔ یہ بیان بھی قرینِ صحت نہیں ہے۔ اول تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتری کاغذات، جو دست برد زمانہ سے بچ رہے ہیں، وہ اس باب میں ساکت ہیں، اور اُن میں ہم کو کوئی ایسی دستاویز نہیں ملتی، جس سے اس بیان کی تائید یا تردید ہوتی ہو۔ لیکن یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۵ء بلکہ اس کے بعد بھی گل کرسٹ چھٹی پر رہا، اور یہ سارا زمانہ اس نے غازی پور میں بسر کیا۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ گل کرسٹ کے ابتدائی حالات کی طرح اس کی ملازمت کے ابتدائی کاغذات بھی محفوظ نہ رہ سکے، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاغذات میں، ایک ایسی دستاویز باقی رہ گئی ہے، جو گل کرسٹ کے تقرر سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اور اُس کے تقرر کی قریبی تاریخوں کے تعین میں بھی کچھ ممد ثابت ہوتی ہے۔ یہ کرنل چارلس مارگن (Charles Morgan) کی ایک چھٹی ہے جو ۲۶ر جنوری ۱۷۸۳ء کو "وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل باجلاس کونسل" کے نام سورت سے لکھی گئی تھی۔ کرنل مارگن نے اور باتوں کے علاوہ اس چھٹی میں یہ بھی لکھا تھا کہ

"حضرات! مجھے اجازت دیجئے کہ میک گوائر اور گل کرسٹ صاحبان (Messrs Macguire and Gilchrist) کی میں نے جو سفارش

کی تھی،" اس کی طرف آپ کو دوبارہ توجہ دلاؤں ... مسٹر ویڈ (Wade) جو اب مستقل ہو چکے ہیں، ان کے تقرر سے چند روز قبل، اسٹنٹ سرجن کی خدمات انجام دینے کے لیے موخرالذکر [گل کرسٹ] کا تقرر عمل میں آیا تھا۔[۴]"

اس مختصر مگر اہم اقتباس سے جو باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اس سے تذکرہ نگاروں کے اس عام خیال کی واضح تردید ہوتی ہے۔ کہ گل کرسٹ براہِ راست انگلستان سے بھرتی ہو کر ہندستان آیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک قسمت آزما کی حیثیت سے وہ ہندستان وارد ہوا، جہاں اس وقت من چلے فرنگیوں کے لیے قسمت آزمائی کے ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں وسیع اور زرخیز میدان تھے۔ گل کرسٹ کے ہندستان ہی میں بھرتی کیے جانے کا ایک اور بھی دستاویزی ثبوت ہم کو ملتا ہے۔ یہ کمپنی بہادر کی فوجوں کے کمانڈر انچیف میجر جنرل اس ٹی برٹ (Stibert) کی ایک سفارشی چٹھی ہے، جس میں گل کرسٹ ہی کی سفارش کرتے ہوئے اس نے لکھا تھا کہ:

"یہ صاحب بمبئی ڈیٹیچ منٹ (Bombay Detachment) میں اسٹنٹ سرجن کے عہدے کے لیے بھرتی کیے گئے تھے ...[۵]"

گل کرسٹ کے تقرر کی قریبی تاریخوں کا تعیّن

موجودہ مواد کی روشنی میں گل کرسٹ کے تقرر کی صحیح تاریخ کا تعین تو ناممکن ہے، لیکن متعلقہ واقعات کی کڑیوں کو اگر ملایا جائے تو اس کے تقرر کی قریبی تاریخوں کا تعین زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ گمانِ غالب ہے کہ وسط اکتوبر ۱۷۸۲ء سے لے کر نومبر ۱۷۸۲ء کی کسی بھی تاریخ میں گل کرسٹ کا تقرر عمل میں آیا ہوگا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاغذات ہی سے اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہے۔

کرنل چارلس مارگن، جنھوں نے گل کرسٹ کو بھرتی کیا تھا، اور جن کی چٹھی کا اقتباس

نقل کیا گیا ہے، بنگال آرمی (Bengal Army) کے اُس دستے کے کمانڈر تھے جو بمبئی میں تعینات تھا، اسی مناسبت سے اس کو بمبئی ڈی ٹیچ منٹ (Bombay Detachment) کہا جاتا تھا۔ کرنل مارگن ہی کی ایک چھٹی سے، جو بمبئی سے لکھی گئی تھی، ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۱۳ اکتوبر ۱۷۸۲ء کو اس پلٹن کی کمان سنبھالی تھی۔ ۱۳ اکتوبر ۱۷۸۲ء کے بعد ہی کی کسی تاریخ میں انھوں نے گل کرسٹ کا تقرر کرنے کے بعد اس کی توثیق کی سفارش کی ہوگی، جس کا انہوں نے اپنے خط مورخہ ۳ جنوری ۱۷۸۳ء میں اعادہ کیا تھا۔ کرنل مارگن کا پہلا خط، جس میں انھوں نے گورنر جنرل باجلاس کونسل کو گل کرسٹ کے تقرر کی اطلاع دی ہوگی، اور ۳ جنوری ۱۷۸۲ء کے خط میں کم از کم پانچ یا چھ ہفتوں کا وقفہ تو ضرور ہی رہا ہوگا۔ اس اعتبار سے نومبر ۱۷۸۲ء کے تیسرے یا چوتھے ہفتے میں گل کرسٹ کا تقرر ہوا ہوگا۔

ہندستانی زبان سے گل کرسٹ کا تعارف

ہندستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس ملک کی مروجہ زبان کی لطافت اور اس کی وسعت وگیرائی نے گل کرسٹ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب "ضمیمہ" (Appendix) میں، جو اس کے لغت اور قواعد کے ضمیمے کی جلد ہے، اسی نے لکھا ہے کہ:

> "۱۷۸۲ء میں بمبئی وارد ہوتے ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندستان میں میرا قیام، خواہ اس کی نوعیت جو بھی ہو، اس وقت تک نہ تو میرے ہی لئے خوش گوار ہو سکتا ہے، اور نہ میرے آقاؤں ہی کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے، جب تک کہ اس ملک کی مروجہ زبان میں پوری دست گاہ میں نہ حاصل کر لوں، جہاں عارضی طور پر مجھے قیام کرنا ہے۔ چناں چہ اس زبان کو، جسے اُس زمانے میں مورس (Moors) کہتے تھے، سیکھنے کے لئے میں

جم کر بیٹھ گیا۔ میری اس نئی تعلیم کے سلسلے میں لوگوں نے [جارج] ہیڈلے (Hadley) کی اس تالیف کی طرف رجوع کرنے کا مجھے مشورہ دیا جو اس زبان کی مبادیات پر اس نے لکھی تھی۔ ایک دو ہفتوں کے بعد مجھے ایک منشی مل گیا، جس نے اصرار کیا کہ ان بزرگ [ہیڈلے] سے میں نے جو کچھ سیکھا تھا، اُسے سرے بھلا دوں۔ کچھ دنوں تک اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد مجھے توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اسی بحرانی دور میں خوش قسمتی سے اپنے دوست کپتان جان ریٹ رے (John Rattray) سے، جو اب کرنل ہو چکے ہیں، سوداؔ کا کلیات مجھے مل گیا۔ ہندستانی زبان میں اس وقت [۱۷۹۰ء] تک جو مہارت میں نے حاصل کی ہے، اس کے لئے سوداؔ کے کلیات کا اور اسی کریم النفس انسان [جان ریٹ رے] کے مشوروں کا نیز اس کی ہمت افزائی و امداد کا... میں بے حد رہین منت ہوں۔"[۷]

گل کرسٹ نے اس سلسلے میں ہم کو یہ بھی بتلایا ہے کہ ہندستانی زبان کی طالب علمی ہی کے دور میں اس نے ہندستانی زبان کے قواعد اور لغت مرتب کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور اس کے عزیز دوست جان ریٹ رے نے، جس کا نام وہ بے حد محبت و احترام سے لیتا ہے، اس کو یقین دلایا تھا کہ جب اس کی تصنیف زیور طبع سے آراستہ ہو کر کلکتے سے شایع ہو گی تو گورنر جنرل "وارن ہیسٹنگز جو علم کے بڑے قدر دان ہیں" اس کی کاوشوں کو نظر انداز نہ کریں گے"، نیز انگریزی قوم کے افراد، جو ہندستان میں مقیم ہیں، اس کی کتاب کو ہاتھوں ہاتھ خرید کر اس کی محنت کا معاوضہ ادا کریں گے۔"[۸]

ہندستانی زبان کے ہندستان گیر ہونے کے شواہد

اپنی پلٹن کے ساتھ سورت سے فتح گڑھ جاتے ہوئے گل کرسٹ کو ہندستانی زبان

کی افادیت اور اس کے ہندستان گیر ہونے کے متعدد ثبوت ملے جنھوں نے اس کے عزائم کو پختہ تر کر دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"جس گاؤں اور جس شہر میں میرا گذر ہوا وہاں اس زبان کی مقبولیت کی، جو میں سیکھ رہا تھا، مجھے ان گنت شہادتیں ملیں، جنھوں نے مجوزہ کتاب کی تکمیل کے شوق کو تیز تر کر دیا۔"[9]

ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں میں سورت کے ایک افسر اعلیٰ مسٹر بوڈم (Boddam) کی تحریر ہم کو ملتی ہے، جس میں انھوں نے بورڈ گورنر جنرل یا جلاس کونسل کو مطلع کیا تھا کہ "بنگال آرمی (Bengal Army) کی پلٹن متعینہ سورت نے یکم نومبر ۱۷۸۳ء کو یہاں سے [سورت سے] کوچ شروع کیا۔"

اس پلٹن کا سورت سے فتح گڑھ تبادلہ ہوا تھا، جہاں دسمبر ۱۷۸۳ء کی آخری تاریخوں تک یا جنوری ۱۷۸۴ء کے اوائل میں وہ پہنچ گئی ہوگی۔ فتح گڑھ اتر پردیش کے ضلع فرخ آباد میں ہے، اور اس زمانے میں بڑی انگریزی چھاونی تھا۔ آگے چل کر یہ مقام نیل کی کاشت کرنے والے اور نیل تیار کرنے والے انگریزوں کی اچھی نو آبادی بھی بن گیا تھا۔

تصنیف و تالیف کے دور کا آغاز

فتح گڈھ میں دو سال قیام کرنے کے بعد گل کرسٹ نے ہندستانی زبان میں اتنی دست گاہ حاصل کر لی تھی کہ اس زبان کے قواعد و لغت مرتب کرنے کے سلسلے میں اس نے عملی اقدام شروع کر دیے۔ اس نے لکھا ہے کہ وارن ہیسٹنگز کے ہندستان سے رخصت ہونے سے کچھ قبل —— یعنی جنوری ۱۷۸۵ء کے اوائل میں ——

میرے دوست کپتان جان ریٹ رے (John Rattray) اور ڈاکٹر فرانسس بالفور (Francis Balfour) نے درخواست دی کہ مجھے رخصت

دی جائے تاکہ ہندستانی زبان کی تحقیق اور اس کے لغت و قواعد کی تدوین کا کام
میں مکمل کر سکوں۔"

سرکاری کاغذات میں ان دونوں صاحبان کی کسی ایسی درخواست کا نشان نہیں ملتا، جس کی طرف گل کرسٹ نے اشارہ کیا ہے۔ لیکن خود گل کرسٹ ہی کی ایک عرضی ملتی ہے، جو اسی مضمون کی ہے، اور جو فتح گڑھ کی فوجی چوکی سے انرایبل وارن ہیسٹنگز اسکواٹر و ممبران سپریم کونسل کے نام ۲ر جنوری ۱۷۸۵ء کو لکھی گئی تھی۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ

"ہندستان کے دوران قیام میں اپنا بیشتر وقت میں نے ہندستانی زبان کی تحصیل میں صرف کیا ہے، اور اس زبان میں اب میں نے اتنی دست گاہ حاصل کر لی ہے کہ اس کے قواعد و لغت مرتب کرنے کا کام میں نے اُس پیمانے پر شروع کیا ہے کہ اب تک کسی اور نے اتنے وسیع پیمانے پر یہ کام نہیں کیا ہے۔"

اس تمہید کے بعد اس نے بورڈ سے درخواست کی تھی کہ

"بارہ مہینوں کے لئے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے مجھے معاف کیا جائے تاکہ اس حد درجہ مفید کتاب کی ترتیب و تالیف کے کام میں تجربے، مواقع، اور سکون و اطمینان سے جو فواید حاصل کئے جا سکتے ہیں، ان کا میرے لئے فقدان نہ ہو۔ میری یہ درخواست آپ نے اگر قبول فرمائی، تو میں یہ استدعا بھی کر دوں گا کہ جو تنخواہ اور بھتہ اس وقت مجھے مل رہا ہے، وہ رخصت کے دوران میں بھی بدستور جاری رہے، تاکہ اس کتاب میں کوئی ایسی کسر نہ رہ جائے جو محنت اور خرچ سے پوری کی جا سکتی ہو۔"

آخر میں "وہ کمپنی بہادر کے سیاسی و تجارتی مصالح اور ہندستانی زبان کی سیر حاصل تحصیل" کے قریبی تعلق پر زور دیتے ہوئے گل کرسٹ نے اس حقیقت کی طرف واضح الفاظ میں اشارہ کیا تھا کہ کمپنی کے ملازمین کے لئے ضروری ہے کہ ہندستانی زبان میں وہ زیادہ سے زیادہ مہارت

حاصل کریں، اور اسی کے پیشِ نظر اس کو یقین تھا کہ ہندستانی" زبان کی تحصیل کے ذرائع فراہم کرنے کی کوشش میں کمپنی بہادر" اس کی "ہمت افزائی فرمائے گی"[12] گل کرسٹ کی اس درخواست کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج کے کمانڈر انچیف میجر جنرل اسٹی برٹ (Stibert) کی ایک سفارشی چھٹی بھی منسلک ہے، جس میں انہوں نے بورڈ کو لکھا تھا کہ :

"اسسٹنٹ سرجن گل کرسٹ کی استدعا پر، ان کی منسلکہ درخواست آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اپنے عہدے کے فرائض سے بارہ مہینوں کے لئے وہ رخصت کے خواستگار ہیں تاکہ ہندوی [ہندستانی] زبان کے قواعد و لغت کی تدوین کا ان کو موقع مل سکے، جس کے لئے انھوں نے مواد جمع کر لیا ہے۔
"یہ صاحب (گل کرسٹ) بمبئی ڈی ٹیچ منٹ میں اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے تھے اور محنتی نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔"

میجر جنرل اسٹی برٹ نے بھی اپنی سفارشی چھٹی کے آخری حصے میں گل کرسٹ کے حقیقت پسندانہ خیالات کی تائید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"دیسی زبانوں کو ترقی دینے کی کوششیں حکومت کی ہمت افزائی کی مستحق ہیں، اسی لئے ان کی درخواست پر ہمدردانہ غور کرنے کی میں آپ سے سفارش کرتا ہوں۔"[13]

گل کرسٹ کی اس درخواست پر گورنر جنرل باجلاس کونسل نے جو فیصلہ کیا ہوگا، اس کا اب کوئی سراغ نہیں ملتا۔ لیکن گل کرسٹ کے ایک ہم پیشہ دوست ڈاکٹر فرانسس بالفور کی ایک چھٹی ہم کو ملتی ہے، جو گل کرسٹ ہی کے سلسلے میں لکھی گئی تھی۔ اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کی درخواست منظور کر لی گئی تھی۔ ڈاکٹر بالفور جو مشرقی زبانوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے گل کرسٹ کے سلسلے میں گورنر جنرل باجلاس کونسل کو لکھا تھا کہ :

"فتح گڑھ کی [فوجی] چوکی کے اسسٹنٹ سرجن مسٹر جان گل کرسٹ نے ہندستانی زبان کے قواعد کی مکمل تدوین کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ کئی مہینے ہوئے

انھوں نے انرایبل بورڈ سے درخواست کی تھی کہ ان کو ایک معیّنہ مدّت کے لئے ان کے فرائض منصبی سے سبک دوش کیا جائے، نیز کتاب کی تدوین کے سلسلے میں ان کو اپنی پلٹن سے غیر حاضر رہنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ انھوں نے یہ درخواست بھی کی تھی کہ پلٹن میں حاضر رہنے کی حالت میں جو تنخواہ اور بھتہ ان کو ملتا ہے، وہ بھی بدستور جاری رکھا جائے۔

"انرایبل بورڈ نے ان کی یہ درخواست منظور کرلی تھی، لیکن کسی غلط فہمی یا بورڈ کے احکام کی غلط توضیح کی وجہ سے ان کا بھتہ رک گیا ہے۔ اس لئے وہ مستدعی ہیں کہ ان کے بھتے کے اجرا، نیز رخصت کے دوران میں اس کے بدستور جاری رہنے کے احکام آنرایبل بورڈ از سرِ نو جاری فرمائے۔"[۱۴]

ڈاکٹر بالفور کی یہ چھٹی، جس پر مقام اور تاریخ درج نہیں ہیں، ہماری معلومات میں یہ بیش بہا اضافہ بھی کرتی ہے کہ اس کے لکھنے کے وقت تک گل کرسٹ نے

"اپنی کتاب کا مواد فراہم کرنے کے سلسلے میں لکھنؤ، فیض آباد، الہ آباد، اور جونپور کے علاوہ دوسرے علمی مرکزوں کا سفر بھی ختم کرلیا ہے، جہاں سے ہر طرح کی معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔"[۱۵]

اس چھٹی کی پشت پر آمد کی تاریخ ۲۳ ستمبر ۱۷۸۵ء درج ہے، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ چھٹی وسط ستمبر (۱۷۸۵ء) میں لکھی گئی ہوگی۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ستمبر ۱۷۸۵ء تک گل کرسٹ نے اپنا سفر پورا کرلیا ہوگا۔

گل کرسٹ کی علمی مہم ــــ شمالی ہند کا سفر

ڈاکٹر فرانسس بالفور نے گل کرسٹ کے جس علمی سفر کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا اجمالی ذکر گل کرسٹ کے "ضمیمے" میں بھی ہم کو ملتا ہے، مگر اس نے اس سلسلے میں صرف فیض آباد

کا نام لیا ہے اور لکھنؤ، الٰہ آباد اور جونپور کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ بنارس میں بھی اس نے قیام کیا تھا، لیکن وہاں کے قیام کی نوعیت کچھ مختلف تھی۔

اپریل ۱۷۸۵ء میں گل کرسٹ نے فتح گڑھ کو خیرباد کہا اور وہ فیض آباد پہنچا۔[16] فتح گڑھ سے فیض آباد جاتے ہوئے گل کرسٹ نے لکھنؤ میں بھی منزل کی ہوگی، اور ممکن ہے کہ وہاں کی علمی زندگی کی چہل پہل نے قیام کی مدت کچھ بڑھا دی ہو۔ لیکن گل کرسٹ نے قیام لکھنؤ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ اس نے وہاں اگر قیام کیا بھی ہوگا تو اس کی مدت مختصر ہی رہی ہوگی۔

گل کرسٹ کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پیر توڑ کر فیض آباد میں بیٹھ جانا چاہتا تھا، لیکن اتفاقات نے اس کو اس کا موقع نہ دیا۔ فیض آباد ہی میں اس کو اپنے کام کے پھیلاؤ کا اور اس کی دشواریوں کا بھی اندازہ ہوا یہیں اس نے ہندستانی لباس اختیار کرنے کی ضرورت بھی محسوس کی، چناں چہ اس ادبی مہم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے ہندستانی لباس اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے "لمبی سیاہ داڑھی بھی بڑھا لی"[17] فیض آباد ہی میں اپنی ادبی تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں اُس نے ہندستانی زبان کے قواعد و لغت کی کتابوں کے متعلق لوگوں سے سوال کیا تو وہ "حیرت سے منہ تکنے لگے" اور انھوں نے جواب دیا کہ "بھلا آج تک، کہیں بھی کسی نے قواعد و لغت کی مدد سے اپنی زبان سیکھی ہے؟"[17] لیکن جب گل کرسٹ نے بے حد اصرار کیا تو ان لوگوں نے اپنے ذہن پر زور دینے کے بعد خالق باری کو اس کے سامنے "لغت کے بھاری بھرکم نام سے" پیش کیا۔[18] ممکن ہے کہ اس بیان میں مبالغے کا کچھ عنصر بھی شامل ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس واقعے کے بائیس سال اور گل کرسٹ کے قواعد کی اشاعت کے گیارہ سال بعد انشا نے دریائے لطافت کے نام سے ہندستانی زبان کے قواعد مرتب کیے اور "اردوے ناظمی" تاریخی نام رکھا،[19] جس سے سال تالیف ۱۲۲۲ھ (مطابق ۱۸۰۷ء) نکلتا ہے۔

گل کرسٹ اور کرک پیٹ رک

فیض آباد ہی میں گل کرسٹ کو اپنے ایک دوست کے خط سے معلوم ہوا کہ ہندستانی قواعد ولغت کے میدان میں اُس کے ایک حریف بھی ہیں ــــ کپتان کرک پیٹ رک (Kirkpatrick) جو اس وقت کمانڈر انچیف کے پرائیویٹ سکریٹری اور فارسی ترجمان تھے۔ اس خبر کا سب سے زیادہ ہمت شکن حصہ یہ تھا کہ کرک پیٹ رک کی "کتاب کا بیش تر حصہ چھپ چکا ہے، اور جو باقی ہے وہ بھی امروز و فردا میں چھپ کر تیار ہو جائے گا"۔ یہ خبر سنتے ہی اُس کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ وہ اس درجہ پریشان ہوا کہ بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ اور وہ "لب گور پہنچ گیا"۔ لیکن "اجنبیوں میں مرنے کے تصوّر سے" ــــ جہاں تجہیز و تکفین کے "آخری مراسم ادا کرنے والا کوئی دوست بھی موجود نہ ہو"۔ اس کے اندر ہمت پیدا ہوئی، چناں چہ بھری برسات میں، جب کہ دریا چڑھ رہے تھے" وہ فیض آباد سے بنارس کی طرف چل کھڑا ہوا"۔ شاید یہ تبدیل آب و ہوا کا کرشمہ تھا کہ فیض آباد سے نکلتے ہی اس کی حالت سدھرنے لگی، اور بنارس پہنچتے پہنچتے وہ سنبھل گیا۔ وہاں اس کے دوست ڈاکٹر ویڈ (Wade) نے، جو اس کے ساتھ ہی اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے تھے اور جو اب بنارس میں تعینات تھے، تیمار داری اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ گل کرسٹ نے ڈاکٹر ویڈ کے اس سلوک کا ذکر احسان مندی کے ساتھ کیا ہے۔ بنارس پہنچنے کے چند ہی روز بعد اُس کی صحت درست ہو گئی۔ جسم میں قوت آنے کے ساتھ ساتھ ہمت بھی بندھتی گئی، چناں چہ جلد ہی جی کڑا کر کے اس نے پھر اپنا کام شروع کر دیا۔

کرک پیٹ رک نے گل کرسٹ سے کچھ پہلے کام شروع کیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں میں اس کے جو اَن گنت مراسلات محفوظ ہیں، ان میں سے کچھ اس کی مجوزہ کتاب "ہندی گرامر اور ڈکشنری" سے متعلق بھی ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا خط جو ہم کو ملتا ہے وہ ۱۶ر جولائی ۱۷۸۴ء کا ہے اور کورٹ آف ڈائرکٹرس کے نام لندن سے لکھا گیا تھا۔ اس طویل خط میں ہندستانی زبان کی، جس کو وہ 'ہندوی' کہتا ہے اور جو "پورے جزیرہ نما میں بہت اچھی طرح

سمجھی جاتی ہے"[۲۲] اہمیت واضح کرتے ہوئے کورٹ اف ڈائرکٹرس کو اطلاع دی تھی کہ ہندستانی زبان کے قواعد لغت مرتب کرنے کا کام، نیز اس کی اشاعت کا اہتمام بھی اس نے شروع کر دیا ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ

"انربیل کورٹ اُف ڈائرکٹرس کو اس امر سے میں باخبر کرنا چاہتا ہوں کہ انگلستان آتے ہی فارسی و عربی رسم خط کے ٹائپ میں نے خرید لئے ہیں اور دیوناگری رسم خط کے ان نمونوں کے مطابق جو بنگال سے روانہ ہونے سے قبل میں نے بنوائے تھے، صحیح و دیدہ زیب ٹائپ کے ٹھپّے گڑھنے کے لئے ایک آرٹسٹ کی خدمات بھی میں نے حاصل کر لی ہیں"[۲۳]

کرک پیٹ رک نے اسی خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مسودے کے ابتدائی اجزا اس نے مطبع کے حوالے کر دیے ہیں۔ اور یہ توقع ظاہر کی تھی کہ آئندہ سال کے اوائل تک یہ کتاب کورٹ اُف ڈائرکٹرس کی خدمت میں پیش کی جا سکے گی۔ اور کورٹ اُف ڈائرکٹرس کے نام کتاب کو معنون کرنے کی بھی اس نے اجازت چاہی تھی۔ کرک پیٹ رک کا یہ خط کورٹ اُف ڈائرکٹرس نے اپنی سفارش کے ساتھ گورنر جنرل کے پاس بھیج دیا، کیوں کہ اس سلسلے میں گورنر جنرل اور اس کی کونسل ہی کو آخری فیصلے کا اختیار تھا۔

اس خط کے سوا سال بعد کا لکھا ہوا کرک پیٹ رک کا ایک اور خط ہم کو ملتا ہے جو کلکتے سے "انربل میک فرسن گورنر جنرل باجلاس کونسل" کے نام ہے۔ اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ "انربیل کورٹ اُف ڈائرکٹرس نے" اس کی کتاب کی "سرپرستی قبول فرمانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ نیز یہ کہ اسی کتاب کا کچھ حصہ انگلستان کے دوران قیام میں اس نے چھپوا بھی لیا تھا"[۲۴] لیکن یہ حصہ جو انگلستان میں چھپا تھا غالباً نمونے کے لئے تھا، کیوں کہ کرک پیٹ رک نے کتاب کی طباعت کا انتظام کلکتے ہی میں کیا تھا۔ اسی خط میں کرک پیٹ رک نے اپنی کتاب کے دو سو نسخوں کی خریداری قبول کیے جانے کی استدعا بھی کی تھی[۲۵] اس کی یہ درخواست گورنر جنرل نے صرف قبول ہی نہیں کی بلکہ اس سلسلے میں کافی رقم اس کو بطور پیشگی ادا کر دی گئی، جس کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔

گل کرسٹ کا سفر کلکتہ

۱۷۸۵ء کے اواخر میں گل کرسٹ بنارس سے کلکتے گیا۔ اس سفر کے دو مقصد تھے۔ ایک تو کرک پیٹ رک سے مل کر وہ صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا، اور دوسرے اپنی کتاب کی طباعت کے ابتدائی مراحل بھی اُس کو طے کرنے تھے۔ کرک پیٹ رک سے ملنے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا، کیوں کہ اس کی کتاب ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اور پھر ان دونوں نے ایک دوسرے کے کام کا جائزہ لینے کے بعد اپنی راہیں الگ الگ متعین کرلیں۔ اس طرف سے مطمین ہونے کے بعد اس نے طباعت کا اہتمام شروع کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیض آباد اور بنارس کے دوران قیام میں اس نے اپنی کتاب بڑی حد تک مکمل کرلی تھی۔

گل کرسٹ ۱۷۸۵ء کے وسط تک کلکتے میں مقیم رہا۔ اس عرصے میں جو خطوط اس نے گورنر جنرل کو لکھے، ان سے اس کی کتاب کی طباعت کی رفتار پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سلسلے کا پہلا خط جو ہم کو ملتا ہے اس پر ۲؍ نومبر ۱۷۸۶ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں اس نے گورنر جنرل باجلاس کونسل کو لکھا تھا کہ

> "انرایبل بورڈ [گورنر جنرل باجلاس کونسل] کی ہمت افزائی کی بدولت جس جامع کتاب کی ترتیب وتالیف میں ایک مدت سے میں لگا ہوں، آج اس کا پہلا نمبر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ جناب عالی اور کونسل کی نظروں میں میری محنت وکاوش کے یہ نتائج اگر سود مند ہوں تو سابقہ علمی کارناموں کی طرح حکومت اس کی سرپرستی بھی قبول فرمائے۔"[۲۶]

گل کرسٹ نے اسی خط میں یہ استدعا بھی کی تھی کہ اس کتاب کے جو خریدار بنگال کی پریسیڈنسی کے باہر رہتے ہیں، ان کو کتاب کے اجزا، جوں جوں وہ چھپتے جائیں، روانہ کرنے کے لئے محصول ڈاک معاف کر دیا جائے۔ لغت کے کچھ مطبوعہ حصے بھی نمونے کے طور پر اس خط کے ساتھ منسلک کر دیئے گئے تھے۔

لغت کی طباعت کا آغاز

۱۲ر دسمبر ۱۷۸۶ء کے کلکتہ گزٹ میں گل کرسٹ کی کتاب کا اشتہار ہم کو ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے اس کی کتاب کے لئے محصول ڈاک معاف کر دیا تھا۔ اشتہار حسب ذیل ہے۔

"مسٹر گل کرسٹ

"بعد ادائے مراسم بندگی اپنی کتاب قواعد و لغت کے خریداروں کو اولین فرصت میں مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ان کی کتاب کے لئے محصول ڈاک معاف فرمایا ہے۔ جو حضرات اس کتاب کی ہمت افزائی فرمانا پسند کریں، ان سے درخواست ہے کہ براہ مہربانی وہ اپنے دستوں یا اجنٹوں کی معرفت، سابقہ اشتہار نیز کتاب کے دوسرے نمبر کے سرورق کے اشتہار کے مطابق، خریداری کی درخواست دیں، پہلا اور دوسرا نمبر آئندہ سنیچر [۲۳ر ستمبر ۱۷۸۶ء] کو کونسل ہاوس اسٹریٹ کے پرنٹنگ آفس سے روانہ کیا جائے گا۔ جو حضرات اپنے دوستوں کے لئے خریداری منظور فرما کر قیمت ادا کر دیں گے، ان کی ہدایت کے مطابق، ان کے دوستوں کو کتاب کے اجزا روانہ کئے جائیں گے ..."[۲۷]

اس اشتہار کی اشاعت کے تقریباً چھ مہینے بعد گورنر جنرل نے اپنے ایک عمومی مراسلے میں، جو کورٹ آف ڈائرکٹرس کے نام ۲ر جنوری ۱۷۸۷ء کو لکھا گیا تھا، یہ اطلاع دی کہ گل کرسٹ کی کتاب کے متعدد نمبر شایع ہو چکے ہیں "جو اس مراسلے کے ساتھ آپ کو ملیں گے"۔ اسی مراسلے سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے گل کرسٹ کی کتاب کے ڈیڑھ سو نسخوں کی خریداری بھی ازراہ سرپرستی قبول فرمائی تھی "جس کی مجموعی قیمت چھ ہزار سکہ روپے" تھی۔[۲۸]

غازی پور میں گل کرسٹ کا قیام

جون ۱۷۸۷ء تک گل کرسٹ کلکتے ہی میں مقیم رہا۔ وہیں اس نے 'ہندستانی لسانیات' کے سلسلے کی پہلی جلد "انگریزی ہندستانی لغت" کا مسودہ مکمل کیا۔ اس عرصے میں طباعت کا کام کس حد تک آگے بڑھا تھا؟ اس کا ہمیں کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔ ۲۸ جون ۱۷۸۷ء کو گل کرسٹ نے گورنر جنرل باجلاس کونسل کو ایک خط لکھا جو کئی اعتبار سے ہمارے لیے اہم ہے۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ

"گذشتہ تین برسوں کی پیہم محنت کے بعد اپنی کتاب کی پہلی جلد کا مسودہ میں نے مکمل کر لیا ہے، اور جوں ہی حالات نے موقع دیا، آپ سے اجازت لے کر دوسری اور تیسری جلد میں بھی ہاتھ لگادوں گا کیوں کہ کپتان کرک پیٹ رک کا جو خط میرے پاس آیا ہے، اس سے مجھے کامل یقین ہو گیا ہے کہ ان کے موجودہ عہدے کی مصروفیتیں ان کی کتاب کی تکمیل میں مانع ہوں گی، جو انھوں نے شروع کی تھی۔ اب اس کتاب کی ترتیب و تالیف پر وہ اس قدر توجہ اور محنت نہیں کر سکتے جو حقیقتاً اس کے لئے ضروری ہے۔

"جناب والا سے میں مؤدبانہ درخواست کروں گا کہ بنارس کی زمینداری میں، یا ہو سکے تو اودھ کے صوبے میں اقامت اختیار کرنے کی مجھے اجازت دی جائے، تاکہ کتاب کی ترتیب و تالیف کے سلسلے میں مطالعے کی نیز دوسری سہولتیں مجھے میسر آسکیں۔ اس حکومت نے پچھلے دو برسوں میں انتہائی فیاضی سے جو سہولتیں مجھے بخشی ہیں ان کے پیش نظر مجھے یقین ہے، کہ وہاں رہ کر اس کام کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ میں پورا کر سکوں گا کہ اس سے میری نیک نامی بھی ہوگی اور عوام کو فائدہ بھی پہنچے گا۔

"اس ملک میں ایسی ضخیم کتاب کی طباعت پر بے حساب لاگت لگتی ہے، اس کے دیکھتے ہوئے، اس کتاب کی آمدنی سے کسی مالی منفعت کی آس نہیں لگائی جا سکتی۔ اسی کے پیش نظر جناب والا سے میں یہ درخواست

بھی کردوں گا کہ نیل کی کاشت کرنے کی بھی مجھے اجازت دی جائے۔ ویسٹ انڈیز میں کئی سال قیام کرنے کی وجہ سے نیل کی کاشت اور اس کی تیاری کا مجھے تجربہ بھی ہے۔ یقین ہے کہ اس سے میں اتنا تو پیدا ہی کرلوں گا، جو میری محنت کا معقول معاوضہ ہو سکے۔ اگر جناب والا بھی میرے اس خیال سے متفق ہوں کہ اس ملک میں نیل کی کاشت خود کمپنی کے لئے بھی منافع بخش ثابت ہوگی، تو اسے میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"[۲۹]

جس تاریخ گل کرسٹ نے یہ خط لکھا، اسی تاریخ (۴ر جون ۱۷۸۷ء) گورنر جنرل کی کونسل نے اس پر غور کرنے کے بعد حسب ذیل فیصلہ کیا۔

"مسٹر گل کرسٹ کو بنارس میں قیام کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، تاکہ وہاں رہ کر وہ اپنی کتاب مکمل کرسکیں، جس کی تیاری میں عرصے سے مصروف ہیں اور اسی [بنارس کی] زمینداری ہیں، خود اپنی ذمہ داری پر ان کو نیل کی کاشت کرنے کی بھی اجازت دی جاتی ہے، لیکن جہاں تک اودھ میں قیام کرنے اور نیل کی کاشت کرنے کا تعلق ہے، بورڈ اس کی اجازت دینے کا مجاز نہیں ہے کیوں کہ وہ ملک کمپنی کے حدودِ اختیار سے باہر ہے۔"[۳۰]

گل کرسٹ کے مندرجہ بالا خط سے ہماری معلومات میں یہ قابل قدر اور اہم اضافہ بھی ہوتا ہے کہ ہندستان آنے سے پہلے ویسٹ انڈیز میں بھی ایک مدت تک وہ رہا تھا، وہاں بھی قسمت آزمائی ہی کے لیے گیا تھا۔ اور ناکام ہونے کے بعد اس نے ہندستان کا رخ کیا ہوگا۔

گل کرسٹ کے "ضمیمے" سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندستانی زبان کے قواعد و لغت' کی تیاری کے سلسلے میں، اُس کی درخواست پر مارکوئس اف ویلزلی نے، اسی زمانے میں، طویل رخصت منظور کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تنخواہ اور بھتہ بھی بدستور جاری رکھا۔[۳۱] سرکاری کاغذات میں اب نہ تو گل کرسٹ کی متذکرہ بالا درخواست ہی ملتی ہے اور نہ ویلزلی کے حکم ہی کا نشان ملتا ہے۔

گل کرسٹ کے مابعد خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اقامت کے لئے غازی پور کا انتخاب کیا تھا۔ جو اس وقت راجا بنارس کی زمینداری میں شامل تھا اور اس مناسبت سے

یہ سارا علاقہ بنارس کی زمینداری کہا جاتا تھا۔ آصف الدولہ نے تخت نشین ہوتے ہی بنارس کا صوبہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی نذر کر دیا تھا[۳۲] اور اس کے ساتھ ہی اس علاقے کی فرماں روائی کمپنی بہادر کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔

گل کرسٹ کے کاروباری عروج و زوال کا دور

غازی پور میں گل کرسٹ کے قیام کی مدت کم و بیش سات سال تھی۔ اس عرصے میں اس کی پہلی کتاب — 'A Dictionary, English and Hindoostanee' کے نام سے چھپی اور غالباً یہیں اس نے اپنی دوسری کتاب 'ہندستانی زبان کے قواعد' کا خاکہ بھی تیار کیا۔ لیکن غازی پور کے دوران قیام میں اس کی جو علمی مشغولیتیں رہی ہوں گی ان کا تفصیلی یا اجمالی حال ہماری دسترس سے باہر ہے۔ گمان غالب ہے کہ گل کرسٹ کی زندگی کا یہ ہفت سالہ دور علمی سے زیادہ کاروباری رہا ہوگا۔ نیل کی کاشت کے ساتھ ساتھ افیون کا ٹھیکہ بھی اس کے پاس تھا اور شکر کی تجارت بھی وہ کرتا تھا[۳۳]۔ گل کرسٹ کی یہ تجارتی زندگی اپنے عروج و زوال کے اعتبار سے بڑی ہنگامہ خیز تھی۔

غازی پور کے گزیٹر (Gazetteer) سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ "۱۷۸۷ء میں ڈاکٹر گل کرسٹ اور ان کے شریک کار مسٹر چارٹرس (Charters) نے غازی پور میں پہلے پہل نیل کی کاشت شروع کی تھی[۳۴]" یہ قصہ ۱۷۸۷ء نہیں بلکہ ۱۷۸۸ء کا ہے۔ یو۔ پی گورنمنٹ کے سنٹرل ریکارڈس آفس (U.P. Centeral Records Office) الہ آباد میں بنارس کی رزیڈنسی کی جو دستاویزیں محفوظ ہیں، ان کے مطابق بنارس کے رزیڈنٹ نے ۲۴ جولائی ۱۷۸۸ء کو گورنر جنرل کو یہ اطلاع دی تھی کہ "ڈاکٹر گل کرسٹ نامی ایک صاحب نے، جن کے پاس سرکاری پروانہ ہے [بنارس کے] راجا کے عامل سے کچھ زمین لگان پر حاصل کی ہے[۳۵]۔"

یہ بھی ایک دلچسپ اتفاق تھا کہ گورنر جنرل کی کونسل نے جس تاریخ گل کرسٹ کو نیل کی کاشت کرنے کی اجازت دی اس کے چار ہی دن بعد ایک نیا قانونِ مال بھی کونسل نے نافذ کیا — Revenue Regulaticns of Juue, 1787، جس کی دفعہ ۴۵ کے

مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت اضلاع میں یورپین حضرات کاشتکاری کے لئے براہ راست یا بالواسطہ زمین حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ بنارس کے رزیڈنٹ نے گورنر جنرل کو گل کرسٹ کے زمین حاصل کرنے کی جب اطلاع دی تھی، اس وقت شاید اس کے ذہن میں متذکرہ بالا قانون کی دفعہ ۵۴ کا خیال موجود تھا۔ اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ گورنر جنرل نے اس کا جواب دیتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ "نیل کی کوٹھی بنانے کے لیے گل کرسٹ نے غازی پور کے پرگنے میں جو زمین حاصل کی ہے، اُس پر ۸ر جون ۱۷۸۷ء کے قانونِ مال کی دفعہ ۵۴ کا نفاذ نہیں ہوسکتا"[۳۶] لیکن یہ لکھتے وقت گورنر جنرل کو اس کا اندازہ نہ تھا کہ گل کرسٹ نے کتنی زمین اور کن شرائط پر حاصل کی ہے۔

۱۶ر نومبر ۱۷۸۹ء کو بنارس کے رزیڈنٹ نے گورنر جنرل کو دوبارہ اطلاع دی کہ گل کرسٹ اور ان کے شریک کار نے "قاسم علی بیگ عامل غازی پور کی وساطت سے ایک مزروعہ تعلقہ حاصل کرلیا ہے"، چناں چہ اس کے جواب میں گورنر جنرل نے ۸ر جنوری ۱۷۹۰ء کو یہ حکم جاری کیا کہ گل کرسٹ اور چارٹرس کو فوراً بے دخل کر دیا جائے۔ لیکن ان لوگوں کو اس سلسلے میں "جو زیر باری ہوئی" تھی اس کے پیش نظر "نیز اس خیال سے کہ نیل کی کاشت آگے چل کر اس ملک کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی" ان دونوں صاحبوں کو نیل تیار کرنے کے لیے اس کی اجازت دی کہ جو کاشت کار خوشی سے نیل کی کھیتی کرنا پسند کریں ان کو وہ لوگ نیل کی فصل کی خریداری کے مد میں پیشگی روپیہ دے سکتے ہیں۔ نیز اس کی بھی اجازت دی کہ نیل کی کھیتی کے لئے وہ لوگ بھی اگر چاہیں تو زمینداروں یا کاشتکاروں سے پٹے پر زمین لے سکتے ہیں۔[۳۷] ان پابندیوں اور دشواریوں کے باوجود گل کرسٹ اور چارٹرس کا یہ کاروبار شروع میں خوب پھلا پھولا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں میں ہم کو اس سلسلے کے دو خطوط ملتے ہیں، جن سے گل کرسٹ کی نیل کی تجارت کے ابتدائی دور کی کامیابی پر روشنی پڑتی ہے۔ پہلے خط میں اس کے کلکتے کے اجنٹ نے سکریٹری گورنمنٹ کو لکھا تھا کہ

> "غازی پور کے مسٹر گل کرسٹ نے ہم سے استدعا کی ہے کہ جاوا کی نیل کے بیج اور ریشم کے کیڑوں کے پودوں کے سلسلے میں جو اشتہار کلکتہ گزٹ میں شائع ہوا ہے، اس کے مطابق ان کی طرف سے بیج اور پودوں

کے لیے] ہم درخواست دیں۔

"اگر یہ چیزیں مل سکتی ہوں تو ان کو [غازی پور] روانہ کرنے کے لیے ہم آپ سے لے سکتے ہیں۔ (مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۷۸۸ء)"[۳۸]

دوسرا خط خود گل کرسٹ کا تھا، جس میں اس نے سکریٹری گورنمنٹ کو لکھا تھا کہ اس نے اپنے کلکتے کے اجنٹ Bayne Colvin & Bazett کو لکھا ہے کہ سرکاری اشتہار کے مطابق "پانچ سو من نیل ہم مہیا کریں گے۔ اس سلسلے میں مندرجہ بالا حضرات ہی کو ہم اپنے ضامن کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔"[۳۹]

گل کرسٹ نے اپنے تجارتی عروج و زوال کا اجمالی ذکر "ضمیمے" کے دیباچے میں بھی کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ نیل کی آمدنی میں جب "شکر اور دوسری اشیا کی دستوری کمیشن" اور "بنارس کے ٹھیکے" کی بافت بھی شامل ہو گئی، تو یہ محسوس ہونے لگا کہ اب ہمارے "دن پھر گئے"[۴۰]۔ لیکن حالات نے جلد ہی پلٹا کھایا اور ان کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ غازی پور کے گزیٹیر کے مطابق "گورنمنٹ اور کاشتکاروں" نے نیل کی کھیتی کی مخالفت کی اور اس کے شریک کار کا یہ "تجربہ ناکام رہا"[۴۱]۔ لیکن خود گل کرسٹ نے گورنمنٹ کی مخالفت کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ "برباد کن مگر ناگزیر مقدمہ بازی" کو اس نے اپنی تباہی کا سبب تبلایا ہے[۴۲]۔ یہ مقدمہ بازی یقیناً کاشتکاروں سے ہی ہوئی ہوگی، جو نیل کی کاشت کے مخالف تھے۔ بنارس کے رزیڈنٹ اور گورنر جنرل کی خط و کتابت سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے، کہ مقدمہ بازی کے علاوہ "نیل کی کاشت کرنے والوں (Planters) عاملوں، زمینداروں اور کسانوں" میں فسادات بھی ہوئے[۴۳]۔

گل کرسٹ اور اس کے شریک کار چارٹرس کا یہ تجربہ انتہائی ناخوش گوار ثابت ہوا۔ ان لوگوں کی تباہی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ چارٹرس کو ہندستان چھوڑ کر "ہمیشہ کے لئے یورپ سدھارنا پڑا"، اور گل کرسٹ نے کلکتے کی راہ لی[۴۴]۔

غازی پور میں گل کرسٹ کی علمی مصروفیتیں

غازی پور میں گل کرسٹ نے نیل کی کھیتی کے جھمیلوں اور تجارتی بکھیڑوں میں

بھی اپنے اصلی مقصد کو نظر انداز نہیں کیا۔ غازی پور پہنچنے کے چند مہینوں کے بعد، یکم جنوری ۱۷۸۸ کو گورنر جنرل با جلاس کونسل کو ایک طویل خط لکھا، جس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کپتان کرک پیٹ رک نے لغت مرتب کرنے کا ارادہ سرے سے ملتوی کر دیا تھا۔ اور گل کرسٹ نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس خط میں گل کرسٹ نے لکھا تھا کہ:

"کپتان کرک پیٹ رک کی ایک چٹھی آج ہی مجھے ملی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنی کتاب کی طباعت کا خیال ترک کرنے کے ارادے سے حضور والا کو مطلع کر دیا ہے۔

"دو سال ہوئے جب کمپنی بہادر نے ان کی کتاب کے دو نسخوں کی خریداری کے مد میں بارہ ہزار روپے کی منظوری دی تھی۔ اور کپتان کرک پیٹ رک کی درخواست پر یہ رقم مالکان مطبع کو ادا کر دی گئی تھی، جو آج بھی ان ہی کی تحویل میں ہے۔ میں جس علمی کام میں ایک مدت سے لگا ہوں، اس نے مجھے بے حساب پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس لئے آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مذکورہ بالا رقم کپتان کرک پیٹ رک کے بجائے میرے حساب میں منتقل کرنے کے احکام حضور والا صادر فرمائیں بیشتر خریداروں کے چندوں* کی عدم ادائگی سے مالی اعانت کا اگر کلیتاً فقدان نہ ہو گیا ہوتا، جس سے طباعت کے اخراجات کی ادائیگی میرے بس سے باہر ہو گئی، تو میری

---

* اٹھارہویں صدی کے اواخر میں کتابوں کی اشاعت کا کام جب ہندستان میں شروع ہوا تو اس وقت یہ عام دستور تھا کہ کتابیں "چندے سے" چھاپی جاتی تھیں۔ اور اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ کسی کو کوئی کتاب چھاپنی ہوتی تو اس کا اشتہار اخباروں میں شایع کر کے شایقین سے درخواست کرتا کہ وہ اپنے نام خریداروں کی فہرست میں درج کرا دیں۔ اکثر حالتوں میں کتاب کا "چندہ" (قیمت) پیشگی طلب کی جاتی تھی۔ جب مطلوبہ تعداد میں خریدار مل جاتے تو کتاب چھاپ دی جاتی۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں خریداروں کی فہرست بھی چھاپ دی جاتی تھی۔

کتاب کبھی کی چھپ چکی ہوتی۔

"اس کا مجھے قطعی یقین ہے کہ اس کتاب کی تکمیل جن اخراجات کی متقاضی ہے، ان کو پورا کرنے کے لئے رقم کی فراہمی میرے بس کی بات نہیں ہے اور اسی کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ جناب والا میرے حالات کو ناقابل التفات تصور نہ فرمائیں گے۔ خصوصاً اس حالت میں جب کہ میری موجودہ درخواست کو قبول کرنے کے بعد کمپنی بہادر کو نئے مصارف کا بار نہ اٹھانا پڑے گا۔"[۴۵]

گورنر جنرل با جلاس کونسل نے گل کرسٹ کی مندرجہ بالا درخواست پر غور کرنے کے بعد ۱۳ر فروری ۱۷۸۸ء کو اس کی کتاب کے ڈیڑھ سو نسخوں کی مزید خریداری منظور کی۔[۴۶] اس طرح گل کرسٹ کی کتاب کی سابقہ اور موجودہ خریداری کی مجموعی تعداد تین سو ہو گئی، جس کی قیمت بارہ ہزار روپے ہوتی تھی اور یہ رقم پیشگی ادا کر دی گئی۔

لغت کے حقوق کا رہن نامہ

سرکاری "چندے" کی پیشگی ادائیگی نے وقتی طور پر گل کرسٹ کی مشکل آسان تو کر دی، لیکن یہ رقم زیادہ دنوں تک ساتھ نہ دے سکی۔ سرکاری کاغذات میں گل کرسٹ کے مندرجہ بالا خط کے بعد، جو اس کی دوسری تحریر ملتی ہے، اس کو رہن نامہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ اس دستاویز سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ طباعت کی منزلیں گل کرسٹ کے لئے کس درجہ صبر آزما ثابت ہو رہی تھیں۔ اس تحریر کا عنوان ہے "اشتہار (Advertisement)"

"اشتہار"

"میں گل کرسٹ اپنی زیر طبع کتاب ہندستانی قواعد و لغت کے حقوق ملکیت سے مسٹر کوپر (Cooper) ساہو کر کے حق میں اس وقت تک کے لئے دست بردار ہوتا ہوں، جب تک کہ قرض کی بھاری رقم ادا نہ ہو جائے [جو میرے ذمے واجب الادا ہے] متذکرہ بالا کتاب کے خریدار دں، نیز ان حضرات

کو جنھوں نے اپنی اپنی رقمیں ادا کر کے مسٹر گل کرسٹ کو ممنون احسان کیا ہے، اشتہار ہذا کے ذریعے اطلاع دی جاتی ہے کہ یکم اگست ۱۸۰۷ء سے مسٹر ہومس (Holmes) کتاب کی خریداری کے مد کی رقمیں وصول کر کے خریداروں کو یا ان حضرات کو جو اپنی رقمیں نقدی یا ہنڈی کی شکل میں روانہ کریں گے، رسیدیں کاٹنے کے مجاز قرار دیے جاتے ہیں۔ اس مد کی تمام رقمیں صرف مسٹر ہومس کو ادا کی جائیں گی یا ان کے نام روانہ کی جائیں گی۔ اور جب تک قرض کی رقم ادا نہ ہو جائے، اس وقت تک مؤلف کو اس رقم کی وصولی کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔

"غازی پور"

"۱۳ر مئی ۱۸۰۷ء"

یہ گل کرسٹ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویز ہے، جو "مسٹر کوپر ساہوکار" کو دی گئی ہوگی اور انھوں نے کسی سلسلے میں اس کو کمپنی بہادر کے دفتر میں داخل کیا ہوگا۔ اور اس طرح سے یہ دستاویز "کمپنی بہادر" کے کاغذات میں محفوظ ہو گئی۔

لغت کی قیمت میں اضافے کا اشتہار

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتری کاغذات کے انباروں میں ہم کو گل کرسٹ کا ایک مطبوعہ اشتہار بھی ملتا ہے، جو غازی پور سے ۲۳ر نومبر ۱۸۰۷ء کو شایع کیا گیا تھا۔ یہ اس قلمی "اشتہار" سے مختلف ہی نہیں بلکہ اس سے غیر متعلق بھی ہے، جس میں گل کرسٹ نے اپنی تالیف کے حقوق رہن رکھنے کا اعلان کیا تھا۔ اس اشتہار کے ذریعے سے گل کرسٹ نے اپنے خریداروں کو اطلاع دی تھی کہ ان کا انگریزی ہندستانی لغت اب مکمل ہو چکا ہے اور "اس کی ضخامت ابتدائی تخمینے سے بہت بڑھ گئی ہے" جس نے قدرتاً مصارف کا حجم بھی بڑھا دیا چناں چہ اس اشتہار میں اس نے اپنے "خریداروں سے مودبانہ التماس" کی تھی کہ مقررہ قیمت میں دس روپے کے اضافے کو وہ مقبول کر لیں۔ گل کرسٹ نے

معذرت کرتے ہوئے ان کو یقین دلایا تھا کہ مؤلف اگر "مالکان مطبع کا بے طرح مقروض اور دوسری بے حساب پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوتا" تو قیمت کے اس اضافے کو وہ ہرگز پسند نہ کرتا، جس کا اصولاً اس کو "حق بھی نہیں ہے"۔[۴۸]

اس اشتہار سے ہماری معلومات میں یہ قابلِ قدر اضافہ بھی ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کے انگریزی ہندستانی لغت نے "ذی فہم اور قدر شناس حضرات سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے"، نیز یہ کہ اسی سلسلے کی دوسری دو کتابیں "قواعد" اور "ضمیمہ" کی جلدیں بھی جلد ہی شایع ہونے والی تھیں، جو "خریداروں کے طلب کرنے پر بلاقیمت روانہ کی جائیں گی"۔ خریداروں کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ "جملہ رقمیں خواہ نقد ہوں یا ہنڈی کی شکل میں، مسٹر ہومس کے نام کرانی کل آفس کے پتے پر روانہ کی جائیں، وہی ان کو وصول کر کے رسیدیں کاٹیں گے"۔[۴۹]

اس اشتہار کے آخر میں گل کرسٹ نے اس سلسلے کی "دوسری جلد" ہندستانی انگریزی لغت مرتب کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا، جو انگریزی ہندستانی لغت، قواعد اور ضمیمے کے بعد اس کی چوتھی کتاب ہوتی۔ بد قسمتی سے یہ کتاب کبھی بھی شائع نہ ہو سکی۔ اس نے لکھا تھا کہ

"اس اشتہار کا اگر خاطر خواہ نتیجہ نکلا تو (قواعد کی طباعت کے بعد) مسٹر گل کرسٹ اس سلسلے کی دوسری جلد شایع کرنے کی تجویز پیش کریں گے، جس میں ہندستانی انگریزی لغت آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا جائے گا اس کی پہلی جلد جو انگریزی ہندستانی لغت کے نام سے شایع ہو چکی ہے اس کے ساتھ اس [مجوزہ لغت] کا ربط بھی قائم رہے گا۔ جو حضرات اس کی خریداری پسند فرمائیں وہ اپنے نام چھاپے خانے [کرانی کل پریس] میں بھیج دیں"۔[۵۰]

اس اشتہار سے دو باتیں اور ہم کو معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ گل کرسٹ کا انگریزی ہندستانی لغت ۱۷۹۰ء میں چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ گل کرسٹ نے اپنی مکمل کتاب کی (جو لغت، قواعد، اور ضمیمے پر مشتمل تھی) قیمت پہلے صرف تیس روپے مقرر کی تھی، پھر تیس سے چالیس کی، اور اب اس کی قیمت پچاس روپے

ہو گئی تھی۔

گل کرسٹ نے اپنے سب سے بڑے خریدار کمپنی بہادر کو قیمت کے اس اضافے کی دو مہینے تک اطلاع نہیں دی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی مناسب موقع کا متلاشی تھا جو ہاتھ نہیں آرہا تھا۔ بالآخر سکریٹری امور عامہ کی ایک دفتری چھٹی کا جواب دیتے ہوئے اس نے اپنا مطبوعہ اشتہار بھی منسلک کر ہی دیا۔ یہ خط ۶ جنوری ۱۷۹۱ء کو لکھا گیا تھا، جس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ لغت کی اشاعت کے دو مہینے بعد تک کمپنی کے دفتر تک وہ تین سو نسخے نہیں پہنچے تھے، جن کی قیمت پیشگی وصول ہو چکی تھی۔ اس تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے گل کرسٹ نے لکھا تھا کہ

"انرایبل بورڈ کا حکم مورخہ ۲۷ ماہ گذشتہ [دسمبر ۱۷۹۰ء] ابھی ابھی آپ کے خط کے ساتھ موصول ہوا۔ اس باب میں مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ کمپنی بہادر کی خرید کے نسخے پہلے ہی روانہ کیے جا چکے تھے، جو کسی غلطی کی وجہ سے یہاں [غازی پور] آگئے۔ اگرچہ میں نے واضح طور پر یہ ہدایت لکھ بھیجی تھی کہ جس پابندی سے اس کتاب کا پہلا حصہ روانہ کیا گیا تھا۔ اسی پابندی کے ساتھ یہ دوسرا حصہ بھی روانہ کر دیا جائے۔ اب میں لغت کے نسخوں کو پوری مستعدی سے روانہ کرا رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر ان کی رسید سے مطلع فرمائیے۔

"کتاب کے پہنچنے میں جو تاخیر ہوئی ہے، اس کے لئے انرایبل بورڈ سے معافی کا خواستگار ہوں، اور یقین دلاتا ہوں کہ قواعد، اور ضمیمہ کی جلدیں جوں ہی شایع ہوں گی فوراً روانہ کی جائیں گی۔"

آخری جملے میں گل کرسٹ نے مطلب کی یہ بات بھی لکھ دی کہ لغت اور ضمیمہ کی جلدوں کو

"جلد سے جلد شایع کر دینے کے لئے منسلکہ اشتہار مجھے چھاپنا پڑا ہے۔ مستدعی ہوں کہ اس اشتہار کو آپ بورڈ کے سامنے پیش کر دیں۔" [۱۵]

یہ اشتہار انرایبل بورڈ کے سامنے ایک مدت تک یا تو پیش ہی نہیں ہوا یا بورڈ نے مصلحتاً خاموشی اختیار کی۔ چناں چہ تین مہینے کے بعد گل کرسٹ نے یہی اشتہار دوبارہ سکریٹری گورنمنٹ کے نام روانہ کرتے ہوئے لکھا کہ

"اجازت دیجیے کہ منسلکہ اشتہار انریبل بورڈ کی خدمت میں پیش کرنے کی آپ کو زحمت دوں۔ یقین ہے کہ میری ان معروضات پر جو اس اشتہار میں درج ہیں، انرایبل بورڈ ہمدردانہ غور فرمائے گا۔ خصوصاً جب ان کو [ممبرانِ کونسل کو] یہ معلوم ہوگا کہ اور خریداروں نے [کتاب کی قیمت میں دس روپے کے] اس اضافے کو منظور کرلیا ہے' تاکہ میں ہندستانی [زبان کے] قواعد شائع کرسکوں، جس کی طباعت کے اخراجات کی فکر کے ساتھ ساتھ بارہ ہزار روپے کے قرض کا بھی مجھ پر بار ہے، جس سے سبک دوش ہونے کی میں جدوجہد کر رہا ہوں۔ خریداروں سے جو رقمیں وصول ہوئی تھیں، ان کے علاوہ یہ [بارہ ہزار روپے] صرف ہو چکے ہیں۔ قرض کے اس بارے میں اس وقت تک سبک دوش ہو ہی نہیں سکتا، جب کہ انرایبل بورڈ بھی اور خریداروں کی طرح دس روپے کے اس اضافے کو قبول کرکے اپنے اُن تین سو نسخوں کی اضافہ شدہ قیمت پیشگی نہ ادا کردے، جن کی [پہلی جلد کے تین سو] نسخے بھیجے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد قواعد کے نسخے بھی روانہ کیے جائیں گے، جس کی طباعت، قرض کا بار کم ہوتے ہی شروع کردی جائے گی۔"[۵۲]

گل کرسٹ کی اس درخواست پر گورنر جنرل کی کونسل نے جو فیصلہ کیا ہوگا، اب سرکاری کاغذات میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ لیکن خود گل کرسٹ کا ایک مختصر سا خط، جو سکریٹری امورِ عامہ کے نام ۱۰ رمئی ۱۷۹۱ء کو لکھا گیا تھا، اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ اس کی یہ درخواست منظور کرلی گئی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ

"گرامی نامہ مورخہ ۲۲ ماہ گذشتہ [اپریل ۱۷۹۱ء] موصول ہوا۔ انرایبل بورڈ

کی عنایت بے نہایت کا گرمجوشی سے معترف ہوں۔ کلکتے کے مسٹر جان ہومس (Holmes) کو تین ہزار روپے وصول کرنے کا میں نے مجاز بنایا ہے امید ہے کہ افسر خزانہ (Paymaster) مذکورہ بالا رقم مسٹر ہومس کو ادا کر دیں گے، جو میرے نام سے یا میری طرف سے رسید لکھ دیں گے۔[۵۳]

غازی پور سے گل کرسٹ کی مراجعت کلکتہ

اس خط کے بعد ساڑھے تین سال تک گل کرسٹ کی نہ تو کوئی تحریر ہی ہم کو ملتی ہے اور نہ کسی اور ہی ذریعے سے اس کی مصروفیتوں کا ہم کو کچھ پتا چلتا ہے۔ اس طویل مدت کے بعد اس کا پہلا خط (مورخہ ۶ دسمبر ۱۷۹۴ء) ہم کو ملتا ہے، جو غازی پور سے گل کرسٹ کا غالباً آخری خط تھا۔ مایوسی اور پسپائی کے لہجے میں اس نے گورنر جنرل کو لکھا تھا کہ

"صحت کی خرابی اور دوسری ضرورتوں کی وجہ سے ہمیں [گل کرسٹ اور چارٹرس کو] کلکتے لوٹنا ہے۔ آپ سے استدعا ہے کہ دو صاحبوں کو، جن کے ناموں سے ہمارے اجنٹ مسرز کاربن اینڈ بے زٹ آپ کو مطلع کریں گے، ہمارے نائب کی حیثیت سے [بنارس کی] زمینداری میں قیام کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ ہمارے افیون اور نیل کے کاروبار کی وہ نگرانی کر سکیں۔"[۵۴]

گورنر جنرل کی کونسل کی کارروائی مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۷۹۴ء سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کی مندرجہ بالا درخواست منظور کر لی گئی تھی۔[۵۵] جنوری ۱۷۹۵ء تک حکومت کے فیصلے کی اس کو اطلاع مل گئی ہوگی۔ اس حساب سے اس نے ۱۷۹۵ء کے اوائل میں غازی پور کو خیرباد کہہ کر کلکتے کا رخ کیا ہوگا۔ لیکن گل کرسٹ کے کلکتے پہنچنے کے تقریباً چار سال بعد تک ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں میں کسی جگہ بھی اس کا نام نظر نہیں آتا۔ یہ ایک ایسا خلا ہے جس کو انڈیا آفس کے ریکارڈ ہی شاید پر کر سکیں۔

ہندستانی زبان کے قواعد کی اشاعت

کلکتہ گزٹ میں گل کرسٹ کا ایک طویل اشتہار ہم کو ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے پہنچنے کے دو سال بعد۔ مئی ۱۷۹۶ء میں، اس نے اپنی دوسری کتاب "ہندستانی زبان کے قواعد (A Grammar of the Hindoostanee Language) شایع کی۔ اس اشتہار کے مطابق یہ نئی کتاب گل کرسٹ کے "ہندستانی لسانیات کے سلسلے کی پہلی جلد کا تیسرا حصہ" تھی۔ دوسرا حصہ اس وقت تک شایع نہیں ہوا تھا، جو مقدمہ اور لغت کے ضمیمہ پر مشتمل تھا،[۲۶] اور جو ۱۷۹۸ء میں "ضمیمہ (Appendix)" کے نام سے شایع ہوا۔

"ضمیمہ" کی اشاعت کی خبر اس کے حسب ذیل خط مورخہ ۲۲ اگست ۱۷۹۸ء سے ہم کو معلوم ہوتی ہے، جو اس نے چیف سکریٹری کے نام لکھا تھا۔

"میرے لغت کا مقدمہ اور ضمیمہ وغیرہ چھپ کر تیار ہو گیا ہے اور اس کی روانگی کے لئے صرف سرکاری منظوری کا انتظار ہے۔ اس کتاب کے تین سو نسخوں کی خریداری حکومت نے منظور کی تھی اور پچاس روپے فی نسخے کے حساب سے پیشگی قیمت بھی ادا کی جا چکی ہے۔

"تمام خریداروں نے کتاب کے اضافہ شدہ طویل حصّوں [کی طباعت کے مزید] اخراجات اور میری محنت کے پیش نظر اس کی قیمت پچاس سے بڑھا کر ساٹھ روپے کر دی ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ حکومت بھی اس اضافے کو قبول فرمائے گی اور کمپنی بہادر کے [تین سو] نسخوں کی خریداری کے مد میں تین ہزار روپے کی آخری رقم ادا کرنے کے احکام صادر کئے جائیں گے۔

"میری علمی کاوشوں نے مجھے بڑے الجھاوں میں پھنسا دیا ہے۔ ایک اور کتاب "مشرقی زبان داں" (Oriental Linguist) کے نام سے میں نے مکمل کر لی ہے، اور گورنر جنرل باجلاس کونسل سے درخواست ہے

کہ بقدر ضرورت اس کتاب کے نسخے بھی از راہِ سرپرستی خرید کیے جائیں۔ اس کی قیمت بتیس روپے ہے۔

"آپ جب چاہیں یہ دونوں مطبوعات [ضمیمہ اور مشرقی زباں داں] روانہ کی جاسکتی ہیں۔ حکومت کی فیاضی اور علم دوستی کے پیشِ نظر مجھے یقین ہے کہ [سرکاری خرید کے] تمام نسخے، حسب دستور یورپ روانہ کیے جائیں گے۔

"کتابوں کے بنڈلوں کو بلا محصول روانہ کرنے کی جو رعایت مجھے حاصل تھی، اندیشہ ہے کہ ڈاک کے نئے قوانین و ضوابط نے کہیں ان کو ختم نہ کردیا ہو، اس لئے آپ سے مودّبانہ التماس ہے کہ یہ رعایت صرف برقرار ہی نہ رکھی جائے، بلکہ میری اس نئی تالیف مشرقی زباں داں کو بھی اسی ضمن میں شامل کرلیا جائے۔ ان کتابوں کی عام اشاعت کے خیال سے، نیز اُن فوائد کے پیشِ نظر جو کمپنی کے ملازمین اُن سے حاصل کر سکتے ہیں، [کلکتہ گزٹ میں] یہ اشتہار شایع کردیا جائے تو عین نوازش ہوگی کہ دیسی زبان سیکھنے کے سلسلے میں کمپنی کے جملہ ملازمین کی ہمت افزائی کی نیت سے حکومت نے گل کرسٹ کی سابقہ تالیفات، نیز اس کی نئی کتاب، مشرقی زباں داں کے لئے محصول ڈاک کی رعایت بدستور جاری رکھی ہے۔

"حکومت کی فیاضی سے، جو اظہر من الشمس ہے، مجھے توقع ہے کہ میری یہ التجا بھی قبول کی جائے گی کہ میری تالیفات کے [سرکاری خرید کے] جو نسخے بچ رہے ہیں وہ، آئندہ جنوری [۱۷۹۹ء] میں ہندستان سے میری مجوّزہ روانگی سے قبل تقسیم کردیے جائیں گے۔"

اس خط سے متعدد نئی باتیں ہم کو معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی اور دلچسپ بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ گل کرسٹ کی کتاب کے حجم میں غیر معمولی اضافے کی وجہ سے، اس کی قیمت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ پہلے اس کی قیمت تیس روپے مقرر کی گئی تھی، جو تیس سے چالیس، چالیس سے پچاس اور اب پچاس سے ساٹھ روپے کردی گئی۔ اس سے یہ نتیجہ

بھی نکالا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں گل کرسٹ نے کتاب کی ضخامت کا جو اندازہ لگایا تھا، حاصل تیاری پر وہ دوگنی ہو گئی تھی۔ دوسری اہم بات ہم کو یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسی عرصے میں گل کرسٹ کی چوتھی کتاب "ہندستانی زباں داں" کے نام سے شایع ہو گئی تھی۔ تیسری اور سب سے زیادہ اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنوری ۱۷۹۹ء میں وہ انگلستان واپس جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔

گورنر جنرل نے اپنے ایک مراسلے میں کورٹ اف ڈائرکٹرس کو گل کرسٹ کی علمی کامیابیوں کا طمانیت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "ہماری کارروائی مورخہ ۱۰ ستمبر [۱۷۹۸ء] میں گل کرسٹ کا ایک خط نقل کیا گیا ہے، جس میں ہمیں مطلع کیا گیا تھا کہ اس کے [انگریزی] ہندستانی لغت کا مقدمہ اور ضمیمہ وغیرہ مکمل ہو گیا ہے"۔ قیمت کے اضافے کا بھی مناسب الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے گورنر جنرل نے لکھا تھا کہ قیمت کے اس اضافے کو ہم نے "قبول کرنا انصافاً جائز سمجھا"۔[۵۸]

گورنر جنرل کے اسی مراسلے سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 'مشرقی زباں داں' کے تین سو نسخوں کی خریداری بھی منظور کی گئی تھی۔ اس کتاب کے بے حد مفید ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے گورنر جنرل نے یہ بھی لکھا تھا کہ "ہندستانی زبان کے مطالعے کے لیے یہ بے حد مفید ہے اور [کمپنی کے] نو وارد ملازمین اس سے بیش از بیش فائدہ اٹھا سکتے ہیں"۔[۵۹]

گل کرسٹ کی متذکرہ بالا تالیفات اس کے ہم وطنوں کے لئے یقیناً لغتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی ہوں گی، جن میں ان کو "ہر وہ لفظ" مل سکتا تھا جن کی "ہندستانیوں سے گفتگو کے دوران میں ان کو ضرورت ہو سکتی تھی"۔[۶۰] ہندستانی زبان کے لغت و قواعد پر اس نے جو ضخیم اور جامع کتابیں لکھی تھیں، ان پر اس کو بجا طور پر ناز تھا۔

گل کرسٹ کے انگریزی ہندستانی لغت پر ایک نظر

ہندستانی لسانیات پر کام کرنے کا جو وسیع خاکہ اُس کے ذہن میں تھا، اس سلسلے کی یہ پہلی کڑی اس کا انگریزی ہندستانی لغت تھا جس کا پہلا حصہ ۱۷۸۶ء میں اور دوسرا ۱۷۹۰ء

میں کلکتے سے شایع ہوا[۶۱] جس کو اس نے اپنے محسن "ہز ایبل جان میک فرسن گورنر جنرل" کے نام معنون کیا تھا۔ اس لغت کے ساتھ کوئی طویل دیباچہ یا مقدمہ نہیں ہے یہ کام آخری جلد کے لیے اٹھا رکھا گیا تھا۔

اس لغت کا ایک قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں انگریزی الفاظ کے معنی اُردو رسم خط میں درج کئے گئے تھے۔ اس معاملے میں گریرسن کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اور اس نے لکھا ہے کہ معنی رومن رسم خط میں لکھے گئے ہیں[۶۲]۔ ممکن ہے کہ گریرسن نے یہ ایڈیشن سرے سے دیکھا ہی نہ ہو اور اس کا دوسرا ایڈیشن اس کو ملا ہو، جس میں معنی بجائے اردو کے رومن رسم خط میں لکھے گئے تھے۔

لغت کے دوسرے حصے میں ہم کو خریداروں کی فہرست ملتی ہے۔ یہ اس زمانے کا عام دستور تھا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس فہرست کا یہ پہلو قابل ذکر ہے کہ اس میں ہندستانیوں کے نام بھی ہم کو نظر آتے ہیں۔ اس دور کی اور مطبوعہ کتابوں میں ہندستانیوں کے نام نظر انداز کئے جاتے تھے۔ انگریز خریداروں کے نام لکھنے کے بعد آخر میں "نیٹوز" (دیسی خریداروں) کی مجموعی تعداد درج کر دی جاتی تھی۔ اس فہرست کے مطابق گل کرسٹ کے لغت و قواعد کے خریداروں کی مجموعی تعداد ۴۶۱ تھی، ان میں سے ۳۳ ہندستانی تھے — ۱۲ ہندو اور ۲۱ مسلمان۔ گل کرسٹ کے لغت کا مکمل دیک جائی ایڈیشن ۱۸۱۰ء میں اس کے وطن ایڈنبرا سے شایع ہوا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر گل کرسٹ کے ساتھ ساتھ تھامس رُوبک کا نام بھی ہم کو نظر آتا ہے جس نے اس ایڈیشن کی ترتیب میں گل کرسٹ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اس کے دیباچے میں گل کرسٹ نے لکھا ہے کہ

> "انگریزی ہندستانی لغت، اب سے بیس سال قبل، دنیا کے سامنے مطبوعہ شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ اس وقت مؤلف اور تالیف دونوں کو بے پناہ دشواریوں کا سامنا تھا۔
>
> "اس زمانے میں انرایبل کورٹ اف ڈائرکٹرس کی زیر سرپرستی وطن [انگلستان] میں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومتوں کے زیر سایہ بیرون ملک [ہندستان] میں مشرقی ادبیات کی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ اور یہ

اسی کا نتیجہ ہے کہ مشرقی زبانوں کی مفید کتابوں کی مانگ بے حد بڑھ گئی ہے۔ انگریزی ہندستانی لغت، جو بڑی تعداد میں چھپا تھا، اب نایاب ہے، اگرچہ ملک کے اُن نوجوانوں کو اس وقت اُس کی اور زیادہ ضرورت ہے، جن کو ہندستان جانا ہے، تاکہ مشرقی زبانوں کی روز افزوں ترقی کے ساتھ قدم ملا کر وہ چل سکیں"۔

اسی سلسلے میں گل کرسٹ نے ہندستانی انگریزی لغت کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس کے ہندستانی لسانیات کے سلسلے کی دوسری کڑی تھی، اس نے لکھا ہے کہ "سرمائے کے فقدان اور نامساعد حالات کے پیہم ہجوم نے اس کے چھپنے کی اب تک نوبت ہی نہ آنے دی"۔ لیکن حقیقتاً یہ لغت اس وقت تک مرتب ہی نہیں ہوا تھا، اور تھامس روبک نے اسی کام کے لئے طویل رخصت لی تھی۔ اس سلسلے میں گل کرسٹ نے لکھا تھا کہ

"انگریزی ہندستانی لغت کو ہندستانی انگریزی لغت میں تبدیل کرنے میں میرا ہاتھ بٹانے کے لئے افواج مدراس کے [ایک افسر] لفٹننٹ تھامس روبک نے کورٹ اف ڈائرکٹرس سے دو سال کی رخصت لی لیکن ہم دونوں جلد ہی اس نتیجے پر پہنچے کہ بڑی حد تک یہ ناقابل عمل کام ہے۔ چناں چہ اس پر قناعت کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اسی لغت کو از سر نو مرتب کر لیا جائے"۔[۶۳]

گل کرسٹ کے لغت کا یہ دوسرا ایڈیشن اس اعتبار سے بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے سرورق پر گل کرسٹ کے نام کے ساتھ پہلی بار ال ال، ڈی کی ڈگری کا اضافہ نظر آتا ہے، ہندستان سے واپس جانے کے بعد ہندستانی زبان کی خدمات کے سلسلے میں، اس کے وطن ایڈنبرا کی یونیورسٹی نے یہ اعزازی ڈگری اس کو دی تھی[۶۴]۔

اس لغت کے نئے ایڈیشن کے ساتھ گل کرسٹ نے ہندستانی زبان کے قواعد پر ایک جامع مقدمہ بھی شامل کیا تھا جو ۴۴ صفحات پر پھیلا تھا اور لغت کا حصہ ۷۲۱ صفحات پر مشتمل تھا۔ انگریزی الفاظ کے ہندستانی معنی، اس لغت میں، رومن رسمِ خط میں لکھے گئے

تھے۔ نیز انگریزی کے معنی انگریزی میں بھی درج کیے گئے تھے، مثلاً پہلے دو لفظوں کے معنی اسی طرح درج کیے گئے تھے :۔

Abaft, pichhwara, [پچھواڑا], behind, rear.

Abandon, chhorna, [چھوڑنا], turk-K, [ترک کرنا], to desert.

ہندستانی رسم خط اس کتاب میں کسی جگہ استعمال نہیں کیا تھا، اگرچہ اس وقت انگلستان میں فارسی اور دیوناگری رسم خطوں کے ٹائپ کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ الفاظ کے معنی سمجھانے کے لئے اردو اور ہندی اشعار بھی رومن میں درج کئے گئے تھے۔ مثلاً Babe کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "میاں کا لفظ بھی بچے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے" اور اس کے ثبوت میں مسکین کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

پس میں کس سے کہوں گی آجا میاں کے بابا
جس دم ہڑک ہڑک کے مرجاوے گا یہ بالا

اس طرح Begin کے معنوں میں 'لگنا' کی مثال کے لئے میر سوز کا یہ مصرع درج کیا گیا ہے۔

یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی مرجھانے لگا

یا Biten کے معنی 'کاٹنا' بتلاتے ہوئے یہ کہاوت درج کی ہے

سانپ کا کاٹا سوے بچھو کا کاٹا روے

"ہندستانی زبان کے قواعد" پر ایک نظر

گل کرسٹ کی دوسری تالیف جو ۸×۱۲ سائز کے ۳۳۸ صفحات پر پھیلی ہے ہندستانی زبان کے قواعد کے نام سے ۱۷۹۶ء میں کلکتے کے کرانی کل پریس سے شایع ہوئی۔ سرورق کے مطابق اس کا نام تھا

A GRAMMAR OF THE HINDOOSTANEE LANGUAGE,
or Part third of Volume First of a
System of Hindoostanee Philology.

سرورق کے درمیانی حصے میں سودا کے یہ اشعار رومن اور اردو رسم خط میں درج ہیں

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جوان ہے دعویٰ نہ کرے کہ مرے منہ میں زبان ہے
میں حضرت سودا کو سنا بولتے یارو اللہ ہی اللہ کہ کیا نظم و بیان ہے

اس کے نیچے حسب ذیل عبارت فارسی اور انگریزی میں درج ہے۔

ہر جا کہ سہوے و خطائے واقع شود بذیل کریم
بپوشند و قلم اصلاح براں جاری دارند۔"

Wherever there shall occur an omission or error,
cover it with the mantle of Grace.
And hold the pen of correction running over it."
Balfour's Herkern.

"ہندستانی زبان کے قواعد" کی چند خصوصیتیں

گل کرسٹ کی اس تالیف کی بعض خصوصیتیں قابل ذکر ہیں، جنھوں نے ہمارے ادب کے ایک نئے دور کا آغاز کیا تھا۔ مثلاً اردو اور ہندی طباعت کا ابتدائی نمونہ ہم کو گل کرسٹ کی اس کتاب میں ملتا ہے۔ ہندستانی شعرا کا کلام اور نثر کی عبارتیں، جو خود گل کرسٹ کی ہیں رومن کے ساتھ ساتھ اردو اور جا بجا ہندی رسم خط میں بھی ملتی ہیں اردو شعرا میں ولی، حاتم یقین، سودا، درد، ابرو، میر حسن، قایم، سوز اور مسکین کے بکثرت اشعار اس کتاب میں درج ہیں، جو مثالیں دینے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ سودا اور مسکین سے گل کرسٹ بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتا ہے۔ سودا کے متعلق تو اس نے لکھا ہی ہے کہ اردو سودا ہی سے اس نے سیکھی اور مسکین کے متعلق اس کی رائے ہے کہ ان کا کلام مبتدیوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ چناں چہ مسکین کا ایک مرثیہ جو ۱۱ بند پر مشتمل ہے، ہندستانی زبان کے قواعد میں اس نے جا بجا نقل کر دیا ہے، اور اخیر میں ایک جگہ ان تمام صفحات کے نمبر سلسلے وار

درج کر دئے ہیں، جن میں اس مرثیے کے بند جا بجا نقل کئے گئے ہیں، اور پڑھنے والوں کو ہدایت کی ہے کہ اس پورے مرثیے کو وہ الگ کاغذ پر نقل کر لیں، کیوں کہ "اس کا مطالعہ ان کے لیے بے حد مفید ہوگا۔" اس کا پہلا بند ہے

یاران عجب قوی ہے تقدیر حق تعالیٰ
جس روز شہ نے ڈیرا کوفے طرف نکالا
اس دن جو بھر چکا تھا وہ عمر کا پیالا
مسلم کو کوفیوں نے کوفے میں مار ڈالا

یہ پورا مرثیہ ضمیمے میں نقل کیا جا رہا ہے۔

شیکس پی یر کا اردو ترجمہ

'ہندستانی زبان کے قواعد' کی دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ شیکس پی یر کے دو مختلف ڈراموں کے ایک ایک ٹکڑے کا ترجمہ اردو زبان اور اردو رسم خط میں ہم کو اس کتاب میں ملتا ہے۔ سنسکرت، فارسی اور اردو کے اکثر شاہکاروں کا اس وقت تک انگریزی میں ترجمہ ہو چکا تھا[۶۵] لیکن انگریزی زبان کی کسی کتاب کو یا اس کے کسی حصے کو کسی ہندستانی زبان میں غالباً منتقل نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے گل کرسٹ کی اس کوشش کو بھی ہمارے ادب کے اس میدان میں شاید اوّلیت کا فخر حاصل ہے، اور اس ترجمے کو اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ گل کرسٹ نے اس ترجمے کے ساتھ چند سطریں بطور دیباچے کے بھی لکھی تھیں۔ اپنے ہم وطنوں کو، جن کے لئے یہ کتاب لکھی گئی تھی، مخاطب کرتے ہوئے اس نے لکھا تھا کہ

"یہ امر طالب علم کو غالباً گراں نہ گذرے گا کہ اسی کی زبان کے ایک ٹکڑے کا ہندستانی نثر میں ترجمہ بطور نمونے کے پیش کیا جائے، تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ دونوں زبانوں کے محاورات ان حسین مکالمات کی ادائیگی میں کس حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جن کو لافانی شیکس پی یر نے

کارڈینل وُلزے (Cardinal Wolsey) اور شہزادہ ہیم لیٹ (Hamlet) کی زبان سے عالم خیال میں ادا کرائے ہیں۔ ان دونوں مکالمات کا بول چال کی مہذب زبان میں زیادہ سے زیادہ لغوی ترجمہ کرنے کی میں نے کوشش کی ہے، تاکہ سلاست کے ساتھ ساتھ ہندستانیوں کا وہ انداز بیان بھی قایم رہے جو ایسے مسائل کے بیان میں وہ اختیار کیا کرتے ہیں۔ میں نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے مشکل الفاظ نہ استعمال کروں، جس سے، فہم سے زیادہ، منشی گری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس ترجمے کے گھٹیا پن اور اس کی بے نمکی سے ناظرین کو اس کا بھی اندازہ ہو سکے گا کہ ترجمے میں اصل کی روح اور اس کے حسن کو برقرار رکھنا بسا اوقات کس درجہ دشوار ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے یہ راز بھی کھل جائے گا کہ ہندستانی زبان میں حد درجہ لطافت و صلاحیت ہونے کے باوجود اس زبان [ہندستانی زبان] کے اُن ترجموں میں جو جا بجا اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں کیوں بےلطفی محسوس ہوتی ہے۔"[76]

اس تمہید کے بعد مکالمے کی اصل انگریزی عبارت درج کی گئی ہے اور اس کے نیچے دو برابر کے کالموں میں اس کا ترجمہ رومن اور اردو رسم خط میں لکھا گیا ہے۔ اردو اور رومن رسم خط کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ رومن عبارت میں جملوں کو اور جملوں کے ٹکڑوں کو مختلف علامتوں سے ایک دوسرے سے الگ کیا گیا ہے، لیکن اردو عبارت میں اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ یائے معروف اور یائے مجہول میں امتیاز نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح "ہ" اور "ھ" کے استعمال میں بھی کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ یہ ترجمہ ضمیمہ میں نقل کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب کے آخر میں گل کرسٹ نے ہندستانی کے ان صاحب دیوان ۱۳ شعرا کی ایک فہرست بھی درج کی ہے جن کو "استاد یا ماہرِ فن سمجھا جاتا ہے۔" اسی سلسلے میں گل کرسٹ نے "بنارس کے فاضل دیسی جج" علی ابراہیم خاں، مصنف گلزارِ ابراہیم کا بھی ذکر کیا ہے

جنھوں نے "تین سو ہندستانی شاعروں کے حالات" مرتب کیے تھے۔ اس نے علی ابراہیم کے ساتھ اپنے دوستانہ روابط کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے تذکرے کا ایک نسخہ گل کرسٹ کو بھی دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن موت نے ان کو ایفائے وعدہ کا موقع نہ دیا، مگر ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نصیر الدین علی نے اپنے باپ کا یہ وعدہ پورا کیا۔ اسی سلسلے میں علی ابراہیم خاں کے تذکرے کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی کوشش کرنے کا بھی اس نے ارادہ ظاہر کیا تھا۔[67]

صاحبِ دیوان شعرا کی فہرست

تخلص	نام	جائے پیدائش	عہد
خسرو	امیر خسرو	دہلی	تغلق
ولی	شاہ ولی اللہ	گجرات	عالم گیر اورنگ زیب
سودا	مرزا محمد رفیع الدین	دہلی	شاہ عالم
میر	میر محمد تقی	اکبر آباد	"
درد	خواجہ میر درد	دہلی	"
فغان	اشرف علی خاں کوکا	"	"
ابرو	شاہ نجم الدین	"	"
مظہر	جان جاناں	"	"
یقین	انعام اللہ خاں	"	"
تاباں	میر عبد الحئی	"	محمد شاہ
حاتم	حاتم	"	شاہ عالم
سوز	سید محمد	"	"
عشق	رکن الدین	"	"

بیان	احسن اللہ	دہلی	شاہ عالم
حسن	محمد حسن	"	"
قدرت	شاہ قدرت اللہ	"	"
ناجی	محمد شاکر	"	محمد شاہ
عیش	محمد عسکری	"	شاہ عالم
مسکین	عبداللہ	"	محمد شاہ
سکندر	خلیفہ سکندر	"	شاہ عالم
جرات	قلندر بخش، یحییٰ امان	"	"
محمد	ملک محمد	جایس	جہان گیر
قایم	محمد قایم	چاندپور	شاہ عالم
دردمند	فقیہ صاحب	دکن	"
افضل	محمد افضل	۔	۔
انجام	امیر خاں	دہلی	محمد شاہ
جعفر	جعفر زٹلی	۔	عالم گیر
امین	خواجہ امین الدین	عظیم آباد	شاہ عالم
جوشش	محمد روشن	"	"
ذکی	جعفر علی خاں	"	"
بیدار	میر محمدی	"	"

لغت اور قواعد کا ضمیمہ

'ہندستانی زبان کے قواعد' کی اشاعت کے دو سال بعد ۱۷۹۸ء میں گل کرسٹ کی تیسری کتاب ضمیمہ (Appendix) کے نام سے شائع ہوئی، جو قواعد و لغت کے مقدمے اور ضمیمے پر مشتمل تھی، اور گل کرسٹ کے ہندستانی لسانیات کے سلسلے کی آخری کتاب تھی۔

اسی کتاب میں گل کرسٹ نے ہندستان کے دورانِ قیام کی سرگزشت بھی اجمالاً بیان کی تھی، جس کے اقتباسات اس کتاب میں بھی جگہ جگہ پیش کیے گئے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے گل کرسٹ کے "ضمیمے" کا جو نسخہ ہے، وہ نیشنل لائبریری (کلکتے) کا ہے۔ اس کا سرورق غائب ہے۔* چناں چہ اس نسخہ میں پہلا صفحہ "اشتہار" کا ہے۔ جس میں گل کرسٹ کی تینوں کتابوں کی تفصیل اور ان کی قیمت درج کی گئی ہے۔ اس اشتہار سے پہلی بات ہم کو یہ معلوم ہوتی ہے کہ

"انگریزی ہندستانی لغت جس کا ایک مدت سے انتظار تھا، اب مکمل ہو گیا ہے، مؤلف اپنے خریداروں کی اطلاع کے لئے یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہے کہ یہ [لغت] مع قواعد اور ضمیمہ کے 'ہندستانی لسانیات' کا پہلا حصہ ہے، جس کو تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی اور دوسری جلد [لغت اور ضمیمہ] فرہنگ پر مشتمل ہے، اور تیسری جلد قواعد کی ہے"[۶۸]

اس تفصیل کے بعد پیشگی قیمت ادا کرنے والے خریداروں سے استدعا کی گئی تھی کہ جن حضرات نے اب تک صرف چالیس روپے ادا کئے ہیں وہ مزید بیس روپے، اور جن صاحبان نے پچاس روپے ادا کئے ہیں وہ مزید دس روپے "قواعد اور ضمیمہ کے اضافہ شدہ حصّوں" کے لئے جلد عنایت فرمائیں۔ نئے خریداروں کے لئے بتیس روپے فی جلد کے حساب سے اس کی قیمت مقرر کی گئی تھی۔ لیکن دو جلدوں کی یک جائی قیمت ساٹھ روپے اور تینوں جلدوں کی یک جائی قیمت اسّی روپے تھی۔

ضمیمے کی جلد سے اندازہ ہوتا ہے کہ گل کرسٹ نے لغت کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا، جس کی بہ ظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ انہیں دونوں حصوں کو گل کرسٹ نے اپنے خطوط میں 'پہلا نمبر' اور 'دوسرا نمبر' کہا ہے۔ اس ضمیمہ میں مقدمہ کا حصّہ جہاں

---

* "ضمیمے" کا ایک نسخہ سول سکریٹریٹ (نئی دہلی) کے کتب خانے میں بھی ملا اور اس میں بھی سرورق نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ "ضمیمے" کا سرورق الگ سے چھاپا ہی نہ گیا ہو۔

ختم ہوتا ہے، اور جہاں سے لغت کا حصّہ شروع ہوتا ہے، وہیں ہم کو حسب ذیل عبارت نظر آتی ہے جو عنوان کی طرح جلی ٹائپ میں درج کی گئی ہے۔

Appendix to Part I of the Dictionary[۶۹]

یہ حصہ صفحہ ۹۴ پر Knu کے حروف پر ختم ہوتا ہے، اور اس صفحے کے خاتمے کی حسب ذیل عبارت ہے

'End of the Appendix to Part I of the Dictionary[۷۰]

اس کے مقابل کا دوسرا صفحہ جو سا کے حرف سے شروع ہوتا ہے، اس کا عنوان ہے

Appendix to Part II of the Dictionary[۷۱]

یہ صفحہ ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی آخری عبارت ہے۔

End of the Part II of the Volume First[۷۲]

مشرقی زباں داں

۱۷۹۸ء میں ضمیمہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ گل کرسٹ نے ایک اور کتاب، جو اس کی چوتھی تالیف تھی، مشرقی زباں داں (Oriental Linguist) شایع کی۔ اس کے سرورق کے مطابق یہ کتاب "ہندستان کی مقبول عام زبان کا سیدھا سادھا اور عام فہم دیباچہ" تھا، جس میں ہندستانی زبان کے قواعد، انگریزی ہندستانی اور ہندستانی انگریزی لغت کے ساتھ ساتھ عام فہم اور مفید مکالمات، قصے، نظمیں، اور فوجی آئین کے کچھ حصوں کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا تھا۔ فوجی آئین کا ترجمہ، جو درج کیا گیا تھا، وہ گل کرسٹ کا نہیں کرنل اسکاٹ کا ترجمہ تھا۔

سرورق کے آخری حصے میں سودا کے تین مصرعے رومن رسم خط میں لکھے گئے تھے.

———————— سوتوں کی نیند میں کرنے کو خلل جاؤں گا

نطق کہتا ہے مرا آج یہ ہر ناطق سے آن کر ہونٹھ ابھی طوطی کے مل جاؤں گا

گل کرسٹ نے اپنی یہ کتاب جو ۱۲x۸ سائز کے ۱۶۴ صفحات پر پھیلی ہے، ہندستان کے سابق گورنر جنرل اور ایشیاٹک سوسائٹی کے سابق صدر سرجان شور کے نام

معنوں کی تھی۔ اس انتساب سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ بھی ہوتا ہے کہ گل کرسٹ ایشیائٹک سوسائٹی کا ممبر بھی تھا۔ اور اسی مناسبت سے انتساب کے لئے اس نے سرجان شور کا انتخاب کیا تھا۔

ایشیاٹک ری سرچیز (Asiatic Researches) جو ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ تھا، اور جس میں سوسائٹی کی روئداد پابندی سے چھاپی جاتی تھی، ہماری معلومات میں یہ قابل قدر اضافہ کرتا ہے کہ گل کرسٹ ایک عرصے تک ایشیاٹک ری سرچیز کی ادارتی کمیٹی (Committee of Papers) کا ممبر اور سوسائٹی کا اسسٹنٹ سکریٹری بھی رہا تھا۔ اس کی یہ دونوں حیثیتیں اس اعتبار سے قابلِ ذکر ہیں کہ اس سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کی علمی زندگی میں گل کرسٹ نے اپنے لیے ایک قابل رشک جگہ بنالی تھی۔

مشرقی زباں داں میں ہندستانی رسم خط سرے سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے پہلے دو باب ـــــ قواعد (۱۶ صفحات) اور انگریزی ہندستانی لغت (۴۰ صفحات) ہیں اس کی پہلی تینوں کتابوں کا خلاصہ تھا۔ لیکن اس کا تیسرا باب جو ہندستانی انگریزی لغت پر مشتمل ہے، یقیناً نیا اور قابل قدر اضافہ تھا۔ اس نئے اضافہ شدہ حصے کو بھی گل کرسٹ الگ کتابی شکل میں شایع کرنا چاہتا تھا، لیکن بعض دشواریوں کی وجہ سے یہ کام وہ پورا نہ کر سکا تھا۔

اس کتاب کا چوتھا باب "ہندستانی قصے" (Hindoostanee Tales) ہے، جو ہمارے لئے اس اعتبار سے دل چسپ اور اہم ہے کہ اس میں گل کرسٹ کی ہندستانی تحریر کے ابتدائی نمونے ہم کو ملتے ہیں، نیز یہ اندازہ بھی ہم کو ہوتا ہے کہ ہندستانی زباں میں گل کرسٹ نے کس حد تک دست گاہ حاصل کر لی تھی۔ یہ باب تین قصوں پر مشتمل ہے، پہلا قصہ ایک انگریزی کہانی کا ترجمہ ہے۔ اور باقی دو ہندستانی کہانیاں ہیں۔ ان قصوں سے متعلق چند سطریں اس نے حاشیے میں لکھی ہیں۔ ان سطروں نے نیز ہندستانی قصوں کے انتخاب نے اس کی انگریزی ذہنیت کو بری طرح "رسوا" کیا ہے۔ اس نے حاشیے میں لکھا ہے کہ پہلے انگریزی قصے کو اور اس کے بعد آنے والی ہندستانی کہانیوں کو پڑھنے کے

بعد ''یورپین عورتوں کی سادگی وذکاوت اور ہندستانی عورتوں کی بھیانک عیاری ومکاری کا تضاد بھی بے نقاب ہو جائے گا۔''[۵]

انگریزی قصے کے ترجمے کے ساتھ گل کرسٹ نے اصل انگریزی عبارت بھی نقل کی ہے۔ اور اسی طرح ہندستانی قصوں کے ساتھ ان کا انگریزی ترجمہ بھی درج کیا ہے۔

مشرقی زباں داں کا پانچواں باب فوجی آئین کی دفعات (Articles of War) ہے یہاں بھی ترجمے کے ساتھ اصل انگریزی عبارت درج کی گئی ہے۔ اس حصے کے مترجم کرنل اسکاٹ کی ایک چھٹی حاشیے میں درج کی گئی ہے جو کمانڈر انچیف کے نام ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمے میں گل کرسٹ کا بھی ہاتھ تھا۔[۶]

اس کتاب کے آخری باب کا عنوان ''ہندستانی نظم'' (Hindoostanee Odes) ہے۔ اس باب میں اردو اور فارسی غزلوں کے ساتھ ساتھ ان کے انگریزی ترجمے بھی دیے گئے ہیں پہلی غزل میر درد کی ہے، جس کا مطلع ہے۔

مژگان تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں — جو کچھ کہ ہوں سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں

دوسری غزل سودا کی ہے

معاش اہل چمن جائے رشک ہے سودا — کہ زندگانی کا انھوں نے مزا لیا

تیسری غزل بھی سودا ہی کی ہے۔

بلبل چمن میں ہیں کس کی یہ بدشرابیاں — ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

اس کے بعد دکنی کی دو غزلیں ہیں

جسے عشق کا تیر کاری لگے — اُسے زندگی جگ میں بھاری لگے

اور

جس کو لذت ہے سجن کے دید کی — اُسے خوش وقتی ہے صبح عید کی

اردو کی چند اور غزلوں کے بعد فارسی کی تین غزلیں ہیں۔ پہلی غزل حافظ کی ہے۔

مطرب خوش نوا بگو تازہ بہ تازہ نو بہ نو　　　　بادۂ دل کشا بدہ تازہ بہ تازہ نو بہ نو

دوسری غزل خاقانی کی ہے۔

لالہ رخا سمن برا سرو روان کیستی　　　　سنگ دلا ستم گرا آفتِ جان کیستی

تیسری اور آخری غزل سعدی کی ہے

اے ماہ عالم افروز من از من چرا رنجیدہ ئی　　　　اے شمع شب افروز من از من چرا رنجیدہ ئی

گل کرسٹ کے مشرقی زباں داں کی آخری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں اردو اور فارسی کی کئی غزلوں کی دھنیں انگریزی موسیقی کی دھنوں کے سانچوں میں ڈھالی گئی ہیں اور ان کے نقشے بھی شامل کئے گئے ہیں، جن کو سامنے رکھ کر وہ دھنیں پیانو پر بجائی جا سکتی ہیں۔

تیسرا حصّہ

گل کرسٹ کا مدرسہ

مدرسے کے قیام کے محرکات

گل کرسٹ نے ۱۷۹۸ء تک ہندستانی زبان کے قواعد ولغت پر یکے بعد دیگرے چار کتابیں شایع کیں، جنھوں نے مشرقی زباں داں کی حیثیت سے اس کی صرف اہمیت ہی نہیں بڑھا دی، بلکہ سرکاری حلقوں میں، ہندستان سے لے کر انگلستان تک، اس دھوم مچ گئی، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب حل وعقد نے ہندستانی زبان کے معاملے میں اُس کا لوہا مان لیا۔

اس وقت ہندستانی زبان کے علاقوں میں 'جان کمپنی' کی فرماں روائی روزِ روشن کی طرح حقیقت بن چکی تھی۔ انگریزی راج جو مشرقی اور شمالی ہند میں پہلے صرف بنگال تک محدود تھا، دیوانی (۱۷۶۵ء) ملنے کے بعد ایک طرف بہار، اڑیسہ اور اتر پردیش کے مشرقی اضلاع تک پھیل چکا تھا۔ دوسری طرف مغربی اور جنوبی ہند میں بھی تیزی سے اس کی عمل داری بڑھ رہی تھی۔ شمالی اور مشرقی ہند تو خیر ہندستانی بولی کا گڑھ تھا ہی، لیکن مغربی اور جنوبی ہند میں بھی ہندستانی اچھی طرح بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اور شواہد سے قطع نظر اس کا ایک ثبوت تو یہی ہے کہ گل کرسٹ کو ہندستانی زبان سے دلچسپی بمبئی میں پیدا ہوئی اور بمبئی و سورت کے دوران قیام میں اس نے ہندستان کی یہ "مقبولِ عام زبان" سیکھنی شروع کر دی تھی۔ اور اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کپتان ہیرِس (Harris) نے مدراس میں رہ کر اور وہیں بیٹھ کر ہندستانی زبان کا لغت ۱۷۹۰ء میں مرتب کیا۔ اس کے ہندستان گیر ہونے کا سب سے بڑا اور قطعی ثبوت یہ ہے کہ کمپنی بہادر

کے کرتا دھرتا بھی اس کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ کمپنی کے ملازمین کو فارسی کے ساتھ ساتھ جو سرکاری زبان تھی، ہندستانی زبان کی بھی تعلیم دی جائے۔

ویلزلی نے وقت کے اسی تقاضے سے مجبور ہو کر کمپنی کے ملازمین کو ہندستانی زبان کی تعلیم دینے کا ایک شاندار منصوبہ تیار کیا[۱] جس نے گل کرسٹ کے لئے کامیابی، شہرت اور ناموری کی نئی راہیں کھول دیں۔ ویلزلی نے اپنے منصوبے کو ٹھونک بجا کر دیکھنے اور اس کی افادیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے بھی گل کرسٹ ہی کا انتخاب کیا۔ چناں چہ گل کرسٹ نے اورنٹیل سیمے نریَ (Oriental Seminary) کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، جو خالصتاً ایک سرکاری ادارہ تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ گل کرسٹ نے انگلستان واپس جانے کا خیال ترک کر دیا، جس کا اس نے اپنے خط مورخہ ۲۲ر اگست ۱۷۹۸ء میں ذکر کیا تھا[۲] ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان جانے کے بجائے اس نے ہندستان ہی میں زندگی کے ایک نئے میدان میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا، جس کو ہندستان میں اس کے قیام کی تاریخ کا دوسرا باب کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مدرسے کا قیام

سابقہ باب میں ہم نے گل کرسٹ کو ہندستانی زبان کے طالب علم اور پھر مصنف کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ اب اس نئے باب میں ہندستانی زبان کے معلّم کے روپ میں وہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل کی کارروائی مورخہ ۲۱ر ستمبر ۱۷۹۸ء میں ویلزلی کی حسب ذیل یادداشت محفوظ ہے، جس کو گل کرسٹ کی کتاب زندگی کے اس نئے باب کا دیباچہ کہنا چاہیے۔

"بنگال سول سروس میں بھرتی ہو کر جو نوجوان [ہندستان] آتے ہیں ان کو منشی رکھ کر ہندستانی زبان سیکھنے کے لئے عموماً اور فارسی سیکھنے کے لئے خصوصاً تیس روپے ماہوار کا بھتہ دیا جاتا ہے، لیکن منشی

شاذونادر ہی انگریزی زبان سے واقف ہوتے ہیں، اس لئے نووارد رائیٹر* (سول ملازم) کو پہلے ہندستانی بول چال کی زبان سیکھنی ہوتی ہے، تاکہ منشی سے وہ بات چیت کرسکے۔ اس طریق تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منشی کی خدمات سے رائیٹر بہت کم یا بالکل مستفید نہیں ہوتے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہندستانی زبان کے قواعد ولغت کے مولف مسٹر گل کرسٹ نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ نووارد رائیٹروں کو ہندستانی زبان کی تعلیم دینے کے لئے وہ روزانہ درس دیا کریں، تاکہ ہندستانی زبان میں وہ اتنی مہارت حاصل کرلیں کہ منشی سے فارسی پڑھ سکیں۔ مسٹر گل کرسٹ فارسی کی ابتدائی تعلیم دینے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔"[۳]

گل کرسٹ اور ویلزلی دونوں کو اس کا بخوبی احساس تھا کہ کورٹ اف ڈائرکٹرس اس کام کے لئے اخراجات کے کسی مزید اضافے کو منظور نہ کرے گا۔ چناں چہ انھوں نے سرے سے یہ سوال پیدا ہی نہ ہونے دیا۔ ویلزلی نے اپنی یادداشت میں اس معاملے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ اس خدمت کے لئے مسٹر گل کرسٹ

"سوا اِس کے اور کسی معاوضے کے خواستگار نہیں ہیں کہ [نووارد رائیٹروں کو] منشی رکھنے کے لئے جو بھتہ دیا جاتا ہے، وہ پہلے بارہ مہینوں تک براہ راست گل کرسٹ کو ادا کیا جائے، اور اس کے معاوضے میں ہندستانی زبان و قواعد نیز فارسی زبان کے درس روزانہ (اتوار کے علاوہ) ان رائیٹروں کو وہ دیا کریں گے، جن کے بھتے ان کی طرف منتقل کئے جائیں گے۔"[۴]

---

* ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول ملازم کو رائیٹر (Writers) کہا جاتا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں جب کمپنی کی ملازمتوں کے عہدوں کی از سرِ نو تنظیم ہوئی تو یہ اصلاح ترک کردی گئی۔

ویلزلی نے، جس کا ذہن اس تجویز کی پشت پر یقیناً کام کر رہا تھا، اس کی پرزور حمایت کرتے ہوئے اپنی کونسل سے سفارش کی کہ

"مسٹر گل کرسٹ کی پیش کش کو قبول کر لینا ہی مناسب ہوگا۔ کیوں کہ دیسی زبان کی تعلیم کو فروغ دینے میں یہ تجویز ممد ثابت ہوگی۔ میری رائے ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے اور آئندہ جنوری سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے۔ کلکتے میں جو نووارد رائٹر اس وقت موجود ہیں، ان کو ایک سال تک گل کرسٹ سے درس لینے کی ہدایت کی جائے۔ اس معینہ مدت کے بعد ان کا امتحان لیا جائے گا، جس کے اصول بعد میں متعین کئے جائیں گے، تاکہ مجوزہ طریق تعلیم کی موزونیت کے متعلق صحیح رائے قائم کی جا سکے۔

"گورنر جنرل کی رائے ہے کہ ان رائٹروں کی سہولت کے خیال سے جو مندرجہ بالا مدت تک گل کرسٹ سے درس لیں گے، رائٹرس بلڈنگ میں گل کرسٹ کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا جائے، اور ان کو ہدایت کی جائے کہ نووارد رائٹروں کو تعلیم دینے کی خدمت پر جب تک وہ مامور ہیں، اس وقت تک وہیں قیام کریں یا روزانہ وہاں حاضر ہوا کریں۔"۵

گل کرسٹ کے مجوزہ تعلیمی منصوبے کی افادیت پر مزید زور دیتے ہوئے گورنر جنرل نے لکھا کہ

"اس سے صرف یہی فائدہ نہ ہوگا کہ فارسی زبان کے حصول میں آسانیاں پیدا ہو جائیں گی، بلکہ [سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ] مسٹر گل کرسٹ کی زیر نگرانی ہندستانی بول چال کی زبان میں [نووارد رائٹر] جو مہارت حاصل کریں گے، اس کی بدولت کمپنی کی ملازمت کے دوران میں، اپنے منصب کے تمام فرائض بھی وہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکیں گے۔

"گورنر جنرل بورڈ کے سامنے پہلے ہی ایک خاکہ پیش کر چکے ہیں، جس کے مطابق صرف [ہندستانی کی] مروجہ زبانوں ہی کی تعلیم وسیع پیمانے پر نہ دی جا سکے گی بلکہ دیوانی و مال کے قوانین اور تجارت کے آئین و ضوابط بھی سکھلائے جا سکیں گے۔ لیکن ساحل کارمنڈل کی طرف روانگی کے انتظامات نیز دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے گورنر جنرل کو اس کی تفصیلات مرتب کرنے کی فرصت نہیں ملی ہے۔ گورنر جنرل کی رائے میں یہ بہتر ہوگا کہ بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جو ملازمین ہیں، ان کی اطلاع کے لئے [سرکاری گزٹ میں] ایک اشتہار شائع کر کے، وہ اپنے مجوزہ منصوبے کی داغ بیل ڈال دیں۔"[6]

گورنر جنرل کی کونسل نے مندرجہ بالا یادداشت کی روشنی میں ۲۱ دسمبر ۱۷۹۸ء کو حسب ذیل تجویز منظور کی۔

"گورنر جنرل کا خیال ہے کہ بنگال میں کمپنی کے معاملات نیز داخلی نظم و نسق کے مسائل اس کے متقضی ہیں کہ ذمے داری اور اعتماد کے مخصوص عہدوں پر کمپنی کے کسی سول ملازم کو اس وقت تک متعین نہ کیا جائے، تاآں کہ اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اس نے گورنر جنرل با اجلاس کونسل کے نافذ کردہ تمام آئین و قوانین سے، نیز مختلف مقامی زبانوں سے پوری واقفیت حاصل کر لی ہے، کیوں کہ ان عہدوں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لئے ان سے واقفیت ضروری ہے بنگال میں کمپنی کے جو سول ملازمین ہیں، گورنر جنرل ان کو اس امر سے مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ یکم جنوری ۱۸۰۱ء کے بعد مندرجہ ذیل عہدوں کے لئے اس وقت تک کسی کا تقرر عمل میں نہ آئے گا جب تک کہ قوانین، آئین و ضوابط، اور [ہندستانی] زبانوں کے امتحان، جس کے اصول بعد میں وضع کئے جائیں گے، پاس نہ کر لیے جائیں۔ اشتہار ہذا کے ذریعے اعلان کیا جاتا ہے کہ مندرجہ

بالا علوم سے واقفیت حسب ذیل عہدوں کی اٹل شرطیں ہیں؛
"بنگال، بہار، اڑلیسہ اور بنارس کے صوبوں کی عدالتوں کے جج یا رجسٹرار کے عہدوں کے لئے فارسی و ہندستانی زبان سے واقفیت۔
" بنگال و اڑلیسہ کے صوبوں میں مال و چنگی کے محکموں کے محصلوں کے لئے نیز تجارتی رزیڈنٹ اور نمک کے ٹھیکہ داروں کے لئے بنگلہ زبان کی واقفیت۔
"بہار و بنارس کے صوبوں کے مال و چنگی کے محکموں کے محصلوں، نیز تجارتی رزیڈنٹ یا افیوں کے ٹھیکہ داروں کے لئے ہندستانی زبان کی واقفیت۔
"جہاں تک آئین و ضوابط کا تعلق ہے، مندرجہ بالا عہدوں کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے جن آئین و ضوابط کی واقفیت ضروری ہے، ان میں بھی امتحان لیا جائے گا۔
" رائٹ انرائیبل گورنر جنرل نے یہاں کے عملے کو اس لئے پیشگی اطلاع دے دی ہے، تاکہ وہ سول ملازمین جو ترقی کر کے اُن عہدوں کو حاصل کرنے کے متمنی ہوں، ان کو امتحان کی تیاری کے لئے کافی وقت مل سکے۔
" رائٹ انرائیبل گورنر جنرل نے اپنی یادداشت میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، بورڈ کو ان خیالات سے کلّی اتفاق ہے۔ چناں چہ طے پایا کہ مندرجہ بالا تجویز [کلکتہ] گزٹ میں شایع کی جائے اور سکریٹری [گورنمنٹ] مسٹر گل کرسٹ کو مندرجہ ذیل خط لکھے
"طے پایا کہ سول آڈیٹر (Auditor) ان رائٹروں کی فہرست مرتب کرے جو کلکتے میں مقیم ہیں، اور ہندستان میں جن کے قیام کی مدت یکم جنوری ۱۸۰۱ء

کو دو برس سے زیادہ نہ ہو۔ سکریٹری [گورنمنٹ، اس فہرست کے مطابق] تمام رائیٹروں کے نام حسب ذیل گشتی مراسلہ روانہ کرے۔"

گورنر جنرل باجلاس کونسل کی مندرجہ بالا تجویز کے مطابق گورنمنٹ سکریٹری نے گل کرسٹ کو ان کی تجویز کی منظوری کی اطلاع دیتے ہوئے، اپنے خط میں وہ تمام باتیں درج کر دیں، جو گورنر جنرل نے اپنی یادداشت میں قلم بند کی تھیں۔ نیز حسب ذیل باتوں کا اضافہ بھی کیا، جن سے ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے:

"تعلیم کے اوقات کا تعین رائٹ انرایبل گورنر جنرل باجلاس کونسل نے آپ پر چھوڑا ہے جس کا تعین کرتے وقت آپ اس امر کا بھی لحاظ رکھیں کہ رائیٹر جن دفتروں میں تعینات ہیں، وہاں کے مقررہ اوقات میں پڑھائی کا وقت کم سے کم مخل ہو۔

" آپ ایک باضابطہ رجسٹر رکھیں گے، جس میں طالب علموں کے نام، حاضری اور ان کی ترقی کی رفتار بھی درج کی جائے گی۔ یہ رجسٹر ہر مہینے پابندی سے رائٹ انرایبل گورنر جنرل کے معائنے کیلئے بھیجا جائے گا۔"

رائیٹروں کے نام جو مراسلہ روانہ کیا گیا تھا، وہ نسبتاً مختصر تھا، لیکن اس میں بھی ساری ضروری تفصیلات آگئی تھیں۔ مندرجہ بالا چھٹی گل کرسٹ کو ۲۵ر دسمبر کو ملی اور اسی دن اُس نے حسب ذیل جواب لکھا:

"آپ کا والا نامہ مورخہ ۲۴ر دسمبر موصول ہوا، جس میں اُس منصب کے متعلق رائٹ انرایبل گورنر جنرل باجلاس کونسل کے احکام درج ہیں جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔ اپنے فرائض انجام دینے کی پابندی و تندہی سے میں کوشش کروں گا۔

"براہ نوازش آپ گورنر جنرل باجلاس کونسل کو مطلع فرمادیں کہ مرقومہ شرائط کے مطابق اپنا کام شروع کرنے کے لئے تیار ہوں، اور جو خدمت میرے سپرد کی گئی ہے، اس کو شروع کرنے کے لئے مزید

سرکاری احکام کا منتظر ہوں"۹؎

گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ۲۱ دسمبر ۹۸ ۱۷ء کو جب اپنی یادداشت لکھی تھی، اس وقت ان کو خیال تھا کہ ابتدائی انتظامات ہفتے عشرے میں مکمل ہو جائیں گے اور جنوری ۱۷۹۹ء کے پہلے ہفتے سے گل کرسٹ کا کام شروع ہو جائے گا، لیکن رائی ٹروں کی فہرست مرتب ہونے میں ایک مہینے سے کچھ زیادہ ہی وقت لگ گیا۔ سکریٹری گورنمنٹ نے ۱۴ جنوری ۱۷۹۹ء کو ان ۳۱ رائی ٹروں کی فہرست گل کرسٹ کو بھیجی جن کو ہندستانی زبان سیکھنی تھی۔"!

گل کرسٹ کے مدرسے کا پہلا جرنل

گل کرسٹ کی 'اورنٹیل سیمنری' (Oriental Seminary) کے طالب علموں کی حاضری اور دیگر اندراجات کا رجسٹر، جس کو سرکاری طور پر 'جرنل' (Journal) کہا جاتا تھا، کوئی باضابطہ 'دفتر' نہ تھا، بلکہ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ہر مہینے ایک بڑے سے تختے پر خانے بنا کر طالب علموں کے نام درج کر لئے جاتے تھے۔ اور انھیں خانوں میں تاریخ وار حاضری بھری جاتی تھی۔ یہی تختے ہر مہینے گورنر جنرل کے معائنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ حاضری بھرنے کے علاوہ گل کرسٹ اپنے تجربات و خیالات بھی کبھی کبھی قلم بند کیا کرتا تھا۔ یہ ساری کارروائیاں گورنر جنرل کی کونسل کی کارروائیوں کے رجسٹروں میں بھی نقل کی جاتی تھیں۔ ان رجسٹروں سے گل کرسٹ کی اورنٹیل سیمنری، کے بہت کچھ حالات ہم کو معلوم ہوتے ہیں۔ گل کرسٹ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے رجسٹر بہت کم ملتے ہیں، جو یا تو ضایع ہو گئے یا ممکن ہے کہ انڈیا آفس میں محفوظ ہوں ۔۔ اورنٹیل سیمنری کے پہلے مہینے کی ڈائری اور حاضری، جو گورنر جنرل کی کونسل کی کارروائی میں ہم کو ملتی ہے، ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

۲۹ جنوری روز سہ شنبہ

آج [رائی ٹرس کی] مندرجہ بالا فہرست موصول ہوئی [فہرست نظر انداز کی جا رہی ہے]۔

۳۰ر جنوری روز چہار شنبہ

آج کچھ نہیں ہوا۔ اگرچہ دیر تک میں [رائی ٹرس کا] بلڈنگ س ٹھہرا رہا۔

۳۱ر جنوری روز پنج شنبہ

ایضاً ایضاً

یکم فروری روز جمعہ

ہندستانی زبان کے درس کا وقت مقرر کرنے کے لئے بلنٹ (Blunt) شیرر (Sherer) فارٹسک (Fortescue) ہارٹ ول (Hartwell) لائڈ (Lloyd) رچرڈسن (Richardson) اور کن لک (Kinlock) صاحبان نے ملاقات کی۔ حسب ذیل قوی وجوہ کی بنا پر میں نے ہندستانی زبان کی تعلیم سے کام کا آغاز کرنا مناسب سمجھا ہے۔

۱۔ طالب علم اگر حقیقتاً کوئی مضمون سیکھنا چاہے تو، ساز گار ماحول میں بھی، بیش تر اہلیتوں کے لئے ایک وقت میں ایک ہی مضمون، یا ایک ہی ادبی مشغلہ کافی سمجھا جاتا ہے۔ حکومت نے اس کے برعکس اگر احکام جاری نہ کئے تو اس مدرسے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ چناں چہ آئندہ چھ مہینے ہندستان کی مقبول زبان کی تعلیم پر صرف کئے جائیں گے، اور سرکاری فرائض کی ادائیگی کے علاوہ طالب علم کے باقی تمام مشاغل پر اس کو ترجیح دی جائے گی۔

۲۔ ہندستانی [زبان]، جس کا سیکھنا بعض اعتبار سے اگرچہ بے حد دشوار ہے، تاہم وہ اسی درجہ مفید بھی ہے۔ چناں چہ اُس جوش و خروش سے فائدہ اٹھا کر جو کسی بھی نئی چیز کے سیکھنے میں قدرتاً پیدا ہو جاتا ہے، اپنے طالب علموں کو [ہندستانی زبان کی] ابتدائی دشوار منزلیں طے کرا دینے کی میں کوشش کروں گا تاکہ انوکھے پن کی کشش جب ختم ہو تو اس وقت ہلکی پھلکی چیزیں وہ بہ آسانی پڑھنے لگیں، جو ایک ایسے وقت میں تفریح کا مشغلہ بھی بن سکے، جب یورپ کے کس بل کی جگہ اُس

کاہلی اور آرام طلبی نے لے لی ہو، جو ہندستان کی آب و ہوا کا خاصّہ ہے۔

۳۔ انگریزی کی طرح با محاورہ فارسی و عربی سمجھنے کے لئے بھی یہاں لوگوں کو ترجمان کی ضرورت پیش آتی ہے، اگرچہ ان زبانوں کے الفاظ، بغیر اپنی شکل بدلے ہوئے، ہندستانی زبان میں داخل ہو گئے ہیں۔ چناں چہ ہندستانی زبان اگر پہلے سیکھ لی جائے، تو روزمرہ کی گھریلو زندگی کے قصّوں کو پڑھ کر عربی و فارسی زبانیں بہ آسانی سیکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس طرح عربی و فارسی کی باضابطہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے، ان زبانوں کے الفاظ کا ایک اچھا ذخیرہ طالب علم کے پاس جمع ہو جائے گا۔ اس لئے فی الحال عربی فارسی کی تعلیم کا ملتوی رکھنا مناسب ہے۔ اور میں نے یہی کیا ہے۔

۴۔ ہندستانی [زبان] کی وساطت سے اگرچہ خاصی فارسی میں نے سیکھ لی ہے، لیکن میں اس کا صفائی سے اعتراف کرتا ہوں کہ [فارسی] صرف و نحو کے پیچ و خم میرے لئے بالکل نئے ہیں۔ لیکن مجھے قوی امید ہے کہ چند مہینوں میں اس پر میں عبور حاصل کر لوں گا، اور پھر فارسی کے اُن حصّوں کو بہ آسانی پڑھا سکوں گا، جن کو سیکھ لینا ہندستانی [زبان] کے کسی بھی اچھے اسکالر کے لئے کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو، لیکن مجھے ان کے مطالعے کی آج تک فرصت ہی نہ ملی۔ میرے اس اعتراف کا اس مدرسے کے مستقبل پر کچھ ہی اثر کیوں نہ ہو، حق گوئی کے جذبے نے اس کے قلم بند کرنے پر مجھے مجبور کیا ہے۔ اپنی اس کمزوری پر نہ تو مجھے فخر ہے، اور نہ میں اس کو چھپانا ہی چاہتا ہوں۔

۵۔ گلیڈون (Gladwin) کی فارسی و عربی تالیفات کے ترمیم شدہ ایڈیشن جلد ہی شایع ہونے والے ہیں، اسی لئے میں [فارسی کی تعلیم

شروع کرنے ہیں] اور بھی تاخیر کرنا چاہتا ہوں، تاکہ میں اور میرے شاگرد ان کی [گلیڈون کی] محنت سے، جو انھوں نے مشرقی زبانوں کے باب میں کی ہے، پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کا بھی قوی امکان ہے کہ گلیڈون کی نئے طرز کی کتابیں ہمارے لئے فارسی تعلیم کے نصاب کا کام دے سکیں گی، جس کی تکمیل میں سال کے آخری چھ مہینے سے زیادہ نہ لگیں گے، بشرطیکہ [سال کے] پہلے حصے کو بامحاورہ ہندستانی بول چال کی زبان سیکھنے پر ہم صرف کریں اور اُسی کو فارسی سیکھنے کا ذریعہ بنائیں۔

یہ نومولود ادبی ادارہ، موجودہ گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں، اگر پروان چڑھا اور میری صحت و حالات نے میرے عزائم کا ساتھ دیا، تو افسران بالا کی اجازت سے، ۱۸۰۰ء کی پہلی تاریخ سے بنگلہ زبان کے درس بھی ہیل ہڈ (Halhed) کے مفید قواعد اور فارسٹر (Forester) کے طویل لغت کی مدد سے شروع کردوں گا۔ یہ اگرچہ صرف بنگال ہی کی زبان ہے، لیکن ان سول ملازمین کے لئے بے حد ضروری، جو اسی صوبے میں تعینات ہوں گے۔

طالب علموں کے دلوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرنے کی میں ان تھک کوشش کروں گا، اور اگر اُس موثر اقتدار اعلیٰ [گورنر جنرل باجلاس کونسل] نے بھی، کبھی ہمت افزائی سے اور کبھی تنبیہ سے، میری کوششوں کو تقویت بخشی، جن کی خدمت میں یہاں کے حالات صدق نیت سے اپنا فرض سمجھ کر بے کم و کاست وقتاً فوقتاً میں پیش کرتا رہوں گا، تو بجا طور پر اس کی توقع کی جاسکتی ہے کہ مشرقی زبانوں میں مہارت پیدا کرنے کا جہاں تک تعلق ہے، تمام محنتی اور ذہین طالب علم ہندستانی، فارسی اور بنگلہ میں، ۱۸۰۰ء کے چھٹے یا ساتویں مہینے تک اتنی استعداد پیدا کرلیں گے کہ جس شعبے کے فرائض بھی ان کے سپرد کئے جائیں، اطمینان و قابلیت سے وہ ان کو سرانجام دے سکیں۔ میں اس کی بھی کوشش کروں گا، اور یہ بات میرے لئے باعث فخر ہوگی کہ میں ان حضرات کا اعتماد اور ان کی خوشنودی حاصل کرسکوں، جو میرے جنرل کا اور

میرے طرزِ عمل کا مطالعہ کرتے رہیں گے۔

۲ر فروری روز شنبہ

لائیڈ (Lloyd) کن لک (Kinlock) اور رچرڈسن صاحبان مقررہ وقت پر حاضر ہوئے۔ مسٹر لائیڈ ہندستانی زبان میں پہلے ہی خاص ترقی کر چکے ہیں۔ مسٹر کن لک فارسی اور مسٹر رچرڈسن بنگلہ سیکھتے رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کو ہندستانی سیکھنے کا بھی شوق معلوم ہوتا ہے، اسی لئے مجھے قوی امید ہے کہ یہ لوگ جلد ہی مسٹر لائیڈ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں گے، جو پہلے ہی سے ہندستانی سے واقف ہیں، کیوں کہ یہ دونوں اس کی [ہندستانی کی] تحصیل پر آئندہ چھ مہینوں تک پوری توجہ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مسٹر بلنٹ نے کونسل ہاؤس میں روک لئے جانے کا عذر پیش کیا۔

۳ر فروری روز یک شنبہ

۴ر فروری روز دوشنبہ

جن صاحبان کے نام درج کئے جا چکے ہیں، ان کے علاوہ مسٹر ویاٹ (Wyat) بھی حاضر ہوئے۔ مسٹر شیپر فارسی کے اچھے اسکالر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو ہندستانی سے زیادہ فارسی سے ذوق ہے، اور شوق کے ساتھ ساتھ اس زبان کی سمجھ بھی رکھتے ہیں۔ توقع ہے کہ جلد ہی ان کو بھی میں اپنی [ہندستانی زبان کی] تعلیم کا گرویدہ بناؤں گا، لیکن مسٹر بلنٹ کو فارسی سے اور اپنے منشی کے خیالات سے اس درجہ رغبت ہے کہ ان کو اپنا ہم نوا بنا سکنے کی مجھے کم ہی امید ہے، خصوصاً اس حالت میں کہ جلد ہی اس پریسیڈنسی کو خیرباد کہنے کی بھی وہ باتیں کرتے ہیں۔ بہرکیف یہ صاحب [ہندستانی کی بھی] واقفیت رکھتے ہیں اور تھوڑی سی توجہ کے بعد جس کی حتی الوسع میں کوشش کروں گا، وہ [ہندستانی] کے بھی اچھے اسکالر بن سکتے ہیں۔

۵ر فروری روز سہ شنبہ

اِس کاٹ (Scott) فارٹِسک (Fortescue) مانک ٹن (Monckton) اچ، رسل (H. Russell) سی، رسل (C. Russell) ہاگ سن (Hodgson) اور

مکینزی (Mckenzie) وغیرہ نے جن کے نام پہلے درج کیے جا چکے ہیں، ہندستانی زبان کا خوش اسلوبی سے مطالعہ شروع کر دیا ہے۔

۶، فروری روز چہار شنبہ

جیمس پاٹن (James Patton) اور چارلس پاٹن (Charles Patton) اور فان کوئر (Fanquire) نے آج سے [ہندستانی زبان کا درس] شروع کیا ہے۔ اب تک میری یہ کوشش رہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے ایک ایک، دو دو یا تین تین صاحبان پر ایک ایک گھنٹہ صرف کروں، کیوں کہ ان کو جماعتوں میں تقسیم کرنا ابھی ناممکن ہے، جیسا کہ آگے چل کر بیان کروں گا۔ قصد ہے کہ مشرقی رسم خط کی گہری واقفیت پیدا کرنے کا کام ۱۸۰۰ء کے اواخر تک ملتوی رکھا جائے۔

۷، فروری روز پنجشنبہ

آج کیمبل (Campbell) حاضر ہوئے۔ جن حضرات کو ان کی دفتری مصروفیات فرصت نہیں دیتی ہیں، ان کے علاوہ باقی اور حضرات حسب معمول آتے ہیں اور آج کل عموماً یہی ہو رہا ہے [کہ دفتری مصروفیات لوگوں کی حاضری میں مانع ہو رہی ہیں]، خصوصاً صیغۂ راز (Secret Department) کے صاحبان کے ساتھ جنہیں، جیہ شوق رکھنے کے باوجود یہ لوگ [ہندستانی] زبان میں اور لوگوں کے دوش بدوش ترقی نہیں کر سکے۔

جن حضرات نے مندرجہ بالا سبب سے یا کسی اور وجہ سے غیر حاضریاں کی ہیں ان کی تفصیل میں اس پہلے مہینے میں درج نہ کروں گا۔ غیر حاضری کا ایک سبب جسے میں تشویش کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں، بیماری بھی ہے۔

۸، فروری روز جمعہ

مسٹر ڈینیل (Daniel) حاضر ہوئے، کام حسب معمول ہوا۔

۹، فروری روز شنبہ

حسب ذیل صاحبان کے غیر معمولی شوق اور ان کی ترقی کو دیکھ کر، ہندستانی

زبان کے پہلے درجے کے لئے میں نے ان کو منتخب کیا ہے:

مسٹر سی، لائڈ

〃 ال، مے کِن زی

〃 آر، ری چرڈسن

〃 اِف، فان کوٹر

〃 اچ، رسل

〃 جے، ڈبلو، شیرر

〃 آئی، ماننکٹن

مجھے توقع ہے کہ یہ صاحبان آئندہ بھی دل وجان سے کوشش کرتے رہیں گے تاکہ میرا انتخاب حق بجانب ثابت ہو سکے۔ ان لوگوں نے اس وقت تک جو قابل تحسین محنت کی ہے، اس کا فی الحال میں یہی انعام ان کو دے سکتا تھا۔ ذی شعور دماغوں کو سعی جاری رکھنے کی ترغیب دلانے کے لئے بھی اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ مشرقیات کے اسکالر بننے کے لئے اتنی ہی محنت ضروری ہے، تاکہ وہ ان رائٹروں کے لئے بھی قابل تقلید نمونہ بن سکیں، جو ہندستانی زبان سیکھنے میں اب تک ان کی جیسی ترقی نہیں کر سکے ہیں۔

۱۰ر فروری روز یک شنبہ

۱۱ر فروری روز دوشنبہ

پے ٹن (Patton)، ماسٹر اور منڈی (Mundy) صاحبان حاضر تھے۔ یہ ظاہر کر دینا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ صیغۂ راز کے صاحبان [ہندستانی] زبان میں ترقی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کا انھیں افسوس ہے کہ محنت کرنے کی ان کو فرصت ہی نہیں ملتی۔ ان کو امید ہے کہ ان کی عدم ترقی کے اس سبب کو نظر انداز نہ کیا جائے گا۔

انصاف کا تقاضہ ہے کہ مے کِن زی، اچ، رسل اور شیرر صاحبان کی نسبت

یہ بات قلم بند کی جائے کہ ان لوگوں نے فارسی میں اگرچہ کچھ حد تک ترقی کر لی تھی، لیکن اب انھوں نے اپنی آئندہ تعلیم بہ رضا و رغبت، مجھ پر چھوڑ دی ہے۔ مسٹر سی، رسل بھی اُردو ل سے کچھ کم محنتی اور پرجوش نہیں ہیں، لیکن انھیں خدشہ ہے کہ آئندہ چند مہینوں تک اپنی تعلیم پر وہ مشکل ہی سے اتنی توجہ دے سکیں گے، جتنی کہ وہ دینا چاہتے ہیں۔

۱۲ر فروری روز سہ شنبہ

کچھ قابل ذکر نہیں ہے۔

۱۳ر فروری روز چہار شنبہ

ایضاً

۱۴ر فروری روز چہار شنبہ

ایضاً

۱۵ر فروری روز پنجشنبہ

ایضاً

۱۶ر فروری روز شنبہ

مسٹر کیمبل اور ڈبلو، اچ، اسکاٹ پہلے درجے میں داخل ہو جانے کی کوشش کر رہے ہیں، اور چند روز میں یقیناً پہلے درجے میں ان کو داخل کر دیا جائے گا۔

۱۷ر فروری روز یک شنبہ

۱۸ر فروری روز دو شنبہ

مسٹر ایلے سن (Allason) آج حاضر ہوئے، باقی صاحبان حسب دستور، کچھ ضرورتاً، کچھ بیماری کی وجہ سے اور کچھ بے سبب غیر حاضر ہیں۔ اس امر کا فیصلہ میں حکومت پر چھوڑتا ہوں کہ میرے طالب علموں کو اپنی ارادی غیر حاضری کے لئے کس حد تک مجھے پیشگی اطلاع دینی ضروری ہے۔ بایں ہمہ ان کے موجودہ جوش و خروش اور ان کی توجہ سے میں مطمئن ہوں۔

۱۹ر فروری روز سہ شنبہ

مسٹر سی لے حاضر ہوئے۔

۲۰/ فروری روز چہار شنبہ

کوئی بات قابل ذکر نہیں ہے۔

۲۱/ فروری روز پنجشنبہ

پے ٹن سن، اِس کاٹ، کیم بل، فارٹِسک، اور ڈان یل کو خود ان کی درخواست پر پہلے درجے میں منتقل کیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے وعدہ کیا ہے کہ دونی محنت کر کے وہ بھی ان لوگوں کے برابر ہو جائیں گے جو پہلے سے اُس درجے میں موجود ہیں۔

مسٹر لایڈ سے جو مدد مجھے مل رہی ہے، وہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ فوجی آیئن کی دفعات (Articles of War) پر انھوں نے کُلّی عبور حاصل کر لیا ہے، اور اپنے ساتھیوں کو صاف صاف پڑھ کر اب وہ سناتے ہیں اور ہندستانی میں اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ کسی محنتی طالب علم کی اہلیت و قابلیت کے باب میں میری سفارش و تصدیق، حکومت کی نظروں میں اگر کچھ وزن رکھتی ہے اور ان کی آئندہ زندگی میں ممد ثابت ہو سکتی ہے، تو ان کی [لایڈ کی] میں پر زور سفارش کرتا ہوں کیوں کہ میں ان کو با اصول اور صالح نوجوان سمجھتا ہوں۔ وہ خواہ جس عہدے پر بھی ہوں، اپنے سر پرستوں اور دوستوں کے لئے قابل فخر ثابت ہوں گے۔

۲۶/ فروری روز جمعہ

کوئی بات قابل ذکر نہیں ہے۔

۲۳/ فروری روز شنبہ

اپنے شاگردوں میں کافی حد تک ذوق مجھے نظر آرہا ہے۔ فان کوپر، شیبرڈ، اچ، رسل، اور مانک ٹن نے تیزی سے جو ترقی کی ہے، اس سے میں مطمئن ہوں اگرچہ موخرالذکر دونوں اصحاب انگریزی شعبے کے فارسی مترجم کے دفتر میں بے حد مصروف رہتے ہیں۔

۲۴/ فروری روز یک شنبہ

۲۵ر فروری روز دوشنبہ

فوجی آئین کی آج تشریح کی گئی، جن کو پہلے درجے کے بیشتر طالب علم بے تکلفی اور آسانی سے اب پڑھ سکتے ہیں، اور اس طرح سے روزانہ استعمال کے بہت سے الفاظ سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے ــــ مثلاً حکم، حاکم، احکام، حکم نامہ، محکوم، محکمہ، اور حکومت وغیرہ۔ پڑھتے وقت اکثر دفعات کی میں خود بھی تشریح کرتا جاتا ہوں۔

۲۶ر فروری روز سہ شنبہ

حسب معمول سب جمع ہوئے بیماری، اور دوسری وجہوں سے اکثر حضرات غیر حاضر تھے۔

۲۷ر فروری روز چہار شنبہ

آج دربار کا دن تھا، اس لئے بجائے دس کے گیارہ بجے جمع ہوئے۔ اب یہ طے کیا گیا ہے کہ ہم لوگ ہر تیسرے ہفتے [دربار میں] حاضر ہوا کریں گے، اور جہاں تک ہو سکے سب لوگ ایک ساتھ جایا کریں۔ تاکہ ہر فرد کی مشرقی تعلیم کا کم سے کم وقت ضائع ہو، جو پہلے درجے کے لئے دو گھنٹے روزانہ مقرر کیا گیا ہے۔

حاضری کی عدم پابندی کی وجہ سے دوسرا درجہ اب تک میں نہیں کھول سکا ہوں جس کو دوپہر کے بعد بھی دو گھنٹے روزانہ دینے کا میں ارادہ رکھتا ہوں۔ اس طرح سے [اس دوسرے درجے کے لئے] چار گھنٹے روزانہ ہو جائیں گے۔ تعلیم کا جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے، اس کے مطابق زیادہ سے زیادہ اتنا ہی وقت میں دے سکتا ہوں، خصوصاً اس حالت میں جب کہ اکثر ایک گھنٹہ میں ان لوگوں پر بھی صرف کرتا ہوں جو مقررہ اوقات میں ــــ دس سے بارہ تک یا دو سے چار تک حاضر نہیں ہو سکتے۔ یقین ہے کہ حکومت بھی اس طریق کار کو پسند کرے گی ــــ خصوصاً جب یہ معلوم ہوگا کہ چودہ یا پندرہ طالب علموں کا بہت اچھا درجہ بنتا ہے۔ کیوں کہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ طالب علم باقاعدگی سے حاضر نہیں ہوتے، جن کے علاوہ کچھ پچھڑے ہوئے طالب علم بھی ہوتے ہیں جو اس کی توقع رکھتے ہیں، اور حقیقتاً ان کو اس کی ضرورت ہوتی بھی ہے کہ اپنے اوقات کا ایک غیر متعین حصہ میں ان کی تعلیم کے لئے وقف کر دوں۔ اس طرح روزانہ تیس طالب علموں

کا اوسط رہتا ہے اور یہی رہے گا۔

ان [نو وارد رائٹروں] میں مضافات میں تعینات کئے جانے کی تڑپ میں ابھی سے محسوس کر رہا ہوں، جو فی الحال تو بدترین نتائج کی حامل ہے، لیکن ایک دانا حکومت اس [جذبے] سے بہترین نتائج بھی پیدا کر سکتی ہے، جو نو وارد رائٹروں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے اس جذبے کو ابھارنے کے ہر موقع کو خوش آمدید کہے گی، جس کو پریسیڈنسی سے قبل از وقت اور غیر معین دوری [کا خیال] ہی سرد کر دے گا، پھر میری تمام کوششوں کے باوجود وہ خوش گوار نتائج برآمد نہ ہوں گے، جن کی بجا طور پر اس مدرسے سے توقع کی جاتی ہے!!

[۲۸ فروری روز پنجشنبہ کی کارروائی درج نہیں ہے]

مدرسے کے اندرونی ماحول کی ایک جھلک

یہ تھی گل کرسٹ کی اورنٹیل سیمنری کے پہلے مہینے کی مکمل رویداد۔ اس کے بعد کے جو جرنل ہم کو ملتے ہیں وہ بھی اس سے مختلف نہیں ہیں۔ ۹ مارچ کی جو کارروائی گل کرسٹ نے قلم بند کی تھی اس سے ہم کو مشرقیات کے اس نئے مدرسے کے اندرونی ماحول کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

۹ مارچ روز شنبہ

حاضری کے سابقہ نقشے میں معمولی سی تبدیلی ہے۔ [درس کے دوران میں] خاموش رہنے کی بار بار تاکید کرنے کے بعد آج حسب ذیل نوٹس گشت کرایا گیا۔

"اس مخصوص نوازش کی مسٹر گل کرسٹ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ جب کوئی صاحب کچھ پڑھ کر سنا رہے ہوں، تو اس وقت آپ بالکل خاموش رہیں۔ [آپ کا یہ طرز عمل] صرف اس فرد ہی کے ساتھ نہیں [جو پڑھ کر سنا رہا ہو گا]، بلکہ ان لوگوں کے ساتھ بھی آپ کی خوش اخلاقی کا مظاہرہ ہو گا۔ جو اُس کی محنت سے مستفید ہونا چاہتے ہوں گے

[فوجی آئین کی] ہر دفعہ کے اختتام پر منشیوں سے یا مسٹر گل کرسٹ سے ہر طرح کے سوال پوچھنے کے لئے کافی مہلت دی جائے گی۔ اسی وقفے کے دوران میں نوکروں کو خطوط وغیرہ لانے کا بھی حکم دیا جاسکے گا۔ مزید براں جو حضرات بارہ بجے سے پہلے اٹھنا چاہیں، ان سے گذارش ہے کہ جہاں تک ہوسکے وہ کسی ایسے ہی مناسب وقفے کے دوران میں اُٹھ جایا کریں۔

"مسٹر گل کرسٹ جملہ صاحبان سے اس کی بھی پرزور درخواست کرتے ہیں کہ مقررہ وقت کے دس منٹ بعد نہیں، بلکہ پانچ منٹ پہلے تشریف لایا کریں، تاکہ خود ان کا نقصان نہ ہو اور دوسرے ساتھی طالب علموں کی تعلیم میں بھی خلل نہ پڑے۔"[۱۲]

مندرجہ بالا اقتباس سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ بھی ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کے اس مدرسے میں کچھ ہندستانی منشی بھی کام کرتے تھے، لیکن ان منشیوں کی حیثیت اور ان کی تنخواہ وغیرہ کی تفصیلات معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ گمان غالب ہے کہ ان کا کام صرف یہ رہا ہوگا کہ طالب علموں کی رہنمائی اور خود گل کرسٹ کی مشکل کشائی کریں، جس کی وقتاً فوقتاً اس کو یقیناً ضرورت ہوتی رہی ہوگی۔

مدرسہ کے نصاب کی کوئی واضح تصویر ہم کو نہیں ملتی۔ خیال ہے کہ گل کرسٹ کی کتاب "مشرقی زباں داں" پڑھائی جاتی تھی۔ کیوں کہ 'جرنل' میں جا بجا اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک تاریخ کے اندراج سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ "فوجی آئین کی دفعات کی پڑھائی ختم ہوگئی۔۔۔۔ اب ہم قصوں اور مکالموں کا باب شروع کریں گے"[۱۳] یہ عنوانات مشرقی زبان داں ہی میں پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آگے چل کر گل کرسٹ نے "ہندستانی زبان کے قواعد" کو بھی نصاب میں داخل کر لیا ہو۔

جماعتوں کا اضافہ

تقریباً ڈیڑھ مہینے تک گل کرسٹ نے اپنے طالب علموں کو جماعتوں میں تقسیم

نہیں کیا، اور ابتدا میں ایسا کیا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن جلد ہی اس ضرورت کو اس نے محسوس کیا، اور طالب علموں کو تین جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر پہلی جماعت کے بھی اس نے دو حصے کر دیئے۔ اس طرح سے چار جماعتیں ہو گئیں۔ چناں چہ ۱۴ر مارچ کی کارروائی سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ

"پہلے درجے کو میں نے دو جماعتوں میں بانٹ دینا ضروری سمجھا ہے، کیوں کہ اس جماعت کے کچھ طالب علم زیادہ قابل ہیں اور مزید ترقی کرنے کی تڑپ بھی ان کے اندر ہے۔ چناں چہ میں نے مِے کِن زی، لایڈ، شیر ر، رِی چرڈسن، اور رسل کو دوشنبہ ۱۸ر مارچ سے نو بجے صبح کو آنے کی ہدایت کی ہے تاکہ ان کو پورا ایک گھنٹہ مل سکے اور دوسروں کی کوتاہی سے اُن کا نقصان نہ ہو۔"[۴۷]

۱۸ر مارچ کی کارروائی سے جماعتوں کی تقسیم اور ان کے اوقات کی زیادہ واضح تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ

"مسٹر گل کرسٹ نے جن حضرات کو دوشنبہ سے نو بجے آنے کی ہدایت کی ہے، وہ براہ کرم اپنے ہی فائدے کے خیال سے دس منٹ قبل تشریف لایا کریں، تاکہ پڑھنے کے لئے ان کو پورا ایک گھنٹہ مل سکے، کیوں کہ پہلی جماعت کی پڑھائی ٹھیک دس بجے ختم ہو جائے گی۔ امید کی جاتی ہے کہ دس بجے سے پہلے کوئی صاحب بھی، سرکاری فرائض کی ادئیگی کے لئے یا مضمون سے عدم دلچسپی کی وجہ سے، درجے سے اٹھیں گے نہیں۔

"دوسرے درجے کی پڑھائی ٹھیک دس بجے شروع ہو گی اور گیارہ بج کر دس منٹ تک جاری رہے گی۔ پہلے درجے کا کوئی طالب علم یا اگر چاہیں تو سارے طلبا دوسرے درجے کی پڑھائی میں صرف سامعین کی حیثیت سے شریک ہو سکتے ہیں، بشرطے کہ پورے دو گھنٹے تک جم کر بیٹھنا وہ پسند کریں۔ اسی طرح اور اسی شرط کے ساتھ دوسری

جماعت کے طلبا بھی اگر چاہیں تو نو بجنے سے دس منٹ قبل آکر [پہلی جماعت کی پڑھائی میں] شریک ہو سکتے ہیں۔

"تیسرے درجے کی پڑھائی ایک بجے اور چوتھے درجے کی دو بجے سے مندرجہ شرائط و حالات کے ساتھ شروع ہوا کرے گی۔ پہلے اور دوسرے درجے کے کسی طالب علم کو اپنے لئے کبھی کبھی مخصوص ایک گھنٹے کی پڑھائی کی ضرورت محسوس ہو تو پہلے سے مسٹر گل کرسٹ کو درخواست دے کر وہ اس کا بھی انتظام کر سکتے ہیں۔"[۱۵]

مندرجہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گل کرسٹ پانچ چھ گھنٹے روزانہ اپنے طالب علموں پر صرف کرتا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے دن کے تیاری پر بھی اس کا اچھا خاصا وقت صرف ہوتا رہا ہوگا۔

اسی تاریخ کے اندراجات سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ بھی ہوتا ہے کہ حکمران جماعت کا ایک ایسا طبقہ بھی تھا "جو مشرقی زبانوں کی تعلیم کی افادیت کا عموماً اور ہندستانی زبان کی تعلیم کی افادیت کا خصوصاً" منکر تھا، اور "دو سرگرمی سے اس کی مخالفت" کیا کرتا تھا۔ چناں چہ گل کرسٹ نے اپنے طالب علموں کو "ان کے حقیقی مفاد کے پیش نظر" ایسے حضرات کی ہمت شکنی کارروائیوں سے متنبہ کیا تھا۔[۱۶]

گل کرسٹ کی تنخواہ

اورینٹل سیمنری کے قیام کے سلسلے میں گورنر جنرل نے جو یادداشت لکھی تھی اور جو اس باب کے شروع میں نقل کی گئی ہے، اس کے مطابق گل کرسٹ "اس کے سوا اور کسی معاوضے کے خواہش مند نہیں" تھے کہ نو وارد رائٹروں کو منشی رکھنے کے لئے تیس روپے ماہوار کا جو بھتہ دیا جاتا ہے" وہ پہلے بارہ مہینوں تک براہ راست مسٹر گل کرسٹ کو ادا کیا جائے اور اس کے معاوضے میں وہ روزانہ، اتوار کے علاوہ، ان رائٹروں کو ہندستانی زبان کا درس دیں گے، جن کے بھتے ان کی طرف منتقل کئے جائیں گے۔"

اس کے بعد تقریباً ایک سال تک ہم کو اس کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ اس مدمیں گل کرسٹ نے کوئی رقم بھی وصول کی یا نہیں۔ یکایک گل کرسٹ کی ایک تحریر ہم کو ملتی ہے، جو اس نے ۲۶ دسمبر ۱۷۹۹ء کو چیف سکریٹری کے نام لکھی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صورت حال میں کچھ تبدیلی ہوئی تھی، جس کا ہم کو کچھ سراغ نہیں ملتا۔ گل کرسٹ نے اس چھٹی میں لکھی تھا کہ :

"مہربانی فرما کر میری یہ گذارش گورنر جنرل با جلاس کونسل کے سامنے آپ پیش فرما دیں کہ اورنٹیل سمے نری کے سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے میری تنخواہ کی وصول یابی کے طریقے کا ہز لارڈ شپ جب تک تعین نہ فرمائیں اس وقت تک کے لئے مجھے بارہ ہزار روپے بطور پیشگی مرحمت فرمائے جائیں"۔[۱۷]

ساتھ ہی گل کرسٹ نے نو وارد دوائی ٹروں کے سلسلے میں یہ سفارش بھی کی کہ "ان کا بھتہ جو یہاں کی حاضری کی وجہ سے روک دیا گیا تھا" وہ ان کو ادا کر دیا جائے، کیوں کہ ان سب نے میری ہی سفارش پر منشی نوکر رکھے" تھے۔

گل کرسٹ کے اس خط پر گورنر جنرل کی کونسل نے حسب ذیل تجویز منظور کی:۔

"مسٹر گل کرسٹ نے چوں کہ اُس بھتے کی رقم کا کوئی حصہ اب تک وصول نہیں کیا ہے جس کی ادائیگی کے لئے (ان نو وارد رائی ٹروں کے حساب میں، جن کو ان سے ہندستانی و فارسی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی تھی) ۱۲ دسمبر ۹۸، ۱۷ء کو احکام جاری کئے گئے تھے، اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ مسٹر گل کرسٹ کو بارہ ہزار روپے ان کے حساب میں ادا کر دئے جائیں"۔[۱۸]

گورنر جنرل کی کونسل کے اس فیصلے کا ایک دل چسپ پہلو یہ ہے کہ گل کرسٹ کے دعوی کا اس میں سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں میں اس سلسلے کی کوئی اور دستاویز ہم کو نہیں ملتی جس سے معلوم ہو سکے کہ معاملے کا فیصلہ کیوں کر ہوا، لیکن جہاں تک طالب علموں

کے منشی الاونس، کا تعلق ہے، وہ امتحان کے بعد ان کو ادا کر دیا گیا تھا۔[۱۹]

مدرسے میں پہلا اور آخری امتحان

گورنر جنرل کی کونسل کے جلسہ منعقدہ ۹ جنوری ۱۸۰۰ء میں ہم حسب ذیل تجویز ملتی ہے:

"گورنر جنرل بورڈ کو مطلع کرتے ہیں کہ کمپنی کے جن جونیر سول ملازموں کو کونسل کی تجویز مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۷۹۸ء کے مطابق، گل کرسٹ سے فارسی و ہندستانی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی تھی، ان لوگوں نے ہندستانی زبان کے حصول میں جو کامیابی حاصل کی ہے اس کے امتحان کے لئے یکم جون (۱۸۰۰ء) کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ ان کا [گورنر جنرل کا] ارادہ ہے کہ ہندستانی زبان کے حصول میں جن حضرات کی کامیابی ان کے نزدیک قابل ستایش ہو، ان کو اعزازی انعامات دئے جائیں۔

"حکم ہوا کہ رائٹ آنرایبل گورنر جنرل باجلاس کونسل کے اس ارادے سے گل کرسٹ کو مطلع کیا جائے اور ان کو ہدایت کی جائے کہ ان سب حضرات کو وہ اس فیصلے سے باخبر کر دیں جن کو ان سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔"[۲۰]

گل کرسٹ کے طالب علموں کا امتحان لینے کے لئے گورنر جنرل نے ایک کمیٹی مقرر کی جو حسب ذیل پانچ ممبروں پر مشتمل تھی:[۲۱]

ولیم کرک پیٹرک (William Kirkpatrick)

ان، بی، ایڈمان سٹن (N. B. Edmonstone)

ڈبلو، سی، بلے کویر (W.C. Blaquire)

جے، اچ، ہےرنگٹن (J.H. Harington)

جی، اچ، بارلو (G.H. Barlow)

۱۷ر جولائی ۱۸۰۰ء کے کلکتہ گزٹ کے ایک سرکاری اشتہار سے ہماری معلومات میں یہ اہم اضافہ ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کو اس کمیٹی کا سکریٹری مقرر کیا گیا تھا۔[۲۲]

اس کمیٹی نے ۱۸ر جولائی سے ۲۵ر جولائی تک اورنیٹل سمینری کے طالب علموں کا امتحان لینے کے بعد ایک طویل رپورٹ مرتب کی جس میں گل کرسٹ کی کارکردگی کا اور اس کے شاگردوں کی نمایاں ترقی کا واضح الفاظ میں اعتراف کیا گیا تھا۔ کمیٹی کے ممبروں نے متفقہ طور سے گل کرسٹ کے متعلق لکھا تھا کہ

"اس رپورٹ کے آخر میں گل کرسٹ کی لیاقت وقابلیت کا اعتراف کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ہندستانی زبان کے قواعد ولغت کی تدوین میں کئی برسوں تک وہ مصروف رہے ہیں۔ اور چوں کہ یہ سارے ہندستان میں عام بول چال کی زبان ہے، اس لئے ان کی کتاب سے بے حساب مفید نتائج برآمد ہوں گے۔ اس زبان کی مشکل ساخت اور اس کے قواعد کے عدم وجود کی وجہ سے اب تک اہل یورپ اس کو بے حد ناقص انداز سے بولتے رہے ہیں۔ مسٹر گل کرسٹ کی قابلیت اور ان کی اس ادبی کاوش نے صحت کے ساتھ ہندستانی زبان کا حصول آسان بنا دیا ہے۔

"کمپنی کے جونیر سول ملازموں کو ہندستانی زبان کی تعلیم دینے کے لئے جس وقت سے جناب عالی نے گل کرسٹ کو مقرر کیا ہے، جس کو اب اٹھارہ مہینے ہوتے ہیں، انھوں نے صرف کرسمس کے دوران میں پندرہ دن کی تعطیل کی ہے، اور باقی اس تمام عرصے میں انتھک محنت وجاں فشانی کے ساتھ اس فرض کی انجام دہی میں وہ لگے رہے ہیں، جو آپ نے ان کو تفویض کیا تھا۔ مسٹر گل کرسٹ کے موجودہ عہدے کی مختصر مدت میں ان کی تعلیم سے مستفید ہونے والے حضرات نے، ہندستانی زبان کے حصول میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے، وہ گل کرسٹ کی ہندستانی زبان سے واقفیت کا اور ان کے پرجوش تعلیمی شغف کا بیّن ثبوت ہے۔ نیز اس کا

بھی اسی سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُس کالج میں، جس کی حال ہی میں حضور نے داغ بیل ڈالی ہے، مختلف علوم کی باضابطہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد فرائض عامہ کی ادائیگی میں کتنے عظیم فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں [۲۳]

طالب علموں کو انعامات

گورنر جنرل باجلاس کونسل کی کارروائی سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اسی "رپورٹ کے پیش نظر، اشرف الاشراف گورنر جنرل باجلاس کونسل نے حسب ذیل صاحبان کو ہندستانی و فارسی زبان میں نمایاں ترقی حاصل کرنے کے صلے میں" مندرجہ ذیل انعامات عنایت فرمائے۔

ہندوستانی زبان

ایڈورڈ اسکاٹ وارنگ :۔ پہلا انعام، ایک طلائی تمغہ اور سولہ سو روپے نقد۔

چارلس لائڈ :۔ دوسرا انعام، ایک طلائی تمغہ اور پندرہ سو روپے نقد۔

تیسرا تمغہ اور تیرہ سو روپے نقد تُوئی نے کن زی کے لئے منظور کیے گئے جن کا رپورٹ مرتب ہونے کے بعد انتقال ہو چکا تھا۔

دوسری جماعت

ولیم ہنری ٹرانٹ :۔ پہلا انعام، ایک طلائی تمغہ اور چودہ سو روپے نقد۔

تھامس فارٹسک :۔ دوسرا انعام، بارہ سو روپے نقد۔

گورڈن فاربس :۔ تیسرا انعام، ایک ہزار روپے نقد۔

تیسری جماعت

جان مانک ٹن :- پہلا انعام، گیارہ سو روپے نقد۔
ولیم بٹرورتھ بیلی :- دوسرا انعام، نو سو روپے نقد۔
جیمس ہنٹر :- تیسرا انعام، سات سو روپے نقد۔

چوتھی جماعت

ولیم مارٹن :- پہلا انعام آٹھ سو روپے نقد۔
ڈیویڈ ماری سن :- دوسرا انعام چھ سو روپے نقد۔
ولیم بیام مارٹن :- تیسرا انعام پانچ سو روپے نقد۔

فارسی زبان

ایڈورڈ اسکاٹ وارنگ :- پہلا انعام، ایک طلائی تمغہ اور سولہ سو روپے نقد۔
چارلس لائیڈ :- دوسرا انعام، ایک طلائی تمغہ اور پندرہ سو روپے نقد۔

تیسرا تمغہ اور تیرہ سو روپے نقد مسٹر لوی دے کن زی کے لئے منظور کئے گئے، جن کا رپورٹ مرتب ہونے کے بعد انتقال ہو چکا تھا۔[۲۴]

مندرجہ بالا انعامات تفویض کرنے کے علاوہ "گورنر جنرل باجلاس کونسل نے یہ ہدایت بھی جاری فرمائی کہ جن صاحبان کو انعامات عنایت کیے گئے ہیں، ان کو مقررہ منشی بھتہ بھی، قاعدے کے مطابق ادا کیا جائے۔ نیز ان صاحبان کو بھی، کمیٹی نے جن کا امتحان لیا تھا، یہ بھتہ دے دیا جائے۔"[۲۵]

گل کرسٹ کی خدمات کا اعتراف

گورنر جنرل نے گل کرسٹ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ

"ہندستانی زبان کے لغت و قواعد کی جو کتاب مسٹر گل کرسٹ نے تالیف کی ہے، اس کے متعلق بھی گورنر جنرل باجلاس کونسل اس موقع پر اپنی خوشنودی کا اظہار مناسب سمجھتے ہیں۔ اس کتاب نے اُس زبان کی تحصیل میں بے حد سہولتیں پیدا کر دی ہیں، جو سارے ہندستان میں بہت زیادہ بولی جاتی ہے۔ کمپنی کے جُونیئر سول ملازمین کو، جنھیں مسٹر گل کرسٹ سے ہندستانی و فارسی سیکھنے کی ہدایت کی گئی تھی، تعلیم دینے کے فرض منصبی کو جس سرگرمی، لیاقت و تندہی سے انھوں نے پورا کیا ہے، وہ بھی گورنر جنرل باجلاس کونسل کے نزدیک قابل ستایش ہے۔"[۲۶]

اس کے ساتھ ہی گل کرسٹ کی اورنٹیل سیمنری کی ڈیڑھ سالہ مختصر زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ پھر اسی مدرسے کی بنیادوں پر ویلزلی نے وہ عظیم الشان عمارت تعمیر کی، جو ہماری ادبی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج کے نام سے مشہور ہوئی۔

چوتھا حصہ

گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج میں

کالج کا قیام

"ٹیپو سلطان کی شکست و شہادت کے چودہ مہینے بعد ـــــ "۱۰ر جولائی ۱۸۰۰ء مطابق ۴ر ساون ۱۸۵۷ سمبت اور ۱۷ر صفر ۱۲۱۵ ہجری" کو گورنر جنرل مارکوئس آف ویلزلی نے فورٹ ولیم کالج کی باضابطہ داغ بیل ڈالی! اسی تاریخ، یعنی ۱۰ر جولائی کو گورنر جنرل کی کونسل نے کالج کے آئین و ضوابط کا مسودہ منظور کر کے کالج کے وجود کو قانونی شکل دی۔ اس دستاویز کی پیشانی کی عبارت سے ہماری معلومات میں یہ اہم اضافہ ہوتا ہے کہ:۔

"ہز لارڈ شپ [ویلزلی] کے حکم خاص سے اس [دستاویز] پر ۴ر مئی ۱۸۰۰ء کی تاریخ ڈالی گئی، جو میسور کے دارالسلطنت سرنگا پٹم میں برطانوی افواج کی شاندار اور فیصلہ کن فتح کی پہلی سال گرہ کی تاریخ تھی۔"[۲]

یہ کالج جو ہماری شکست اور انگریزوں کی کامیابی کی یادگار تھا، اس کے آئین و ضوابط کے دیباچہ میں لکھا تھا کہ:

"خدائے قدوس کے فضل و کرم سے ہندستان میں برطانیہ عظمیٰ کے سیاسی و فوجی اقتدار کو جو مسلسل کامیابی و کامرانی، اور جنگوں میں جو پیہم فتح و نصرت نصیب ہوئی ہے اس کی وجہ سے، نیز [برطانیہ عظمیٰ کی] منصفانہ، دانش مندانہ اور اعتدال پسندانہ پالیسی کی بدولت ہندستان و دکن کے وسیع علاقے برطانیہ عظمیٰ کے تحت اور انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آ گئے ہیں، اور حالات کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط سلطنت قائم ہو گئی ہے، جو متعدد آباد اور زرخیز صوبوں پر مشتمل ہے جہاں مختلف قومیں آباد ہیں، جن کے مذہب، جن کی

زبان نیز جن کے عادات واطوار ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان سب پر الگ الگ مختلف آئین وضوابط، اور مختلف رسوم کے مطابق اب تک حکومت کی جاتی رہی ہے۔ برطانوی قوم کے مقدس فرض، اُن کے حقیقی مفاد، اُن کی عزت اور ان کی حکمت عملی کا اب یہ تقاضا ہے کہ ہندستان کی برطانوی سلطنت کے حدود میں عمدہ عمل داری قایم کرنے کے لئے مناسب اقدام کئے جائیں . . .؟"

مندرجہ بالا مقاصد ہی کے پیش نظر کالج قایم کیا گیا تھا۔ اس کے وسیع تعلیمی دایرۂ عمل کی تفصیلات بڑی حد تک ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اور ہماری دل چسپی کالج کے صرف ہندستانی شعبے کی سرگرمیوں تک محدود ہے، لیکن بعض حقایق کی طرف اشارہ کر دینا نامناسب نہ ہوگا جن سے آگے آنے والے حالات کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

کالج یا یونیورسٹی؟

فورٹ ولیم کالج کا منصوبہ ویلزلی کے ذہن کی پیداوار تھا، اور اپنی اس ذہنی تخلیق سے عشق کی حد تک اس کو وابستگی تھی۔ کالج کا جو وسیع ، اور شان دار خاکہ اس نے تیار کیا تھا وہ اس کی الوالعزمی کی غمازی کرتا ہے۔ کالج کے نصاب میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم کو داخل کیا گیا تھا۔

"[مشرقی] زبانیں —— عربی، فارسی، سنسکرت، ہندستانی، بنگلہ، تلنگی، مرہٹی اور تامل۔

"[قوانین] —— اسلامی فقہ، ہندو دھرم شاستر، علم الاخلاق، علم قانون، قوانین اقوام [بین الاقوامی قوانین]، قانونِ انگلستان، گورنر جنرل کی کونسل قلعہ سینٹ جارج اور بمبئی پریسیڈنسی کی حکومتوں کے نافذ کردہ قوانین۔

"[تجارتی وکاروباری] —— معاشیات، تجارتی اداروں، خصوصاً ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفاد [کی تعلیم]، جغرافیہ، اور علم الحساب۔

"یورپ کی جدید زبانیں —— یونانی، لاطینی اور انگریزی کلاسکی ادب۔

"[تاریخ]—— قدیم و جدید تاریخ [عالم]، ہندستان و دکن کی قدیم و جدید تاریخ، اور طبعی تاریخ۔

"[سائنس]—— علم نباتات، علم کیمیا اور علم نجوم۔"۴۹

مضامین کی مندرجہ بالا فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ ویلزلی کالج نہیں بلکہ یونیورسٹی قایم کرنا چاہتا تھا، جہاں کمپنی کے نو وارد انگریز سول اور فوجی ملازمین کو مشرقیات سے پوری طور پر روشناس کیا جا سکے، تاکہ وہ اپنے فرائض منصبی کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکیں۔

پروفیسروں کے تقرر

کلکتہ گزٹ کی فایل میں ۲۹ ستمبر ۱۸۰۰ء کی تاریخ کا ایک "غیر معمولی شمارہ" ہم کو ملتا ہے، جو فورٹ ولیم کالج کے مختلف شعبوں کے پروفیسروں کے تقرر کا اعلان کرنے کے لئے چھاپا گیا تھا۔ اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف شعبوں میں حسب ذیل تقرر عمل میں آئے تھے۔۵۰

پروفیسر شپ

عربی زبان اور اسلامی فقہ	جان بے لی	(John Baillie)
	ولیم کرک پیٹ رِک	(W. Kirkpatrick)
فارسی زبان و ادب	فرانسس گلیڈوِن	(Francis Gladwin)
	ایڈمانس ٹن	(N.B. Edmonstone)
ہندستانی زبان	گل کرسٹ	(Gilchrist)
ہندستان کے برطانوی مقبوضات کے لئے گورنر جنرل باجلاس کونسل کے نافذ کردہ قوانین۔	جارج بارلو	(G.H. Barlow)
یونانی، لاطینی اور انگریزی کلاسکی ادب۔	پادری بُکھانن	(Rev.Buchanan)

کلکتہ گزٹ کی اسی غیر معمولی اشاعت سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کالج کے انتظامی اُمور کو سرانجام دینے کے لئے گورنر جنرل نے ایک کونسل بھی بنائی تھی، جو حسب ذیل حضرات پر مشتمل تھی۔

پادری ڈیویڈ براؤن (D. Brown) پرووسٹ [پرنسپل]
پادری بکھانن (C. Buchanan) وایس پرووسٹ
جارج بارلو (G.H. Barlow) [ممبر]
ایڈمانسٹن (Edmonstone) ["]
کرک پیٹ رک (Kirkparick) ["]

ویلزلی اور کورٹ آف ڈائرکٹرس کا تصادم

فورٹ ولیم کالج کے قیام کی تاریخ کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ ویلزلی نے کالج قایم کرنے سے پہلے کورٹ اف ڈائرکٹرس سے نہ تو منظوری ہی لی اور نہ اُن کو اپنے منصوبے کی تفصیلات ہی سے مطلع کیا۔ ۱۰ر جولائی ۱۸۰۰ء کو کالج کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے پانچ ہفتے بعد ۱۸ اگست ۱۸۰۰ء کو ویلزلی نے ایک مختصر سے خط کے ساتھ اپنا طویل نوٹ، جو کالج کے قیام کے وقت اس نے لکھا تھا، اور کالج کے آئین وضوابط کی نقل کورٹ اُف ڈائرکٹرس کے صدر کے پاس بھیج دی۔ خط میں اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ

"اس خط کو قطعیت کے ساتھ باضابطہ سرکاری مراسلے کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ آئندہ پہلے جانے والے جہاز سے میں ایک تفصیلی مراسلہ روانہ کرنے والا ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ ممبران کورٹ کو جلد سے جلد اس کالج کی نوعیت کا اندازہ ہوجائے جو میں نے کلکتے میں قایم کیا ہے۔ ...."[6]

برطانوی ہند کی تاریخ میں ویلزلی ہی شاید پہلا گورنر جنرل تھا، جس نے افسران بالا کی اجازت کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ہندستان میں برطانوی مفاد کو تقویت پہنچانے اور اس کو دوام بخشنے کے لئے وہ کالج کے قیام کو اشد ضروری سمجھتا تھا ساتھ

ہی اس کو اس کا بھی یقین تھا کہ کثیر اخراجات کے پیش نظر، کورٹ اف ڈائرکٹرس اُس کے منصوبے کو مسترد کردیں گے، اور اُس کے بعد کالج کا قیام ناممکن ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ کالج قایم کر لینے کے بعد اگر اس نے کورٹ اف ڈائرکٹرس کو اطلاع دی تو کالج کو توڑنے کا حکم دینے سے پہلے ان کو اپنے فیصلے کے عواقب و نتایج پر غور کرنا ہوگا، اور اتنا شدید قدم اٹھانا خلاف مصلحت سمجھا جائے گا۔

بالآخر وہی ہوا جس کا ولزلی کو ڈر تھا۔ کورٹ اُف ڈائرکٹرس نے ۲۷ جنوری ۱۸۰۲ء کے مراسلے میں کالج کو فوراً توڑنے اور گل کرسٹ کے مدرسے کی تجدید کرنے کا حکم صادر کر دیا، لیکن ولزلی آسانی سے ماننے والا نہ تھا۔ یہ حکم نامہ ۱۵ جون ۱۸۰۲ء کو کلکتے پہنچا۔ اس کے ایک ہفتے بعد، ۲۴ جون ۱۸۰۲ء کو اس نے اپنی کونسل کو اس پر راضی کر لیا کہ ۳۱ دسمبر ۱۸۰۳ء تک کورٹ اُف ڈایرکٹرس کے حکم پر عمل درآمد ملتوی رکھا جائے[۸]۔

ولزلی کی غالباً یہ بھی خواہش تھی کہ جب تک کہ سارے معاملے کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے، کورٹ اُف ڈایرکٹرس کے حکم کو صیغۂ راز میں رکھا جائے، لیکن اس طرح کی خبروں کو تو پر لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ خبر بھی گورنر جنرل کی کونسل ہی تک محدود نہ رہی، اور رشدہ شدہ کالج تک پہنچی اور وہاں قدرتی طور پر کھل بلی سی مچ گئی۔ اس صورت حال کا اندازہ ہم کو ایک خط سے ہوتا ہے، جو کالج کے نائب پرووسٹ نے طلبا کے نام جاری کیا تھا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ

> "یہ افواہ، غیر متوقع طور پر گشت کر رہی ہے کہ کورٹ اُف ڈایرکٹرس نے کالج کو ختم کر دینے کے متعلق ایک مراسلہ لارڈ ولزلی کو بھیجا ہے... لیکن اس مراسلے میں کورٹ اف ڈایرکٹرس نے کالج کے منصوبے اور اس کے مقاصد کی غیر مبہم الفاظ میں تعریف کی ہے۔ ان کو صرف اخراجات پر اعتراض ہے..."[۹]

۵ راگست ۱۸۰۲ء کو ولزلی نے ایک طویل مراسلہ کورٹ اُف ڈایرکٹرس کی خدمت میں روانہ کیا، جس میں بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے منصوبے کی وکالت کی، اور کورٹ کے اعتراض کا مدلل جواب دیا[۱۰]۔ اس مراسلے میں، جو بے حد طویل تھا ولزلی نے غم و غصے کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن اسی سلسلے کے کچھ نجی خطوط ہم کو ملتے ہیں، جو کورٹ اُف ڈایرکٹرس اور برو ڈاف کنٹرول کے بعض ممبروں کو

ویلزلی نے لکھے تھے۔ ان خطوط میں اس نے آزادی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا ایک خط میں وہ لکھتا ہے کہ "کورٹ اُف ڈایرکٹرس نے مجھ پر نامناسب حملے کر کے، اپنی مدافعت کرنے کی شدید زحمت میں مجھے مبتلا کر دیا ہے"۔ اسی خط میں آگے چل کر اس نے لکھا کہ

"اس معاملے میں کورٹ کے حکم کی اگر تعمیل کی جاتی، تو اس وقت جو فتنے برپا ہوتے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کالج کو قایم رہنا ہوگا، ورنہ سلطنت ختم ہو جائے گی"[۱۱]

ایک دوسرے خط میں اس نے لکھا تھا کہ

"میرا یہ قطعی اور مصمم ارادہ ہے کہ کورٹ نے بالآخر کالج توڑنے کا اگر فیصلہ کیا، تو انگلستان لوٹتے ہی پارلیمنٹ میں یہ تجویز پیش کروں گا کہ قانون کے ذریعے سے کالج کی تجدید کی جائے"[۱۲]

ویلزلی نے اپنے یہ خیالات چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، اور مکتوب الیہ کو اس کی اجازت دی تھی کہ وہ جس طرح مناسب سمجھے، اس کے خیالات کورٹ اُف ڈایرکٹرس کے ممبروں تک پہنچا دے۔ لیکن اپنے سرکاری مراسلے میں اس نے یہ انداز اختیار نہیں کیا تھا، اپنی دلیلیں پیش کرنے کے بعد اس نے ممبران کورٹ سے پر زور درخواست کی تھی کہ کالج کو توڑنے کا اپنا سابقہ حکم وہ واپس لے لیں اور کالج کے قیام کی منظوری دے دیں۔ اس اپیل کے ساتھ ہی خاص طور کے ساتھ اس نے اپنے استعفے کا بھی ذکر کر دیا، جو وہ بہت پہلے روانہ کر چکا تھا، اور جس کے منظور کیے جانے پر اس نے اب تک زور نہیں دیا تھا۔

ویلزلی کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲ ستمبر ۱۸۰۳ء کے مراسلے میں کورٹ اف ڈایرکٹرس نے "تا حکم ثانی" کالج کے قیام کو قبول کر لیا[۱۳] لیکن ساتھ ہی کچھ پابندیاں بھی عاید کر دیں جو کالج کی ترقی کی راہ میں حایل ہو گئیں۔

فورٹ ولیم کالج کی ابتدائی تاریخ کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اب ہم کالج کے ہندستانی شعبے کی طرف واپس لوٹتے ہیں جس کا صدر گل کرسٹ تھا۔

ہندستانی شعبے کے منشی اور اُن کی تنخواہیں

کالج کونسل کی کارروائی مورخہ ۲۹ اپریل ۱۸۰۱ء سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کالج کے

ہندستانی شعبے میں حسب ذیل منشیوں کا تقرر عمل میں آیا تھا[۱۴]:۔

چیف منشی	میر بہادر علی (حسینی)	تنخواہ	۲۰۰	روپے	ماہوار
سکنڈ منشی	تارنی چرن متر	″	۱۰۰	″	″
منشی	مرتضٰی خاں	″	۴۰	″	″
″	غلام اکبر	″	۴۰	″	″
″	نصیر الله	″	۴۰	″	″
″	میرامن	″	۴۰	″	″
″	غلام اشرف	″	۴۰	″	″
″	ہلال الدین	″	۴۰	″	″
″	محمد صادق	″	۴۰	″	″
″	رحمت الله خاں	″	۴۰	″	″
″	غلام غوث	″	۴۰	″	″
″	کندن لال	″	۴۰	″	″
″	کاشی راج	″	۴۰	″	″
″	میر حیدر بخش [حیدری]	″	۴۰	″	″

چار نئے منشیوں کا تقرر

۲ ، نومبر ۱۸۰۱ء کی کارروائی سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا فہرست میں سے چار منشی یا تو مستعفی ہو گئے تھے، یا ان کو برطرف کر دیا گیا تھا، اور ان کی جگہ پر چار نئے منشی مقرر ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں کالج کونسل نے جو تجویز منظور کی وہ یہ تھی:

طے پایا کہ ہندستانی شعبے میں محمد صادق، رحمت الله خان، کاشی راج اور غلام غوث کی جگہ پر سید جعفر، محمد تقی، مبارک محی الدین اور اسد علی خاں مقرر کیے جائیں[۱۵]۔

گل کرسٹ اور کالج کونسل کا تصادم

کالج کونسل کی کارروائیوں میں گل کرسٹ کا جو پہلا خط (مورخہ ۱۲ ، جنوری ۱۸۰۲ء)

ہم کو ملتا ہے وہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ

"ایسی ہندستانی کتابوں کے عام فقدان نے، جن پر کچھ بھی بھروسہ کیا جا سکے مجھے فوری طور پر حسب ذیل کتابیں چھاپنے پر مجبور کر دیا ہے۔...... اور کلکتے کے تمام چھاپے خانوں کو میں نے اس کام پر لگا دیا ہے، کیوں کہ کم سے کم وقت میں اس کام کو انجام دینے کا یہی طریقہ میری سمجھ میں آیا۔ مجھے یقین ہے کہ کالج کونسل اس اقدام کو قطعاً ناگزیر سمجھ کر میری ہمت افزائی کرے گی۔۔۔"[۱۶]

اس سلسلے میں گل کرسٹ نے کالج کونسل کو یہ مشورہ بھی دیا کہ "برطانوی ہند کے مفاد کے پیش نظر، آئندہ سے یہ کتابیں بجائے پانچ سو کے ایک ہزار کی تعداد میں چھپوائی جائیں۔"[۱۷] اس خط کے ساتھ ہی اس نے ان کتابوں کی فہرست اور ان کی لاگت کا تفصیلی نقشہ بھی منسلک کیا تھا، جو حسبِ ذیل ہے۔

ان کتابوں کی طباعت کا تخمینہ جو یا تو چھپ چکی تھیں، یا چھپ رہی تھیں یا اسی سال چھپنے والی تھیں:

تعداد	نام کتاب	فولیو	صفحات چھوٹا چوتھائی	بڑا چوتھائی	رسم خط	تخمینہ اخراجات	کہاں چھپ رہی ہے	کتنی چھپی ہے
۵۰۰	مسکین کے مرثیے	۰	۲۳	۰	ناگری	۲۴۳	ہرکارہ پریس	پوری چھپ گئی ہے
"	بتیسی سنگھاسن	۰	۲۸۳	۰	"	۴۵۰۰	" "	۳۶ صفحات
"	شکنتلا ناٹک	۰	۰	۱۹۲	"	۳۰۰۰	کلکتہ گزٹ پریس	۲۴ "
"	اخلاق ہند[ی]	۰	۰	۲۸۸	"	۴۵۰۰	ٹے لی گراف پریس	چھپائی شروع ہوئی ہے
"	مادھونل	۰	۰	۱۹۲	"	۳۰۰۰	۰	ابھی چھپائی شروع نہیں ہوئی ہے
"	بیتال پچیسی	۰	۰	۴۳۲	"	۸۵۰۰	۰	" " "
"	چار درویش	۴۳۲	۰	۰	فارسی	۸۸۰۰	ہرکارہ پریس	۵۸ صفحات
"	[مثنوی] میر حسن	۰	۰	۳۲۰	"	۵۰۰۰	کلکتہ گزٹ پریس	۳۶ صفحات

۵۰۰	گلستان [کا اردو ترجمہ]	۰	۰	۴۳۲	فارسی	۸۵۰۰	ریمیرز پریس	شروع ہوئی ہے
"	توتا کہانی	۰	۰	۳۵۲	"	۵۵۰۰	ٹے لی گراف پریس	" "
"	گلشن	۰	۰	۱۹۲	"	۳۰۰۰	-	ابھی چھپائی شروع نہیں ہوئی
"		۱۲۰	۰	۰	انگریزی	۳۷۵۰	مارننگ پوسٹ پریس	۴۰ صفحات
"	مشقین	"	۰	۰	تینوں رسم خط میں	۱۰۰۰	-	ابھی چھپائی شروع نہیں ہوئی
						۵۹۳۹۳		

گل کرسٹ کا مندرجہ بالا خط اور منسلکہ تخمینے کو دیکھنے کے بعد سکریٹری کالج کونسل نے لکھا کہ:۔

"کالج کونسل نے مجھے ہدایت کی ہے کہ اس امر سے آپ کو مطلع کر دوں کہ عارضی وزی ٹر (Visiter)* نے ہندستانی شعبے کی تالیف و طباعت کے تخمینے کا معاینہ کرنے کے بعد جس کی مجموعی رقم ۶۳ ہزار روپے ہوتی ہے، یہ ہدایت فرمائی کہ آئندہ اُس وقت تک نہ تو کوئی کتاب قبول کی جائے، اور نہ کوئی رقم اس مد میں صرف کی جائے، جب تک کہ مسودات کالج کونسل کے سامنے پیش نہ کیے جائیں اور جن حصوں کو چھپنا ہو، اور جتنی تعداد میں چھپنا ہو، اُس کے اخراجات کے سارے تخمینے کی منظوری نہ لے لی جائے۔ عارضی وزی ٹر نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ کالج کونسل نے ۳۰ جون ۱۸۰۰ء کو جو تجویز پاس کی تھی، اور جس کے مطابق طالب علموں کو کالج کی طرف سے کتابیں فراہم نہیں کی جا سکتی تھیں، اس وقت سے لے کر اب تک جو کتابیں چھپی ہوں، ان کی فہرست اور اخراجات کی تفصیلات بھی ہندوستانی پروفیسر پیش کرے" ۱۸

گل کرسٹ نے اس جواب کے یہ معنی نکالے، اور صحیح نکالے کہ ہندستانی شعبے کے لئے اتنی بڑی رقم کالج کونسل منظور کرنا نہیں چاہتی۔ چناں چہ اس کے جواب میں اُس نے سیکریٹری کالج کونسل کو ۲۰ جنوری ۱۸۰۲ء کو یہ لکھا کہ اُس کی بعض شرطیں اگر منظور کر لی جائیں، تو تمام کتابوں کی تالیف و طباعت کے جملہ اخراجات وہ خود برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس نے لکھا کہ:۔

"چھٹی مورخہ ۱۶ ماہ رواں کے جواب میں میرے خط مورخہ ۱۲ جنوری کے منسلکہ نقشے کی طرف رجوع فرمایئے، جس میں میرے شعبے کی طباعت کی تفصیلات موجود ہیں [اس نقشے کو دیکھتے وقت] یہ بات غالباً نظر انداز ہو گئی ہے کہ جو کتابیں درج کی گئی ہیں، ان میں سے صرف پندرہ ہزار تخمینے کی کتابیں ابھی چھپی ہیں

---

* کالج کونسل کے آئین و ضوابط کے مطابق گورنر جنرل کالج کا وزی ٹر یا اقتدار اعلیٰ تھا۔ گورنر جنرل کی غیر موجودگی میں یہ فرائض بھی عارضی گورنر جنرل کی طرف منتقل ہو جاتے تھے۔

کالج کونسل کا اگر یہ خیال ہے کہ اتنی بڑی [۶۳ ہزار کی] رقم ایک سال کے لئے بہت زیادہ ہے، تو ان کی طباعت ابھی میں روک سکتا ہوں۔ اور اس سے مالکان مطابع کے ساتھ کوئی بدعہدی بھی نہ ہوگی۔

"دیسیوں میں ہندستانی ادب کی تنگ دامانی سے صاحبان کالج کونسل چوں کہ باخبر ہیں اس لیے یقین ہے کہ میری اس مخصوص ذمے داری کو وہ ضرور محسوس کریں گے، جو ایک انتہائی مفید زبان کے پروفیسر کی حیثیت سے مجھ پر عاید ہوتی ہے کہ ہر طرح کی صحیح ادبی کتابیں میں خود تیار کراؤں۔ ہندستانی [ادب] حقیقتاً ابھی طفولیت کے دور سے گزر رہا ہے، اگر اس وقت شدید کفایت شعاری اور قاعدے قانون کی پابندی برتی گئی تو وہ کبھی بھی پروان نہ چڑھ سکے گا۔ صرف چار درویش کے ساٹھ صفحات تیار کرانے میں مجھے سات آٹھ مہینے تک محنت و توجہ کرنی پڑی ہے۔ اسی سے اور کتابوں کے متعلق اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر سرکاری مباحثوں سے میری کاوشوں کی راہ رُک گئی یا پیچیدگیاں پیدا کی گئیں، تو اس طرح سے میرا کام اکثر مہینوں پچھڑ جائے گا۔ بہرکیف اپنے شعبے کو غیر معقول، بے حساب، یا غیر معمولی مصارف کی لعن طعن سے بچانے کے لیے، میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ جب تک اس شعبے کا میں پروفیسر ہوں اس وقت تک، حسب ذیل شرائط کے ساتھ، سارے اخراجات کی ذمہ داری بہ رضا و رغبت خود لے لوں۔

۱ مصنف اور ناشر کی حیثیت سے میری ہمت افزائی کے لئے حکومت ہر اس کتاب کے سو نسخے، مندرجہ قیمت پر خریدے، جو طالب علموں کے لئے میں چھاپوں۔

۲ ہر کتاب جو میں چھاپوں گا۔ اس کی نوعیت اور اس کے مضامین کالج کونسل کی خدمت میں، چھاپنے سے پہلے، منظوری کے لئے پیش کروں گا۔

۳ [سرکاری خرید کردہ] نسخے یا تو دنیا کے مختلف حصوں کے کالجوں کو مفت تقسیم کر دیے جائیں یا کالج میں محفوظ رہیں تا آں کہ بقیہ نسخے فروخت نہ ہو جائیں۔

۴ جو نسخے [کالج میں] محفوظ کیے جائیں گے، وہ میرے اختیار میں سمجھے جائیں

گے، اور ان میں سے جتنے نسخے بھی میں چاہوں گا، گورنمنٹ کی ادا کردہ قیمت واپس کر کے لے سکوں گا۔

۵ ہندستانی کلاس کی ضرورت کے مطابق ہر طالب علم مطبوعہ کتاب کا ایک ایک نسخہ مندرجہ قیمت پر خریدے گا۔

۶ طالب علموں کی ضروریات پوری کرنے کے بعد، مجھے اس کی پوری آزادی ہوگی کہ جہاں بھی اور جس کے ہاتھ بھی میں چاہوں اپنی مطبوعہ کتابیں فروخت کروں۔ نیز مصنف کے تمام حقوق، مصنف کی اصطلاح کے وسیع ترین مفہوم میں، مجھے حاصل ہوگے۔

۷ تالیف، ترجمہ اور نقل کے تمام اخراجات میرے ذمے ہوں گے، لیکن حکومت میر بہادر علی حسینی کو اپنے مصارف پر، میری ماتحتی میں ہندستانی کتابوں کا مقابلہ اور ان کی تصحیح کے کام پر بحال رکھے۔"[۱۹]

اس آخری شرط سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر بہادر علی حسینی "چیف منشی" ہونے کے ساتھ ساتھ کتابوں کی تصحیح اور مقابلے کا بھی کام کرتے تھے اور اُن کی حیثیت گل کرسٹ کے دستِ راست کی تھی، جس کے بغیر اس کا کام مشکل ہی سے چل سکتا تھا۔

مندرجہ بالا سات شرطوں کے علاوہ تین شرطیں اور بھی تھیں۔ آٹھویں دفعہ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہندستانی شعبے کے ہر طالب علم کو پہلے سال میں پچاس روپے ماہوار (per mensem) کی، دوسرے سال میں تیس روپے ماہوار کی اور تیسرے سال میں بیس روپے سے زیادہ کی کسی حال میں بھی، کتابیں خریدنی نہ پڑیں گی"۔ اس تخمینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر طالب علم کو کالج کی زندگی کے دوران میں کم از کم ایک ہزار کی کتابیں خریدنی ہوتی تھیں۔

نویں دفعہ میں اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ کالج کونسل کو گل کرسٹ کے ناشرانہ طرزِ عمل کے احتساب کا پورا پورا اختیار ہوگا۔ دسویں دفعہ میں اس نے کہا تھا کہ "جو کتابیں اس وقت چھپ رہی ہیں ان میں سے بیش تر بے حد نامساعد حالات میں [مطابع کو چھاپنے کے لیے] دی گئی ہیں اس لیے مجھے اس کا مناسب معاوضہ دیا جائے"۔[۲۰]

اس کے جواب میں کالج کونسل نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندستانی نثر کی کتابوں سے مختلف ٹکڑوں کا انتخاب کر کے ایک جلد شائع کی جائے۔ لیکن گل کرسٹ کے مجوزہ پیش کش کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے گل کرسٹ نے لکھا کہ

"ابھی ہندستانی نثر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں ہے، جو قدر و قیمت یا صحت کے اعتبار سے اس قابل ہو کہ میں اپنے شاگردوں کو پڑھنے کے لئے دے سکوں۔ کسی ایسی جگہ سے شہد نکالنا میرے بس کی بات نہیں ہے جہاں مکھیوں کا کوئی چھتہ ہی نہ ہو۔ اور یہ بات مجھے اور کونسل دونوں کو خوب معلوم ہے کہ ہندستانی شاعری سے صرف وہی اسکالر مستفید ہو سکتے ہیں جن کو زبان پر کلی عبور حاصل ہو۔ ایک دو سال کے بعد جب وہ استعداد پیدا ہو جائے گی، جس کی مجھے توقع ہے، تو ہندستانی شاعروں کی طرف بھی ہم توجہ کریں گے۔ لیکن فی الحال ان کا خیال کرنا انتہائی بے معنی بات ہوگی۔"۲۱

صاحبان کالج کونسل نے جو اپنے فیصلے پر اڑے تھے، گل کرسٹ کے استدلال سے عاجز آکر لکھا کہ زیر طبع ہندستانی کتابوں کی جو فہرست اس نے اپنے خط مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۸۰۱ء کے ساتھ منسلک کی تھی اور جس کی مزید طباعت کالج کونسل نے روک دی تھی، ان کے مطبوعہ اجزا نیز غیر مطبوعہ حصوں کا انتخاب چھاپ کر ایک جلد بنادی جائے۔ اور یہ کتاب پانچ سو صفحات سے زیادہ نہ ہو، اور دس ہزار سے زیادہ اس پر لاگت نہ آئے۔ نیز اس کی بھی وضاحت کر دی کہ کالج کونسل کے نزدیک ہندستانی شعبے کی درسی کتاب پر اس سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے اور "مسکین کا مرثیہ جو چھپ چکا ہے، اس کے اخراجات بھی اسی رقم میں شامل ہیں"۔۲۲

کالج کونسل نے مندرجہ بالا کتاب کے علاوہ گل کرسٹ کی ہندستانی "صرف و نحو کی کتاب جس کا نام ہندستانی پرنسی پلس (Hindoostanee Principles) تھا اور کچھ مشقوں کی طباعت کی بھی منظوری دی، بشرطیکہ اس پر "پانچ ہزار سے زیادہ" لاگت نہ آئے۔

کالج کونسل نے اسی خط میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ چار درویش اور گلستان یا کوئی اور دو کتابیں، جو بے حد مفید ہوں، اگر "چندے" سے چھاپی جائیں تو کالج کونسل حکومت سے سفارش کرے گی کہ ان دونوں کتابوں کے سو سو نسخے کالج کے لئے خرید لئے جائیں۔۲۳

گل کرسٹ کا مطبع یا ہندستانی پریس

گل کرسٹ نے اپنے خط مورخہ ۲۰ جنوری ۱۸۰۱ء میں ہندستانی شعبے کے لئے خود کتابیں چھاپنے کی جو تجویز کالج کونسل کے سامنے پیش کی تھی، اس کے متعلق کونسل کے کسی قطعی فیصلے کا ہم کو پتا نہیں چلتا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ گل کرسٹ نے عملاً طباعت کا کام اعلیٰ پیمانے پر شروع کر دیا تھا۔ اس کام کے لئے اس نے سب سے پہلے ایک چھاپے خانے کا انتظام کرنا ضروری سمجھا۔ چناں چہ ۳۰ جنوری ۱۸۰۱ء کو سکریٹری کالج کونسل کو اس نے لکھا کہ

> "مسٹر فرانسس گلیڈون نے ٹائپ اور طباعت کا دوسرا سامان جو کالج کونسل کو دیا ہے، غالباً اس سے بہتر سامان اس وقت دستیاب نہیں ہو سکتا۔ مستدعی ہوں کہ کالج کونسل کے سامنے آپ میری اس خواہش کا اظہار کر دیں کہ ہندستانی زبان کی جو کتابیں میں عنقریب چھاپنے والا ہوں، ان کی طباعت کے سلسلے میں، اس سامان کو اپنی تحویل میں لے کر میں اپنے شعبے کے کام میں لانا چاہتا ہوں۔ عندالطلب اس کو بہ تمام وکمال واپس کرنے کا میں وعدہ کرتا ہوں میری تحویل کے دوران میں اس میں سے کچھ اگر ضایع ہوا تو اس کو میں پورا کروں گا۔"[۲۴]

گل کرسٹ کی مندرجہ بالا تجویز کالج کونسل نے منظور کر لی اور چھاپا خانہ نیز اور سامان اس کے حوالے کر دیا گیا[۲۵] اور اسی سامان سے گل کرسٹ نے اس پریس کی داغ بیل ڈالی جو 'ہندستانی پریس' کے نام سے مشہور ہوا۔

اختر الدولہ محمد اشرف کی اختر شہنشاہی نے ہندستانی پریس کے متعلق جو غلط فہمی پیدا کی ہے،[۲۶] اس کتاب کے مقدمے میں اس پر بحث کی جا چکی ہے۔ اس سلسلے میں ایک خیال اور بھی قابل ذکر ہے، جس کو کرنل رین کنگ (Ranking) نے پیش کیا ہے جنھوں نے "فورٹ ولیم کالج کی تاریخ" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ میں شائع کیا تھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ "بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ڈاکٹر ہنٹر بھی ہندستانی پریس میں گل کے ساتھ حصے دار تھے"۔[۲۷] انھوں نے اپنے اس خیال کی

تائید میں نہ تو کوئی ثبوت ہی پیش کیا ہے، اور نہ یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ خیال ان کے دل میں کیوں کر پیدا ہوا۔

میرا خیال ہے کہ کرنل رین کنگ کو یہ غلط فہمی گل کرسٹ ہی کے ایک خط سے پیدا ہوئی جو اس نے کالج کونسل کو مستعفی ہوتے وقت لکھا تھا، اور جس میں اس نے اپنے اثاثے کی فہرست پیش کی تھی، جو وہ ہندستان میں چھوڑ رہا تھا۔ ہندستانی پریس کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا تھا کہ

کالج کے چھاپے، ٹایپ، اپنی ناتمام کتابیں اور ہندستانی پریس فی الحال ڈاکٹر ہنٹر، مسٹر میک ڈاگل (Macdougal) اور میکن ٹوش فل ٹن اینڈ کمپنی (Mackintosh Fulton) کی مشترکہ نگرانی میں چھوڑ رہا ہوں۔[۲۸]

ہندستانی پریس میں اگر ہنٹر گل کرسٹ کے شریک ہوتے تو اس جگہ گل کرسٹ اس کی وضاحت بھی ضرور کرتا لیکن اس کے برعکس اس نے نہایت واضح الفاظ میں ہندستانی پریس کو اپنی ملکیت ظاہر کیا ہے۔

باغ و بہار کا سنہ تالیف

اردو کی جو کتابیں قبولیت عام کی دولت سے مالا مال ہوئیں، ان میں میر امن دلی والے کی باغ و بہار سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے، جس نے اپنے اصلی فارسی ماخذ چہار درویش اور میر امن دونوں کے ناموں کو شہرتِ دوام بخشی۔ فورٹ ولیم کالج کی کاروائیوں کے رجسٹر کے مطابق اس کا پہلا نام "چار درویش" ہے، اور پہلی بار اس کے ۱۰۲ صفحات، اسی نام سے چھپے۔ میر امن نے اس کا تاریخی نام "باغ و بہار" رکھا، اور مکمل کتاب اس نام سے ۱۸۰۳ء میں ہندستانی پریس (کلکتہ) سے شایع ہوئی۔

"باغ و بہار" کے اعداد اور خود میر امن کے بیان کے مطابق، اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء ہے۔ اپنی دوسری تالیف "گنج خوبی" کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"سنہ ایک ہزار دو سو سترہ ہجری مطابق اٹھارہ سے دو عیسوی کے باغ و بہار کو تمام کر کے اس کو لکھنا شروع کیا۔"[۲۹]

کتاب کے تاریخی نام کی وجہ سے، نیز مولف کے مندرجہ بالا واضح بیان کے پیش نظر باغ و بہار کا سنہ تالیف ما بہ النزع ہونے کا بہ ظاہر کوئی سبب نظر نہیں آتا لیکن بعض ایسی دستاویزی شہادتیں ہم کو ملتی ہے، جن سے گمان ہوتا ہے کہ چار درویش ۱۸۰۱ء کے اواخر میں مکمل ہو چکی تھی۔

باغ و بہار کی بیشتر اشاعتوں میں میر امن کی حسب ذیل عرضی بھی ہم کو ملتی ہے۔

"نقلِ عرضی جو مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے حضور میں دی گئی

"صاحبان والا شان، نجیبوں کے قدردانوں کو خدا سلامت رکھے!

"اس بے وطن نے حکم اشتہار کا سن کر چار درویش کے قصے کو ہزار جدّ و کد سے اردوے معلّا کی زبان میں باغ و بہار بنایا فضل الٰہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث سرسبز ہوا۔ اب امیدوار ہوں کہ اس کا پھل مجھے ملے، تو میرا غنچۂ دل مانند گل کے کھلے۔ بقول حکیم فردوسی کے کہ شاہ نامے میں کہتا ہے۔

بسے رنج بردم دریں سال سی ۔۔۔ عجم زندہ کردم بہ ایں پارسی

سو اُردو کی آراستہ کر زبان ۔۔۔ کیا میں نے بنگالا ہندوستان

"خاوند آپ قدردان ہیں حاجت عرض کرنے کی نہیں۔ الٰہی تارا اقبال کا چمکتا رہے"

اس کو پڑھنے کے بعد گمان ہوتا ہے کہ یہ عرضی ملازمت کی درخواست تھی، جس کے ساتھ ہی میر امن نے یہ کتاب اپنی لیاقت و اہلیت کی سند کے طور پر پیش کی تھی۔ میر امن کا تقرر، کالج کونسل کی کارروائی کے رجسٹر کے مطابق ۱۹ر اپریل ۱۸۰۱ء کو عمل میں آیا۔ اس لحاظ سے "چار درویش" اپریل ۱۸۰۱ء سے پہلے مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن اس عرضی کی ایک تاویل بھی ہو سکتی ہے جو یہ ہے کہ یہ ملازمت کی عرضی نہیں تھی، بلکہ انعام کے لئے دی گئی تھی۔ اور اس کا سلسلہ یہ تھا کہ کالج کونسل نے ۲ر نومبر ۱۸۰۱ء کو ایک تجویز منظور کی تھی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ

دیسی زبانوں میں ادبی کتابوں کی تصنیف و تالیف کی ہمت افزائی کے خیال سے متبحر دیسی لوگوں کو انعامات دیے جایئں گے"۳

میر امن کی عرضی پر تاریخ درج نہیں ہے، لیکن یہ قصہ ۱۸۰۲ء ہی کا ہے، کیوں کہ کالج کونسل نے ۳۱ر اگست ۱۸۰۲ء کو یہ فیصلہ کیا کہ

فاضل دیسی میر امن، جو کالج سے وابستہ ہیں ان کو چہار درویش کے ہندستانی ترجمے کے لیے، جسے ہندستانی پروفیسر نے آج ہی پیش کیا ہے، پانچ سو روپے بہ طور انعام دیے جائیں۔"[۳۱]

یہ اقتباس بھی میر امن کے اس بیان کی تائید کرتا ہے کہ باغ و بہار ۱۸۰۲ء میں تمام ہوئی لیکن اس معاملے میں ہمارے سامنے سب سے زیادہ اہم اور واضح بیان گل کرسٹ کا ہے، جس کے مطابق ۱۲ / جنوری ۱۸۰۲ء کو چار درویش ہرکارہ پریس میں، فارسی رسم خط میں چھپ رہی تھی، اور اس تاریخ تک اُس کے ۵۸ صفحات چھپ چکے تھے[۳۲] اس کے معنی یہ ہیں کہ ۱۸۰۱ء کے اواخر میں کتاب مکمل ہو چکی تھی، اور چھاپے خانے کے سپرد کی جا چکی تھی۔ آگے چل کر بعض وجوہ کی بنا پر جن کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، اور کتابوں کے ساتھ چار درویش کی اشاعت بھی روک دی گئی، اور یہ طے پایا کہ زیرِ طبع کتابوں کے جتنے اجزا چھپ چکے ہیں، اُن کو یک جا کر کے انتخاب کی شکل دے دی جائے۔ چناں چہ یہ انتخابی مجموعہ ہندی مینول (Hindee Manual) کے نام سے ۱۸۰۲ء میں شائع ہوا۔ اس میں چار درویش کے ۱۰۲ صفحات بھی شامل تھے۔

انڈیا آفس کے مخطوطات کی فہرست بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ چار درویش ۱۸۰۱ء میں تالیف ہو چکی تھی۔ اس فہرست کے مطابق یہ کتاب

"۱۲۱۵ہجری مطابق ۱۸۰۱ء میں مکمل ہوئی اور اصل کتاب کے نام پر اس کا نام بھی چار درویش رکھا گیا لیکن باغ و بہار کے نام سے مشہور ہوئی جو اس کا تاریخی نام ہے۔ پہلے پہل ۱۸۰۳ء میں کلکتے سے شائع ہوئی۔ لیکن اس سے ایک سال قبل اس کا کچھ حصہ گل کرسٹ کے ہندی مینول میں شایع ہو چکا تھا۔"[۳۳]

اس سلسلے میں ایک اور امکان کا اظہار کر دینا ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ جنوری ۱۸۰۲ء میں اور کتابوں کے ساتھ ساتھ چار درویش کی طباعت بھی جب ملتوی کی گئی، تو اس وقت میر امن نے چار درویش کے مسودے پر نظرِ ثانی کر کے اس کو "باغ و بہار" بنایا ہو، اور اسی مناسبت سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۷ہجری مطابق ۱۸۰۲ء قرار دیا ہو۔

منشیوں کی قسمیں اور ان کے فرائض

گل کرسٹ کے چہار سالہ عہد میں کم از کم بیالیس ہندستانی مصنفین، مترجمین اور منشی مختلف اوقات میں کالج کے ہندستانی شعبے سے وابستہ رہے۔ ان سب کو "ماتحت منشی" کہا جاتا تھا۔ کالج کونسل کی کارروائیوں کی پہلی جلد کے ابتدائی اوراق منشیوں کے فرائض پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ۴؍ مئی ۱۸۰۱ء کو کالج کونسل کے جلسے میں۔

"طے پایا کہ فارسی و ہندستانی زبانوں کے چیف اور سکنڈ منشی، بنگالی و سنسکرت زبانوں کے چیف و سکنڈ پنڈت، اور عربی شعبے کے چیف اور سکنڈ مولوی اتوار کے علاوہ باقی اور تمام دنوں میں، خواہ تعطیل کا زمانہ ہو یا تعلیم کا، پبلک لکچر روم میں روزانہ تین گھنٹے کے لئے —— یعنی دس سے ایک بجے تک، حاضر رہا کریں گے تاکہ اُن اوقات میں طالب علموں کو اپنی پڑھائی کے سلسلے میں اُن سے استفادہ کرنے کے مواقع حاصل رہیں۔ کام کے مقررہ اوقات میں عدم حاضری کی اجازت دینے کا اختیار صرف پرووسٹ کو حاصل ہے۔"[۳۴]

ہر شعبے کے ماتحت منشی اپنے اپنے شعبے کے چیف منشی کے ماتحت ہوتے تھے، چناں چہ اس سلسلے میں کالج کونسل نے مندرجہ بالا تجویز کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے کیا کہ

"ہر جماعت کے چیف اور سکنڈ منشی اپنے ماتحت منشیوں کی خوش اطواری اور ان کی کارکردگی کے ذمے دار ہوں گے۔"[۳۵]

ابتدا میں ہندستانی شعبے کے عملے کی تعداد تیرہ چودہ سے زیادہ نہ تھی، لیکن آگے چل کر یہ گنتی پچیس تک پہنچ گئی۔ یہ لوگ طالب علموں کی تعلیمی رہنمائی کرنے کے علاوہ تصنیف، تالیف، مبیّضہ اور تصحیح وغیرہ کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ ان کی تنخواہ بالعموم چالیس روپے ماہوار ہوتی تھی۔ بعض حالتوں میں اس سے کچھ زیادہ بھی دیا جاتا تھا۔ ان ماتحت منشیوں کو تقرر سے پہلے باضابطہ امتحان بھی دینا ہوتا تھا۔

منشیوں کی ایک قسم اور بھی تھی۔ اُن کو سندی منشی (سرٹیفکیٹ منشی) کہا جاتا تھا۔

ان کی صحیح حیثیت کا ہم کو واضح طور پر پتا نہیں چلتا لیکن یہ یقینی امر ہے کہ تنخواہ اور مرتبے کے لحاظ سے یہ لوگ "ماتحت منشیوں" سے کم تر درجے کے تھے۔ ان کی تنخواہ تیس روپے ماہوار تھی ان کو باضابطہ امتحان پاس کرنا ہوتا تھا۔ جو کامیاب ہوتے تھے، ان کو سند دی جاتی تھی، اور غالباً اسی اعتبار سے ان کو سندی منشی کہا جاتا تھا۔ کالج کونسل کی کارروائی مورخہ ۲ مئی ۱۸۰۱ء سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ

"طے پایا کہ جو منشی کالج کے ملازم نہیں ہیں، لیکن تعلیم دینے کی اہلیت رکھتے ہیں، ان کو سندیں دی جائیں، تاکہ ان طالب علموں کی وہ ملازمت کر سکیں جو اُن منشیوں کے علاوہ جو ان کو کالج سے ملتے ہیں، اور منشی بھی رکھنا چاہیں۔"[۳۶]

اس تجویز سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اِن سندی منشیوں کی تنخواہ کی ذمے داری کالج کونسل پر عاید نہیں ہوتی تھی، بلکہ ان کی تنخواہ کا بار طالب علم کو اٹھانا ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ شروع میں یہی طریقہ رہا ہو، لیکن آگے چل کر یہ سندی منشی بھی کالج کے تنخواہ دار ملازم ہو گئے تھے جن کو تیس روپے ماہوار ملتے تھے۔

منشیوں کے تقرر کا طریقہ

گل کرسٹ کے ایک خط مورخہ ۵ دسمبر ۱۸۰۱ء سے ہندستانی شعبے کے منشیوں کے انتخاب اور تقرر کے طریقوں پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس خط میں گل کرسٹ نے کالج کونسل کو لکھا تھا کہ

"اس خط کے ساتھ منشیوں کی فہرست کا جو نقشہ منسلک ہے، اس کو دیکھنے کے بعد ممبران کالج کونسل یا ریورنڈ پرووسٹ کو کم از کم میرے شعبے کے منشیوں کا پورا پورا حال معلوم ہو جائے گا۔ وقتاً فوقتاً میں اسی طرح کی رپورٹ پیش کرتا رہوں گا تاکہ آئندہ کبھی کالج کونسل کو اس باب میں استفسار کرنے کی زحمت نہ ہو، کیوں کہ اس طرح جانبین کا وقت بلاوجہ ضائع ہوتا ہے۔

"اس نقشے میں 'رائے' کا خانہ ملاحظہ فرمانے کے بعد کونسل کو معلوم ہوگا کہ برخاست شدہ منشیوں میں سے صرف غلام اشرف کو بحال کرنے کی میں نے کیوں سفارش کی ہے، نیز یہ کہ باقی برخاست شدہ منشیوں کو سرٹی فکیٹ منشیوں کے زمرے میں اب تک کیوں رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں عنقریب پھر منشیوں کا امتحان

لینے والا ہوں اور ممکن ہے کہ ان [برخاست شدہ منشیوں] میں سے کچھ لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو کر ہندستانی اسکالر ہونے کے اپنے سابقہ وقار کو بحال کرلیں ۔[۳۷]"

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منشیوں کے تقرر کے لئے مقابلے کا امتحان ہوتا تھا۔ جو منشی اس امتحان میں کامیاب ہوتے تھے، ان کو حسب ضرورت رکھ لیا جاتا تھا۔ کالج کونسل کی کارروائیوں سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو باضابطہ ملازم نہیں رکھا جاتا تھا۔ ان کو "سرٹی فکٹ منشی" کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ طالب علموں کو کالج کے باہر تعلیم دیتے، اور کالج میں بھی جب ضرورت ہوتی تو ان سے اجرت پر کام لیا جاتا۔

ہندستانی زبان کے منشیوں کی کم یابی

کالج کے اس ابتدائی دور میں ہندوستانی زبان کے ایسے "منشی" کم از کم کلکتے میں یقیناً کم یاب تھے، جو کالج کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اس کا بھی گل کرسٹ کے اس خط سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے۔ اُس نے لکھا تھا کہ

"ہندستانی یا بنگلہ کی نحوی واقفیت رکھنے والے دیسی منشیوں کا دستیاب ہونا کچھ عرصے تک مشکل ہوگا، اور یہ [ان کا حصول] صرف فیاضانہ سرپرستی ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اس کے اسباب کی تفصیل میں جانا بے سود ہے۔ میں اپنے شعبے کے منشیوں کے لئے کسی ایسی مراعت کا طالب نہیں ہوں، جو اور شعبوں کے منشیوں کو حاصل نہیں ہیں۔ کالج کونسل سے میں صرف اتنی درخواست کروں گا کہ ہندستانی شعبے میں چالیس روپے ماہوار پانے والے منشیوں کی تعداد بارہ سے بڑھا کر بیس کر دی جائے ۔ . . . . اس وقت ہندستانی شعبے میں ساٹھ طالب علم ہیں اور یہ تعداد فارسی شعبے کے طالب علموں سے بہت زیادہ ہے ۔[۳۸]"

۴ جنوری ۱۸۰۲ء کو گل کرسٹ نے اپنے مندرجہ بالا مطالبات کا اعادہ کرتے ہوئے

یہ اضافہ بھی کیا کہ

"فارسی اور ہندستانی شعبوں کے طالب علموں کی اعانت کے لئے، جس طرح ایک خوش نویس مقرر کیا گیا ہے، جو سو روپے ماہوار پاتا ہے، اسی طرح ناگری رسم خط کے ایک خوش نویس کا تقرر منظور کیا جائے، تاکہ جوں ہی کوئی معقول آدمی ملے میں رکھ سکوں۔ اس وقت ناگری نویس کو بیس روپے مہینہ دیا جاتا ہے، اس اعتبار سے اُس [ناگری خوش نویس] کے لئے پچاس روپے ماہوار بہت زیادہ نہ ہوں گے۔"[۳۹]

قصّہ خواں کا تقرر

گل کرسٹ کے فکر کی رسائی اور اس کے ذہن کی پرواز کا یہ بھی ایک دل چسپ ثبوت ہے کہ اپنے طالب علموں میں اس اجنبی زبان کا شغف اور اس کی استعداد پیدا کرنے کا اُس نے ایک ذریعہ یہ بھی سوچا کہ اس زبان کے قصے طالب علموں کو سنوائے جائیں۔ چناں چہ ایک "قصّہ خواں" کے تقرر کی تجویز پیش کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ

"اپنے طویل تجربے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قصہ خواں سے بھی طالب علم بہت فایدہ اٹھا سکتے ہیں جو گھروں پر جا کر ان کو قصے سنائے۔ اس لئے مستدعی ہوں کہ میرے شعبے کے لئے چالیس روپے ماہوار کے ایک قصہ خواں کا تقرر منظور کیا جائے۔ نیز اس کی بھی مجھے اجازت دی جائے کہ جب تک کوئی ایسا آدمی نہ مل سکے جو اس تنخواہ کا اہل ہو اس وقت تک کم تر درجے کے دو قصہ خوان بیس بیس روپے ماہوار پر رکھ لوں۔"[۴۰]

برج بھاشا منشی کا تقرر

اسی خط میں گل کرسٹ نے ہندستانی اور برج بھاشا کے قریبی تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک برج بھاشا منشی کے تقرر کا بھی مطالبہ کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ

"ہندستانی زبان، اپنی بنیاد کے اعتبار سے برج بھاشا سے قریبی تعلق رکھتی ہے اور اس زبان کے متعلق ان منشیوں کا علم حد درجہ ناقص ہے۔ چناں چہ اکثر جب مجھے ضرورت ہوتی ہے تو برج بھاشا کے معاملے میں ان منشیوں سے مجھ کوئی مدد نہیں ملتی۔"۴۱

چناں چہ گل کرسٹ نے کالج کونسل سے درخواست کی تھی کہ اس کی مشکل کو آسان کرنے کے لئے پچاس روپے ماہوار کا ایک "بھاکھا منشی" مقرر کرنے کی اجازت دی جائے۔

ہندستانی شعبے کے عملے کی جدید تفصیل

۷ر جون ۱۸۰۲ء کو کالج کونسل نے ہندستانی شعبے کے عملے کی حسب ذیل جدید تفصیل منظور کی

مترجم	میر شیر علی	۲۰۰	[روپے ماہوار]
	کاظم علی جوآن	۸۰۰	"
	مظہر علی خاں	۸۰۰	"
چیف منشی	میر بہادر علی	۲۰۰	"
سکنڈ منشی	تارنی چرن	۱۰۰	"
۲۰ ماتحت منشی	بہ حساب ۴۰ روپے ماہوار فی منشی	۸۰۰	"
۲۰ سندی منشی	" ۳۰ " " " "	۶۰۰	"
	سری [للو] لال کب بھاکا منشی	۵۰	"
	قصہ خواں	۴۰	"
	محمد [مہانند؟] ناگری نویس	۵۰	"۴۲
	کل جمع	۲۲۰۰	

جوآن اور ولا کا تقرر

مندرجہ بالا فہرست کے زمرۂ مترجمین میں کاظم علی جوآن اور مظہر علی خاں ولا کے نام بھی ہم کو ملتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اُن کے نام اس فہرست میں شامل نہیں تھے، جو اس باب کے ابتدائی

حصے میں نقل کی گئی ہے۔ اگرچہ نومبر ۱۸۰۰ء میں ان دونوں کا تقرر ہو چکا تھا۔ "شکنتلا ناٹک" میں کاظم علی جوان نے اپنے تقرر کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

"کرنل اسکاٹ (Scott) صاحب، جو لکھنؤ کے بڑے صاحب [رزیڈنٹ] ہیں، انھوں نے حسب الطلب گورنر جنرل بہادر دام ملکہ کے کتنے شاعروں کو سرکاری عالی [کمپنی بہادر] کے ملازموں میں سرفراز فرما کر اشرف البلاد کلکتے کو روانہ کیا۔ انھوں میں احقر بھی یہاں وارد ہوا، اور موافق حکم حضور خدمت میں مدرس ہندی کے، جو صاحب والا مناقب جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام ظلہ ہیں، شرف اندوز ہوا۔"[43]

ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری کارروائیوں میں بھی دو ایسی دستاویزیں ہم کو ملتی ہیں، جن سے ولا کے مندرجہ بالا بیان کی تائید ہوتی ہے۔ یہ کرنل اسکاٹ کے ایک ہی خط کے دو اقتباسات ہیں، جن کا مظہر علی خاں ولا اور کاظم علی جوان کے تقرر سے براہ راست تعلق ہے۔ یہ خط چیف سیکرٹری کے نام تھا، اور اس میں لکھا گیا تھا کہ

"یہ خط مرزا کاظم علی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے، جو منشی اور شاعر ہیں۔ ان کو ۸۰ روپیہ ماہانہ پر کالج کے لئے ۱۰ر تاریخ ماہ حال [نومبر ۱۸۰۰ء] سے میں نے بھرتی کیا ہے۔ ۲۹۳ روپے ان کو بطور پیشگی دئے گئے ہیں، جس سے ان کی فروری [۱۸۰۱ء] تک کی تنخواہ ادا ہو جاتی ہے۔ یہ دہلی کے رہنے والے ہیں۔"[44]

دوسرا اقتباس ولا سے متعلق اور لفظ بہ لفظ مندرجہ بالا عبارت کے مطابق ہے صرف مرزا کاظم علی کی جگہ مظہر علی خاں ولا کا نام درج ہے۔ اور ان کو ۲۱۳ روپے پیشگی دیے گئے تھے، جس کے حساب سے ان کی تنخواہ جنوری ۱۸۰۱ء تک ادا ہو گئی تھی۔[45] یہ دونوں صاحبان جنوری ۱۸۰۱ء میں کلکتہ پہنچ کر اپنی تقرری کے مندرجہ بالا پروانے پیش کر چکے تھے۔

کرنل اسکاٹ کے ذکر سے ہمارا ذہن مرزا علی لطف کے اس بیان کی طرف منتقل ہوتا ہے جس کا جوان اور ولا کے تقرر سے براہ راست تعلق تھا۔

"جن ایام میں کہ درخواست صاحبان عالی شان کی زبان دانان ریختہ کے مقدمہ

میں کلکتہ سے لکھنؤ گئی تو پہلے کرنیل اسکاٹ صاحب کے روبرو پیشی پیر [تقی میر]
کی ہوئی، لیکن علتِ پیری سے یہ بیچارے مجہول کے محمول ہوئے، اور نوجوان،
نومشق [کاظم علی جوان اور مظہر علی خاں ولاؔ] مربی گرمی سے قوت بدنی کے
مقبول ہوئے۔ زمانہ خوش طبعوں سے نہیں خالی۔ اکثر اہلِ لکھنؤ پکارتے تھے
کہ کلکتے میں شاعری کی جا حمالی ہے۔ کس واسطے کہ یہ جانتے سب اہلِ تمیز
ہیں کہ آج بھی بوڑھے کے سامنے نوجوان غورے میں مویز ہیں، اب بھی جو بوجہ
تمکنت معنی کا جرثقیل طبع سے ترازو کر کے دکھاتا ہے، جوان اگر کوہ بو قبیس
ہے، تو تحمل سے اس کے کمر چراتا ہے۔[46]

اس اقتباس سے پہلی بات تو ہم کو یہ معلوم ہوتی ہے کہ میر تقی میرؔ بھی فورٹ ولیم کالج تک رسائی حاصل کرنے کے خواہش مند تھے اور غالباً انھوں نے اس سلسلے میں کوئی عرضی بھی دی ہوگی جس کی بنا پر "کرنیل اسکاٹ کے روبرو تقریب میرؔ کی ہوئی" تھی۔ لطفؔ کے انداز تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ بوڑھے، میرؔ کے مقابلے میں 'نوجوان نومشق'، جوانؔ اور ولاؔ کو ترجیح دینا لطفؔ کو پسند نہیں آیا تھا۔

ولاؔ کی برطرفی اور دوبارہ تقرر

کالج کونسل کی کارروائی مورخہ ۳۰ راگست ۱۸۰۲ء سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ:

"ہندستانی شاعر ولاؔ کی خدمات کی اب ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اس لئے طے
پایا کہ ۳۰ ستمبر (۱۸۰۲ء) سے ان کی تنخواہ بند کر دی جائے اور لکھنؤ تک ان
کی واپسی کے اخراجات ادا کر دیئے جائیں"۔[47]

۱۴ راکتوبر ۱۸۰۲ء کی کالج کونسل کی کارروائی میں ولاؔ کی ایک عرضی کا ذکر ہے، جو انھوں نے اپنی برطرفی کے فیصلے کے خلاف گذرانی تھی۔ یہ عرضی کارروائی میں نقل نہیں کی گئی ہے۔ اس پر غور کرنے کے بعد کونسل نے اپنے سابقہ فیصلے کو منسوخ کر دیا۔

"شاعر مظہر علی ولاؔ کی عرضی پڑھ کر سنائی گئی، جس میں کالج کونسل کے فیصلے پر رنج

وغم کا اظہار کیا گیا ہے۔
"طے پایا کہ ان کو بدستور بحال رکھا جائے"[۴۹]
ولا کی یہ برطرفی غالباً تخفیف کے سلسلے میں عمل میں آئی تھی۔ گمان غالب ہے کہ ولا کی عرضی پر گل کرسٹ نے ان کے بحال رکھنے کی سفارش بھی ضرور کی ہوگی۔

عبداللہ مسکینؔ فورٹ ولیم کالج کے منشی تھے؟

عبداللہ مسکینؔ کو فورٹ ولیم کالج سے اتنا تعلق بھی نہ تھا، جتنا کہ بتوں کو کعبے سے ہے۔ مسکینؔ محمد شاہی عہد کے کامیاب اور مقبول مرثیہ گو تھے۔ ہمارے بیش تذکرے اُن ذکر سے خالی ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک مرثیہ گو کو شاعر کی صف میں جگہ نہیں دی جاتی تھی۔

گریرسن (Grierson) نے غلطی سے گل کرسٹ کے ساتھ عبداللہ مسکین کو بھی Hindee Manual کا مولف لکھ دیا۔[۵۰] تاریخ ادب اردو میں رام بابو سکسینہ نے فورٹ ولیم کالج کے باب میں، اس دور کے مصنفین کا جس جگہ ذکر کیا ہے، وہاں عبداللہ مسکین کا بھی برسبیل تذکرہ نام لیا ہے۔[۵۱] مولف ارباب نثر اردو نے مسکین کا حال چار صفحوں پر پھیلایا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق "فورٹ ولیم کا بالکل غیر معروف بلکہ گم نام منشیوں میں ایک عبداللہ مسکین بھی تھے"۔[۵۲] انھوں نے یہ بھی لکھا کہ مسکینؔ کے حالات زندگی کی تلاش میں تذکروں کے علاوہ دیگر ذرائع سے رجوع کیا گیا مگر ان کے وطن، مولد و منشا، تاریخ ولادت وفات وغیرہ کا پتہ نہیں چلا۔[۵۲]

یہ شکایت بڑی حد تک صحیح ہے۔ مسکینؔ کا وطن اور مولد و منشا تو دہلی تھا، لیکن اُن کی ولادت اور وفات کی تاریخوں کا یقیناً پتہ نہیں چلتا۔ مولف ارباب نثر اردو نے اتنا اضافہ بھی کیا ہے کہ مسکین نے ——

"ڈاکٹر گل کرسٹ کے زمانہ صدارت میں فورٹ ولیم کالج کی ملازمت اختیار کی، اور ان کے انگلستان واپس چلے جانے کے ایک عرصہ بعد بھی وہیں ملازم

اور ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔"[۵۳]

ان معلومات کے ماخذ کا ہم کو کوئی پتہ نہیں چلتا۔ فورٹ ولیم کالج کی کارروائیوں سے یا گل کرسٹ کی کسی تحریر سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ آگے چل، اسی سلسلے میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"گریرسن کا بیان ہے کہ ڈاکٹر گل کرسٹ کی بیاض ہندی کی تالیف میں مسکینؔ ان کے شریک کار تھے۔"[۵۴]

اس اقتباس سے گمان ہوتا ہے مولف ارباب نثر اردو نے عبداللہ مسکینؔ کے باب میں ساری عمارت گریرسن کی غلطی پر قایم کی ہے۔ گریرسن کو یہ غلط فہمی نہ جانے کیوں کر پیدا ہوئی کہ ہندی مینول Hindee Manual گل کرسٹ اور عبداللہ مسکین کا مشترکہ کارنامہ تھا۔ اس نے یہ بات ایک جگہ نہیں بلکہ کئی جگہ دھرائی ہے۔[۵۵] گل کرسٹ کی یہ تالیف مجھے بھی نہیں مل سکی، لیکن کالج کونسل کی کارروائیوں میں ہر جگہ اس کتاب کا مولف صرف گل کرسٹ ہی کو لکھا گیا ہے۔ عبداللہ مسکینؔ کا ایک مرثیہ اس کتاب میں یقیناً شامل کیا گیا تھا، جو ۲۳ صفحات پر پھیلا تھا اور دیوناگری رسم خط میں چھپا تھا۔

گل کرسٹ نے "ہندستانی زبان کے قواعد" میں ایک جگہ "ہندستانی کے صاحب دیوان شعرا کی فہرست" بھی درج کی ہے جو سابقہ باب میں نقل کی گئی ہے۔ اس میں عبداللہ مسکینؔ کا وطن دہلی، اور ان کا زمانہ محمد شاہ کا عہد لکھا ہے۔[۵۶] اس کی تائید سالار جنگ اول کے اس بیان سے ہوتی جو انھوں نے "مرقع دہلی" میں درج کیا تھا:

مسکینؔ و حزینؔ، و غمگینؔ ہر سہ برادراند۔ ودے بزبان ریختہ مرثیہ گفتن مہارتے تمام دارند۔ در ہمہ شہر کلام اینہا شہرت دارد، و در واقع ہر سہ کس بسیار خوب مرثیہ گویند، والفاظِ الم آور و مضامین حسرت آگیں ایجاد می کنند۔ نواسنجان مرثیہ را بہ خدمت اینہا طرف رجوعے است۔ مسودۂ اشعارش بہ تلاش بہ دست می آید و در امثال واقران افتخار می کنند طرز ہائے عجیب و تلاش ہائے غریب در فکر این عزیزان بہ نظر می آید حق تعزیہ را در کلام خود ادا می کنند و خلوص و محبت طیبین وطاہرین بر ہمگناں ظاہر است۔

"صلۂ معتدبہ کہ برائے معاش وفا کند از مکان ہائے معین دارند، و فکرے غیر از منقبت بہ خاطر نمی رسانند..."[57]

مندرجہ بالا اقتباس کے آخری ٹکڑے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسکین نے مرثیہ کے علاوہ شاعری کی کسی اور صنف کی طرف سرے سے توجہ ہی نہیں کی۔

اردو کی لسانی و ادبی تاریخ پر گل کرسٹ کے جو احسانات ہیں، ان کی فہرست میں مسکین کا نام بھی شامل کرنا چاہئے۔ یہ حقیقت ہے کہ گل کرسٹ نے اگر عبداللہ مسکین کا ذکر نہ کیا ہوتا، یا ان کا مرثیہ نہ شائع کیا ہوتا، تو عبداللہ مسکین کے نام سے شاید ہم واقف بھی نہ ہوتے۔ گل کرسٹ نے اردو کے دو شاعر ـــــ مسکین اور سودا کا، خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ سودا کو تو وہ اپنا استاد مانتا ہے، اور احسان مندی کے ساتھ ان کا نام لیتا ہے۔ مسکین کے متعلق اس کا بیان ہے کہ ان کے مرثیے مبتدیوں کے لئے بے حد مفید ہیں۔

ہندستانی زبان کے قواعد کے مختلف صفحات پر مثالیں دینے کے سلسلے میں جستہ جستہ مسکین کا ایک پورا مرثیہ، جو ۱۸ بند پر مشتمل ہے، گل کرسٹ نے نقل کر دیا ہے، اور آخر میں ایک جگہ ترتیب وار ان صفحات کی فہرست درج کی ہے، جن پر جستہ جستہ اس مرثیے کے بند درج کئے گئے ہیں، اور طالب علموں کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس مرثیے کو ترتیب وار نقل کریں، کیوں کہ "مسکین کے مرثیے مبتدیوں کے لئے بے حد کار آمد ہیں۔"

کسی طالب عالم نے گل کرسٹ کی اس ہدایت پر، معلوم نہیں کہ عمل کیا بھی یا نہیں لیکن میں نے اس کو پورا نقل کیا ہے، جو "ضمیمے" میں درج کیا جا رہا ہے۔ مسکین کے مراثی کا ایک مخطوطہ سید مسعود حسن صاحب رضوی کے کتب خانے میں ہے، لیکن اس مجموعے میں یہ مرثیہ نہیں ہے۔

گلستان اور پند نامے کا ہندستانی ترجمہ

۱۲؍ جنوری ۱۸۰۳ء کو گل کرسٹ نے کالج کونسل کو اطلاع دی کہ کونسل کی تجویز مورخہ یکم

"مرقع دہلی" کے مندرجہ بالا اقتباس کے لئے میں اپنے بزرگ کرم فرما سید مسعود حسن صاحب رضوی کا ممنون ہوں۔

فروری ۱۸۰۲ء کے مطابق اس نے گلستان کا ہندستانی ترجمہ شائع کر دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ پند نامہ کا ہندستانی ترجمہ بھی منسلک ہے۔" اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ ان کتابوں کے "ترجمہ اور ان کی طباعت میں بے حد دشواریوں کا" ایسے سامنا کرنا پڑا ہے۔"[58]

کونسل کی ایک سابقہ تجویز کا حوالہ دے کر گل کرسٹ نے پانچ ہزار کی رقم کی ادائیگی کا تقاضا کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"مجھے یقین ہے کہ کالج کونسل گلستان و پند نامہ کے اتنے نسخوں کی خریداری کا حکم جاری کرے گی، جس کی مجموعی رقم پانچ ہزار روپے ہوگی، جو گلستاں اور چار درویش کے لئے منظور کی گئی تھی۔ اس کتاب کی قیمت بتیس روپے یا ایک اشرفی میں نے مقرر کی ہے۔۔۔"[59]

اسی خط سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخراجات کی کثرت اور آمدنی کی قلت کی وجہ سے چار درویش اور دوسری کتابوں کی اشاعت کا خیال گل کرسٹ نے آئندہ سال کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ اس درخواست پر غور کرنے کے بعد کالج کونسل نے گلستان و پند نامہ کے سو نسخوں کی خریداری، بتیس روپے فی نسخے کے حساب سے منظور کی۔[60]

عیار دانش کے ترجمے کے لئے مولوی حفیظ الدین کو انعام

۱۲ر مئی ۱۸۰۳ء کو گل کرسٹ نے سکریٹری کالج کونسل کو لکھا کہ

"میں انتہائی مسرت کے ساتھ ایک مفید ترین اور مشہور کتاب عیار دانش کا ہندستانی ترجمہ کالج کونسل کے ملاحظہ کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ فارسی شعبے کے مولوی حفیظ الدین نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ مترجم کی درخواست اظہار احوال کے لئے کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اتنے اچھے کام کے لئے کونسل انھیں نقد انعام ضرور دے گی۔۔۔۔۔ قابل تعریف اور فاضل مترجم کے لئے چھ سو سے ایک ہزار روپے تک کا انعام کافی ہوگا۔۔۔"[61]

اسی خط میں گل کرسٹ نے یہ بھی لکھا تھا کہ مولوی حفیظ الدین کی اگر ہمت افزائی کی گئی تو

الف لیلیٰ کا بھی ہندستانی زبان میں وہ ترجمہ کریں گے۔ اس نے اپنی یہ خواہش بھی ظاہر کی تھی کہ ہندستانی ادب کو ترقی دینے کے لئے اس زبان کے مصنفین اور مترجمین کی ہمت افزائی کے لئے نقد انعامات دیئے جائیں۔ اس خط پر غور کرنے کے بعد کالج کونسل نے مولوی حفیظ الدین کو چھ سو روپے کا انعام دینا منظور کیا۔[٦٢]

گل کرسٹ کی تنخواہ

۱۵ر جون ۱۸۰۳ء کو گل کرسٹ نے سکریٹری کالج کونسل کو ایک طویل خط لکھا جس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہندستانی و عربی شعبے کے پروفیسروں کی تنخواہوں میں فرق تھا۔ ہندستانی شعبے کے پروفیسر کو پندرہ سو اور عربی شعبے کے پروفیسر کو سولہ سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ عربی شعبے کے پروفیسر کے پاس عربی ترجمے کا سرکاری کام بھی تھا جس کے ایک ہزار روپے ماہوار ان کو الگ سے دیے جاتے تھے۔ اس طرح سے مسٹر بیلی (Baillie) پروفیسر شعبۂ عربی کو چھبیس سو روپے ماہوار ملتے تھے۔[٦٣]

اسی خط میں گل کرسٹ نے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ ہندستانی ترجمے کا سرکاری کام اس کو اسی طرح سے ملنا چاہیے، جس طرح عربی ترجمے کا کام مسٹر بیلی کو دیا گیا ہے۔ اپنے اس دعویٰ کو مزید تقویت دینے کے لئے اس نے دو خطوں کی نقلیں بھی منسلک کی تھیں، جو سکریٹری شعبۂ مال کے تھے۔ ان خطوط سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل کے اشارے پر ۱۸۰۰ء کے قانون نمبر ۹ کا اس نے اردو میں ترجمہ کیا تھا، جو پسند بھی کیا گیا تھا۔[٦٤]

گل کرسٹ کے اس طویل اور مدلّل خط کے جواب میں کالج کونسل نے حسب ذیل مختصر تجویز پاس کی:۔

> "طے پایا کہ مسٹر گل کرسٹ کو مطلع کیا جائے کہ سرکاری قوانین کے ہندستانی ترجمے کا کام کالج سے متعلق نہیں ہے۔ کالج کونسل کا خیال ہے کہ اس درخواست کو ہز اکسیلنسی وزی ٹر [گورنر جنرل] کی فہرست میں پیش کرنے کا بھی اس کو اختیار حاصل نہیں ہے"[٦٥]

ہندستانی مصنفین کو انعام دینے کے لئے گل کرسٹ کی سفارش

۱۹ اگست ۱۸۰۳ کو گل کرسٹ نے ہندستانی مصنفین اور ان کی تصنیفات کی طویل فہرست پیش کرتے ہوئے کالج کونسل سے سفارش کی کہ سابقہ تجویز کے مطابق "جو عرصہ ہوا شایع بھی کی گئی تھی" کالج کی طرف سے ہندستانی زبان کے مصنفین کو انعامات دئے جائیں۔[66] یہ فہرست ہمارے لئے اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں تقریباً وہ تمام کتابیں شامل ہیں جو اس وقت تک کالج کے ہندستانی شعبے کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ ان میں سے کچھ چھپ چکی تھیں کچھ چھپ رہی تھیں اور کچھ اس وقت تک پریس کے حوالے نہیں کی گئی تھیں۔ نیز ہم کو ان "منشیوں، شاعروں اور اہل قلم حضرات" کے نام بھی اس فہرست سے معلوم ہوتے ہیں جو کالج سے براہ راست یا بالواسطہ متعلق تھے۔

گل کرسٹ کی اس تجویز پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے سکریٹری کالج کونسل نے جواب دیا کہ کالج کونسل کا نہ تو یہ مقصد تھا کہ کالج کے تنخواہ دار ملازمین کو یہ توقع دلائی جائے کہ ہر کتاب پر ان کو انعام دیا جائے گا اور نہ کونسل کا یہی خیال تھا کہ کالج کا ملازمین یا دیگر ہندستانی مصنفین سے ان کی زیر تصنیف کتابوں کے لئے یا ان کتابوں کے لئے جو وہ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہوں، انعامات کے کے وعدے کئے جائیں لیکن اس کے ساتھ ہی کونسل نے یہ بھی تسلیم کیا کہ کالج کا تنخواہ دار ملازمین اگر کبھی کوئی ایسی کتاب تیار کریں جس کے متعلق یہ خیال ہو کہ ان کی تنخواہ اس کا معقول معاوضہ نہیں ہے، تو اس حالت میں ان کو اعزازی یا نقدی انعام دے جا سکتے ہیں۔ اور کالج سے غیر متعلق مصنفین کے متعلق یہ بات منظور کر لی کہ ۲ر نومبر ۱۸۰۱ء کی تجویز کے مطابق ان کی ہمت افزائی کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ کتاب مکمل کرنے کے بعد اس کو انعام کے لئے پیش کریں۔ آخر میں کالج کونسل نے گل کرسٹ کو اس طرف بھی توجہ دلائی کہ اس کی مجوزہ فہرست نے تقریباً ان تمام ہندستانی تصانیف کا احاطہ کر لیا ہے، جو کالج کے تنخواہ دار ملازموں کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہیں، بلکہ اس فہرست میں ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو ابھی مکمل نہیں ہوئی ہیں۔ چناں چہ کالج کونسل "اس فہرست کے متعلق کوئی تجویز پاس نہیں کرتی ہے جو ان کے سامنے پیش کی گئی ہے"۔[67]

کالج کونسل کی تحریر پڑھنے کے بعد گل کرسٹ نے اس کا ایک طویل جواب لکھا جس سے اس کے کردار کا یہ پہلو ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے کہ اپنے ماتحتوں کی ہمت افزائی اور اُن کے مفاد کے تحفظ کی وہ ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ اس نے لکھا کہ انعامات دینے کے سلسلے میں کالج کونسل نے جس تجویز کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی عبارت حسب ذیل ہے

"طے پایا کہ دیسی زبانوں میں ادبی کتابوں کی تصنیف و تالیف کی ہمت افزائی کے خیال سے متبحر دیسی لوگوں کو انعامات دئے جائیں"[۶۸]

اس تجویز کے مفہوم پر بحث کرتے ہوئے، اس نے زور دیا کہ کالج کے ملازمین کو مستثنیٰ کرنے کے بجائے یہ تجویز ان کو بھی انعام پانے والوں کے زمرے میں شامل کر لیتی ہے پھر اس نے تلخ لہجے میں لکھا کہ

"بہر حال اس [تجویز] کا مفہوم جو بھی ہو، میں نے اپنے شعبے کے پڑھے لکھے فاضل افراد سے بلا کسی استثنا کے، ہمت افزائی کے وعدے کئے تھے مجھے ان سے اب شرمندگی ہے کہ اس معاملے میں کالج کونسل کی خواہش کا میں نے غلط مفہوم سمجھا تھا"[۶۹]

"جو کتابیں تیار ہو چکی ہیں یا جو تیار ہو رہی ہیں اگر اس قابل نہ ہوتیں [کہ ان پر انعام دے جائیں] تو اس موقع پر میں ان کو پیش ہی نہ کرتا"[۶۹]

ہندستانی مصنفین جو براہ راست کالج سے وابستہ نہ تھے

اس جواب کے ساتھ ہی گل کرسٹ نے انعامات کی ایک دوسری فہرست بھی منسلک کی جو صرف ان مصنفین پر مشتمل تھی جو کالج سے وابستہ نہ تھے۔ اور طنزاً اس نے لکھا کہ

"میرے خیال میں منسلکہ فہرست تو کالج کونسل کی تجویز کے حدود سے خارج نہیں ہے۔ اس لئے توقع ہے کہ میری سابقہ درخواست کے مقابلے میں اس کو زیادہ قبولیت حاصل ہوگی"[۷۰]

ذیل میں گل کرسٹ کی پہلی فہرست خفیف سے ترمیم و اضافے کے ساتھ پیش کی جاتی ہے ترمیم صرف اس قدر کی گئی ہے کہ کتابوں کے سائز کی تفصیل، جگہ کی قلت کی وجہ سے نظرانداز کر دی گئی ہے۔ اضافہ یہ ہوا ہے کہ گل کرسٹ کی دوسری فہرست بھی اسی میں سمو دی گئی ہے۔ وہ اس طرح سے ہوا ہے کہ گل کرسٹ کی دوسری فہرست پہلی فہرست کا انتخاب ہے چناں چہ جن لوگوں

کے نام دوسری فہرست میں ہیں، ان کے ناموں کے سامنے یہ گول نشان ● بنا دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ بعض لوگوں کے ناموں کے سامنے رائے کے خانے میں گل کرسٹ نے پہلی فہرست میں کچھ نہیں لکھا تھا، لیکن دوسری فہرست میں اس کا اضافہ کیا جو قوسین میں درج کیا جا رہا ہے۔

نام کتاب	صفحات	رقم انعام	مصنف	
گلستان یا باغِ اردو	۵۰۰	۴۰۰	میر شیر علی افسوس	یہ مصنف چوں کہ کالج کا تنخواہ دار ملازم ہے، صرف اسی وجہ سے اس کے نام کے سامنے میں نے ایک ہزار کی رقم نہیں لکھی ہے۔
نقلیات لقمانی	۳۰۰	۶۰۰	تارنی چرن متر، مولوی امانت اللہ، سدل مسر پنڈت، میر بہادر علی حسینی، میر شیر علی افسوس، سری لال کب [للولال کب] اور غلام اشرف	اول الذکر تینوں مترجمین خصوصیت کے ساتھ انعام کے مستحق ہیں، کیوں کہ بنگالی، عربی اور سنسکرت سے ترجمہ کرنے کا سارا بوجھ ان ہی پر تھا، اور ان میں بھی تارنی چرن متر نے سب سے زیادہ محنت کی ہے۔
پند نامہ (نظم میں)	۳۵	۱۰۰	مظہر علی خاں [ولا]	
نقلیات جلد اول	۶۸	۲۰۰	میر بہادر علی	ہڈ منشی [بہادر علی حسینی] نے اپنے مکاں پر [فرصت کے اوقات میں] ان قصوں کو ترتیب دیا اور ترجمہ کیا۔ اس کام میں اور منشیوں سے بھی انھوں نے مدد لی ہے۔
(جلد دوم)	۱۲۸ پریس میں			
امیر حمزہ	۵۰۰	۵۰۰	خلیل خاں [خلیل علی خاں اشک]	
کائنات جو	۱۰۰	۶۰	" "	

خوانِ الوان	۱۶۰	۱۰۰	حمید الدین [بہاری]	
چندراوتی	۱۵۰	۶۰	سدل مِسر	
اخلاقِ محسنی	۶۰۰	۴۰۰	میر امن	[گنج خوبی]
کلا کام	۲۰۰	۱۰۰	کندن لال •	(باراسوت میں ہیڈ منشی ہیں۔ ان کی کتاب مجوزہ ہمّت افزائی کی مستحق ہے)
راج نیت	۳۰۰	۳۰۰	سری للو کب [سری للو لال کوی]	
گلدستہ	۳۰۰	۲۰۰	حیدر بخش [حیدری]	
حسنِ اختلاط	۱۰۰	۵۰	میر ابو القاسم •	(ایک دیسی بزرگ جو کلکتے میں مقیم ہیں۔ یہ کوئی مکمل کتاب نہیں بلکہ ایک متفرق تالیف ہے جو اُنھوں نے اس خیال سے نمونے کے طور پر تیار کی ہے کہ اگر اُن کی ہمّت افزائی کی گئی تو وہ اس طرح کی کتابیں تیار کر سکتے ہیں۔)
دل رُبا	۱۱۰	۶۰	توتا رام •	(باراسوت میں منشی ہیں)
گلِ صنوبر	۱۵۰	۷۰	باسط خاں •	(ایک قابل ہندستانی شاعر ہیں)
فیروز شاہ	۱۰۰	۵۰	محمد بخش •	(ہندستان کے باشندے ہیں۔ میر شیر علی نے اس کتاب کی تعریف کی ہے)۔

مرثیہ مسکین نثر میں	۲۰	۲۰	میر جعفر	
چھپ رہی ہیں :-				
قرآن شریف	۵۰۰	۵۰۰	میر بہادر علی، مولوی امانت الله مولوی فضل الله، اور مرزا کاظم علی [جوان]	اس انعام پر کچھ اعتراض ہو [تو میں کہوں گا کہ] دونوں مولوی کم از کم اسّی اسّی روپے ماہوار کے اور مرزا جوان بجائے اسّی کے سو روپے ماہوار کے مستحق ہیں۔ یہ ترجمہ میر بہادر علی کی عمدہ قابلیت کا بھی آئینہ دار ہے۔
حاتم طائی	۳۰۰	۴۰۰	حیدر بخش [حیدری]	یہ بہت اچھی کتاب ہے اور مشرقیات کا ہر اسکالر اس کو پسند کرے گا۔
پریم ساگر	۲۵۰	۲۰۰	سری [للو] لال کب	ہندی کی بے حد مفید کتاب ہے، اس قدر کم انعام صرف اس لئے تجویز کیا گیا ہے کہ ان کو پچاس روپے ماہوار مل رہے ہیں [اور اس کے علاوہ] وہ کچھ اور نہیں کر رہے ہیں۔
نثر بے نظیر	۱۷۰	۱۵۰	میر بہادر علی	دونوں بے حد مفید کتابیں ہیں، موخر الذکر [اخلاق ہندی سنسکرت کی] مشہور کتاب ہتوپدیس کا ترجمہ ہے، جو فارسی کے مفرح القلوب سے ہندستانی میں منتقل کیا گیا ہے۔
اخلاق ہندی	۱۶۰	۱۵۰		
گل بکاولی	۲۰۰	۱۵۰	نہال چند •	(بار اسوت کے ہیں اور یہ دل چسپ کتاب انھوں نے ایک سال میں پوری کی ہے)

طباعت کے لئے تیار ہیں

سنگھاسن بتیسی	۱۹۰	۲۰۰	مرزا کاظم علی جوان	بارہ ماسا ایک طبع زاد نظم ہے جو ہر طرح کی ہمت افزائی کی مستحق ہے۔
بارہ ماسا	۱۴۰	۲۰۰		
سکنتلا ناٹک	۱۴۰	۱۰۰		
بیتال پچیسی	۱۶۰	۲۰۰	مظہر علی خاں [ولا]	یہ سب معقول کتابیں ہیں چوں کہ ان کے لئے کسی خاص وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کوئی تشریح نہیں کی جا رہی ہے۔
مادھونل	۱۵۰	۹۰		
ہفت گلشن	۱۰۰	۸۰		
تاریخ بنگلہ	۳۰۰	۳۰۰	غلام اکبر	یہ اور دوسری دو اور تاریخیں جن کا اِسی فہرست میں آگے ذکر کیا جائے گا ہندستانی کلاس کے لئے بے حد فایدہ مند ثابت ہوں گی۔
بوستان (نثر میں)	۳۰۰	۳۰۰	حاجی مرزا مغل •	عالم فاضل اور شاعر ہیں۔ مشرقی ادب کی جائے پناہ ہونے کی حیثیت سے کالج کی شہرت ان کو اِس دار السلطنت میں کھینچ لائی ہے۔

طباعت کے لئے دورست کی جارہی ہیں

تواریخ السلاطین	۳۰۰	۵۰۰	غلام شاہ بھیک	
قصہ دل و حسن	۶۰	۸۰	″	
قصہ فرعون	۱۰۰	۵۰	محمد بخش	
تواریخِ عالمگیری	۳۰۰	۴۰۰	محمد عمر	
سیف الملوک	۲۰۰	۲۰۰	منصور علی	
الف لیلیٰ	۳۰۰	۴۰۰	شاکر علی •	(الف لیلیٰ کی بے حد قدر و قیمت ہے۔ اس ترجمے سے ہندستانی کی بہت سی توقعات وابستہ ہیں)
تواریخ تیموری	۶۴۰	۴۰۰	تصدق حسین	
اخلاق النبی	۳۰۰	۴۰۰	غلام اشرف	
پندنامہ فریدالدین عطار نثر	۱۰۰	۱۵۰	معین الدین	

گل دہرمز	۲۰۰	۱۵۰	غلام حیدر	(ایک بنگالی کی فارسی کتاب کا عمدہ ترجمہ ہے)
دہ مجلس	۱۰۰	۵۰	شیخ محمد بخش	
دُرِّ مجالس	۲۵۰	۱۵۰	غلام سبحان	
جامع القوانین	۲۰۰	۱۰۰	حیدر بخش [حیدری][41]	

کالج سے غیر متعلق ہندستانی مصنفین کے انعامات کی منظوری

کالج کونسل کی کارروائی مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۰۳ء سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کی دوسری فہرست کونسل نے کول بروک (Coolbroke) کے حوالہ کردی تھی تاکہ ان کتابوں کے متعلق وہ تفصیلی رائے دیں۔ کول بروک کی مرتبہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ سب کتابیں "دو متبحر دیسی" اصحاب کو دی تھیں، "جن کی رائے پر" انھیں "کامل اعتماد" تھا، اور "انھیں کے مشوروں کو سامنے رکھ کر حسب ذیل رپورٹ"، کول بروک نے مرتب کی تھی۔

"بوستان : زبان عموماً اچھی ہے اور مصنف ہمت افزائی کا مستحق معلوم ہوتا ہے۔ کتاب میں بعض غلطیاں بھی ہیں، جو میرے خیال میں، طباعت کے وقت درست کردی جائیں گی۔ انعام مسٹر گل کرسٹ کی تجویز کے مطابق ۲۰۰

"کلاکام : زبان خاصی ہے اور کتاب معقول انداز میں لکھی گئی ہے۔ انعام مسٹر گل کرسٹ کی تجویز کے مطابق ۱۰۰

"گلِ ہرمز : زبان اگرچہ صحیح نہیں ہے، لیکن موضوع سے مطابقت ضرور رکھتی ہے۔ انعام بہرحال گل کرسٹ کی تجویز کے مطابق دیا جاسکتا ہے۔ ۱۰۰

"گلِ بکاولی : زبان اور طرز بیان دونوں غلط ہیں، لیکن مصنف کچھ ہمت افزائی کا مستحق بھی معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر گل کرسٹ نے ڈیڑھ سو روپے کا انعام تجویز کیا ہے جو گھٹا کر سو کیا جاسکتا ہے ۱۰۰

"فیروز شاہ : یا شہر بدخشاں کی داستان — نہ تو زبان ہی صحیح ہے اور نہ طرز بیان ہی اچھا ہے۔ بہرکیف کچھ ہمت افزائی کی جاسکتی ہے گل کرسٹ کے مجوزہ پچاس روپے کے انعام میں مشکل ہی سے کمی کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

"گلِ صنوبر : یہ لطائف کا مجموعہ ہے اور ان میں سے بیش تر لطائف کا صرف تلفظ کی غلطی پر مدار ہے، جس کی وجہ سے الفاظ غیر مہذب اور بد نما شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مؤلف کی جہالت کی وجہ سے یہ کتاب شدید غلطیوں سے لبریز ہے۔ انعام کے بجائے، مؤلف سرزنش کا مستحق ہے کہ اس نے ایسی کتاب کالج کے لئے پیش کرنے کی کیوں کر ہمت کی، جس میں غیر مہذب عبارتیں ہیں۔

"دل ربا : مصنف اردو زبان سے نا آشنا اور شاعری کے قوانین سے قطعاً بے بہرہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے کچھ حصے کبت کے طرز پر لکھے گئے ہیں، لیکن جا بجا اس نے درمیان میں اردو استعمال کرنے کی بھی ناکام کوشش کی ہے۔

"حسنِ اختلاط : زبان تو عموماً صحیح ہے، لیکن طرزِ ادا نامناسب ہے۔ مصنف جس موضوع کو پیش کرنا چاہتا ہے، اس سے اس کی ناواقفیت کی وجہ سے اتنے چھوٹی سی کتاب میں لاتعداد غلطیاں ہیں۔ کتاب کی موجودہ حالت میں وہ کسی انعام کا مستحق نہیں معلوم ہوتا۔" ۴۲

کالج کونسل نے ۱۰ اکتوبر ۱۸۰۳ء کو کولی بروک کی مندرجہ بالا رپورٹ کے مطابق حسب ذیل ہندستانی مصنفین کو انعامات دینے کا فیصلہ کیا۔

حاجی مرزا مغل	بوستان [کا ترجمہ]	۴۰۰	روپے کا انعام
کندن لعل	کلا کام	۱۰۰	" "
غلام حیدر	گلِ ہرمز	۱۰۰	" "
نہال چند	گلِ بکاؤلی	۱۰۰	" "
محمد بخش	فیروز شاہ	۵۰	" "

قرآن کا اردو ترجمہ

فورٹ ولیم کالج کے ہندستانی شعبے کے منشیوں نے کالج کونسل کی منظوری یا گل کرسٹ کے ایما و اشارے سے جو کتابیں ترجمہ یا تالیف کیں، ان کی طویل فہرست میں قرآن کے ترجمے کا ذکر بھی ہم کو ملتا ہے۔ اردو ادب کے بعض مورخین نے بھی سرسری طور پر اس ترجمے کا نام لیا ہے مولف ارباب نثر اردو کا بیان ہے کہ

"مولوی امانت اللہ... گل کرسٹ کے حکم سے میر بہادر علی حسینی کے ساتھ قرآن شریف کا اردو ترجمہ کرنے لگے۔ مگر کام ابھی شروع کیے چند ہی روز گذرے تھے کہ ۱۸۰۲ء کے اواخر ایام میں ڈاکٹر گل کرسٹ خرابی صحت کی وجہ سے وظیفہ حسن خدمت پر کالج سے سبک دوش ہو گئے* اور انھیں مولوی امانت اللہ کی سرپرستی کرنے اور ان سے مفید تالیف یا ترجمہ کرانے کا خاطر خواہ موقع نہ ملا ڈاکٹر گل کرسٹ کی علیحدگی کے بعد ہی ان کے جانشینوں نے قرآن کا ترجمہ موقوف کرادیا، اور اس طرح سے یہ مفید کام ادھورا رہا... گل کرسٹ کے جانشینوں نے ترجمہ شدہ حصے کو بھی کالج کی طرف سے شایع کرنا پسند نہ کیا[۴۲]"

قرآن کے اردو ترجمے کے مکمل ہونے کا جہاں تک تعلق ہے، وہ گل کرسٹ ہی کے زمانے میں مکمل ہو چکا تھا، بلکہ اس کی طباعت کا کام بھی شروع ہو گیا تھا۔ کالج کونسل کی ۱۸۰۷ء کی کارروائیوں سے ہماری معلومات میں یہ قابل قدر اضافہ ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کو قرآن کے ترجمے سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ گل کرسٹ نے ہندستانی پریس سے شایع کرنے کی نیت سے یہ ترجمہ تیار کرایا تھا۔

کالج کونسل کی کارروائیوں میں گل کرسٹ کی جو تحریریں محفوظ ہیں، ان میں ۱۹ اگست اور ۱۹ ستمبر ۱۸۰۳ء کے دو خطوط کے ساتھ ان ہندستانی مصنفین کی اور ان کی تخلیقات کی فہرستیں بھی منسلک ہیں جو گل کرسٹ کی تجویز کے مطابق، انعام کے مستحق تھے۔ ان ہی فہرستوں میں

---

* یہ قصہ ۱۸۰۴ء کا اوائل کا ہے۔

قرآن کے اردو ترجمے کا ذکر پہلی بار ہم کو ملتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میر بہادر علی حسینی، مولوی امانت اللہ، مولوی فضل اللہ، اور کاظم علی جوآن نے قرآن کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا کام انجام دیا تھا۔ پھر ایک عرصے تک اس ترجمے کا ہم کو کوئی ذکر نہیں ملتا۔

گل کرسٹ نے ہندستان سے رخصت ہوتے وقت ہندستانی پریس کا اور اپنے تمام معاملات کا مختار ڈاکٹر ہنٹر کو مقرر کیا تھا۔ انھوں نے مارچ ۱۸۰۷ء کے اوائل میں ایک خط کے ساتھ اُن کتابوں کی تفصیلی فہرست کالج کونسل کے سامنے پیش کی جو ۱۸۰۴ء میں گل کرسٹ کی روانگی کے وقت زیرِ طبع تھیں۔ اس فہرست میں قرآن کے ترجمے کا حسب ذیل ذکر بھی موجود ہے۔

"قرآن۔ حجم ۵۰۰ صفحات۔ ۳۰ پارے۔ ۵۶ صفحات چھپ چکے ہیں۔"

کالج کونسل نے ڈاکٹر ہنٹر کے اس خط کو چیف سکریٹری کی وساطت سے گورنر جنرل باجلاس کونسل نے کے ملاحظے اور فیصلے کے لئے بھیجا۔ قرآن کے ترجمے کے باب میں کالج کونسل نے یہ حاشیہ بھی بڑھایا کہ:

"کالج کونسل نے قرآن کے ترجمے کے لئے نہ تو کوئی تجویز ہی منظور کی تھی، اور نہ اس کام کی ہمت افزائی کی کوئی امید ہی مسٹر گل کرسٹ کو دلائی تھی۔ اس لئے کالج کونسل کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں مسٹر گل کرسٹ کسی معاوضے کے مستحق نہیں ہیں۔ لیکن گورنر جنرل اس ترجمے کی اشاعت کو قابل اعتراض سمجھ کر اس کی طباعت کی ممانعت اگر ضروری سمجھیں، تو اس حالت میں یہ قرین انصاف ہوگا کہ اس چھوٹے سے حصے [۵۶ صفحات کی] طباعت پر جو رقم گل کرسٹ نے صرف کی ہے، وہ ان کو ادا کی جائے۔"[۴۷]

گورنر جنرل نے ۱۹ مارچ ۱۸۰۷ء کو کالج کونسل کو اپنے فیصلے سے مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ

گورنر جنرل باجلاس کونسل قرآن کے ترجمے کی اشاعت کو، جسے گل کرسٹ نے تیار کرایا تھا، قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ تجویز گورنر جنرل باجلاس کونسل کو منظور ہے کہ اس کام کے سلسلے میں گل کرسٹ کو جو زیر باری ہوئی ہے، اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے۔"[۴۸]

۳۱؍مارچ ۱۸۰۷ء کو کالج کونسل کی ہدایت کے مطابق، سکریٹری کالج کونسل نے گورنر جنرل کے خط کی نقل ڈاکٹر ہنٹر کو بھیج دی اور لکھا کہ

"گورنر جنرل کے خط کی نقل آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کا جو ترجمہ مسٹر گل کرسٹ نے تیار کرایا تھا، اس کی اشاعت کو گورنر جنرل باجلاس کونسل نامناسب سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کی طباعت میں گل کرسٹ کو جو زیر باری ہوئی ہے، اس کا معاوضہ ادا کرنے کی انھوں نے منظوری عنایت فرمائی ہے۔"[۷۶]

سکریٹری کالج کونسل نے اس سلسلے میں ڈاکٹر ہنٹر کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ قرآن کے ترجمے کے جتنے اجزا چھپ چکے ہیں ــــــ

"اُن کے تمام مطبوعہ نسخے سکریٹری گورنمنٹ کے حوالے کر دیجیے۔ اور ساتھ ہی یہ اقرار نامہ بھی داخل کیجیے کہ آپ نے، یا ناشر نے اس کا کوئی نسخہ اپنے پاس نہیں رکھا ہے۔"[۷۷]

اس ترجمے کا ایک مخطوطہ سالار جنگ میوزیم (حیدر آباد) میں محفوظ ہے *

گل کرسٹ کی شایع کردہ کتابیں اور سرکاری امداد

۲۹؍اگست ۱۸۰۳ء کو گل کرسٹ نے مسٹر لمسڈن (Lumsden) چیف سکریٹری گورنمنٹ کو ایک طویل خط لکھا، جس میں ان کتابوں کی فہرست پیش کی تھی، جو کالج قایم ہونے کے بعد سے اس وقت تک اپنی نیز دوسرے مصنفین کی اس نے شایع کی تھیں۔ اس کام کے سلسلے میں اس کو کالج سے جو امداد ملی تھی اس کا بھی اس نے ذکر کیا تھا۔ اس فہرست میں گل کرسٹ نے سب سے پہلے اپنی تصانیف کی فہرست پیش کی تھی۔ اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کالج کے قایم ہونے کے بعد سے اکتوبر ۱۸۰۳ء تک اس نے گیارہ حسب ذیل کتابیں شایع کی تھیں۔

---

* بہ روایت نصیر الدین صاحب ہاشمی۔

۱ ابتدائی کتابیں

۱ اینٹی جارگونسٹ The Anti-jargonist, (1801).
ہندستانی زبان مقدمہ کا یک چکی ہے۔ قیمت ۱۶ روپے

۲ اورینٹل لنگولیسٹ The Oriental Linguist, (1798)
دوسری اشاعت ترمیم واضافے کے ساتھ قیمت ۲۰ روپے

۳ A New Theory and Prospectus of Persian Verbs, (1801)
[فارسی میں اس کا نام تھا] نوایجاد، یعنی نقشۂ افعال فارسی
معہ مصدرات ان در فارسی وانگریزی قیمت ۱۰ روپے

۴ The Hindee Arabic Mirror.
ہندستانی وفارسی زبان میں عربی کے جو الفاظ داخل ہو گئے
ہیں، ان کو سیکھنے کا آسان قاعدہ قیمت ۴ روپے

۵ Guide to the Hindoostanee قیمت ۸ روپے

۶، ۷ رومن، ناگری اور فارسی رسم خط کے مختلف نمونے قیمت ۳ روپے

۲ ادبی کتابیں

۸ ہندستانی گلستان قیمت ۳۲ روپے

۹ Hindee Story Teller ″ ۱۲ ″

۱۰ Moral Preceptor ″ ۲۰ ″

۱۱ The Oriental Fabulist.
انگریزی، عربی، فارسی، ہندستانی، برج بھاشا اور بنگلہ میں ″ ۳۲ ″

---

۱۵۷ روپے

اس نے لکھا تھا کہ "مندرجہ بالا کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں حکومت سے اب تک صرف چار ہزار وصول ہوئے ہیں اور چھ ہزار مزید منظور کیے گئے ہیں، جو میں نے ابھی وصول نہیں کیے ہیں"۔ اس کے بعد گل کرسٹ نے ہندستانی زبان کی ان کتابوں کے نام گنائے تھے جو اس وقت چھپ رہی تھیں۔ ان کتابوں کے ساتھ مصنفین کے نام درج نہیں کیے گئے تھے فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) ہندستانی قرآن (۲) نثر بے نظیر (۳) اخلاقِ ہندی
(۴) حاتم طائی (۵) توتا کہانی (۶) باغ و بہار
(۷) بکاولی (۸) عیارِ دانش (۹) نقلیات دو جلدیں
(۱۰) پریم ساگر

مندرجہ بالا فہرست پیش کرنے کے بعد گل کرسٹ نے لکھا تھا کہ کالج کونسل نے دس ہزار کی جو رقم منظور کی ہے وہ چار کتابوں کے سو سو نسخوں کی خرید کی مجموعی رقم سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ اور گورنر جنرل باجلاس کونسل سے استدعا کی تھی کہ اس کی اعانت کے خیال سے ان کتابوں کی مزید خریداری منظور کی جائے۔

چیف سکریٹری نے گل کرسٹ کی یہ درخواست کالج کونسل کے پاس ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیج دی جس نے گل کرسٹ کے خلاف رائے دیتے ہوئے لکھا کہ

"ہم سمجھتے ہیں کہ گل کرسٹ کی موجودہ درخواست کا مقصد یہ ہے کہ جن کتابوں کے نام گنائے گئے ہیں، ان کی خرید کی تعداد اور بڑھا دی جائے یہ سب کتابیں چھپ چکی ہیں اور ان میں سے دو کتابیں بک کر ختم ہو چکی ہیں۔ ممبران کالج کونسل کی رائے ہے کہ گل کرسٹ نے دس ہزار کی جس رقم کا ذکر کیا ہے اور جس میں سے پانچ ہزار کی رقم، کالج کونسل کی کارروائی مورخہ یکم فروری ۱۸۰۳ء کے مطابق، وہ وصول بھی کر چکے ہیں، اس کے بعد کسی مزید سرکاری امداد کے مطالبے کا ان کو کوئی حق نہیں ہے"[۸]

انجیل کے فارسی و ہندستانی ترجمے کے لئے فطرت لکھنوی کا تقرر

کالج کونسل کی کارروائی کے رجسٹر میں مسٹر کول بروک کا ایک خط مورخہ ۳ رنومبر ۱۸۰۳ء نقل کیا گیا ہے، جو گل کرسٹ کے نام تھا۔ اس خط کے ساتھ کول بروک نے انجیل کے ہندستانی و فارسی ترجمے بھی گل کرسٹ کے پاس بھیجے تھے، اور لکھا تھا کہ

"ہندی [ہندستانی] ترجمہ میرا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک منشی کا ہے جسے میں نے ملازم رکھا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ ترجمہ غلطیوں سے لبریز ہے۔ فارسی ترجمے میں غلطیاں نسبتاً کم ہیں لیکن اس کا مجھے پورا احساس ہے کہ یہ ترجمہ بھی بے عیب نہیں ہے۔ ان ترجموں کو آپ کے پاس صرف امید پر بھیج رہا ہوں کہ شاید ان کی نظرثانی کیلئے آپ آمادہ ہوجائیں یا اس کے از سرنو ہندی ترجمے کے لئے آپ خود کمربستہ ہوسکیں۔

"میرے اس فارسی ترجمے کو، جیسا کچھ کہ یہ ہے، مسٹر ولفورڈ (Wilford) کے فاضل پنڈت دوستوں نے، جو بنارس میں رہتے ہیں، خوب پڑھا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس نسخے سے، جو دو برس ہوئے میں نے ان کو دیا تھا، ان لوگوں نے نقلیں بھی لی ہیں، اور اس کے اقتباسات بھی اپنے پاس رکھے ہیں۔

"میری موجودہ ذمّے داریاں میرا اس قدر وقت لے لیتی ہیں کہ اس کے از سرنو ترجمے کے لئے اس سے زیادہ وقت میں نہ نکال سکا کہ فطرت [مرزا محمد فطرت لکھنوی] خود ترجمہ کرنے کے بعد، ہفتے میں ایک بار اس کو پڑھ کر سنا دیتے تھے اور میں صرف ان مقامات کی طرف اشارہ کر دیا کرتا تھا جہاں انھوں نے اصل سے انحراف کیا تھا۔ . . میں ان ترجموں کے سلسلے میں کافی زیر بار ہوچکا ہوں اور اب فطرت کو تنخواہ دینا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن اگر گورنمنٹ سے ان کی تنخواہ کا آپ انتظام کرا دیں، تو میں انجیل کے ترجمہ میں ان کو ہر ممکن امداد دینے کے لئے تیار ہوں۔"[۹]

اس خط کے ساتھ گل کرسٹ نے اپنا ایک خط نتھی کر کے کالج کونسل کے پاس بھیج دیا اور سفارش کی کہ مرزا فطرت لکھنوی کو ۸۰ روپیہ ماہوار پر ملازم رکھ لیا جائے۔ گل کرسٹ نے اپنا خط کالج کونسل کو بھیجنے سے پہلے کول بروک کے پاس بھی شاید بھیجا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ کالج کونسل کی کارروائی کے اسی صفحہ پر گل کرسٹ کے نام کول بروک کا ایک اور خط نقل کیا گیا ہے، جس میں اس نے لکھا تھا کہ

"آپ نے کالج کونسل کو جو خط لکھا ہے میں اس کے مضمون سے متفق ہوں اور اس کو واپس کر رہا ہوں۔ میری خواہش تھی کہ غریب فطرت کے لئے آپ نے ۸۰ سکہ روپے سے زیادہ کی سفارش کی ہوتی، کیوں کہ اتنے اہم کام کی انجام دہی کی اگر وہ اہلیت رکھتا ہے، تو اُسے فارغ البال بنا دینا چاہیے۔ نیز یہ بھی قابل قیاس ہے کہ انگلستان سے واپسی کے بعد وہ کچھ مقروض بھی ہو گیا ہو گا۔ کوئی چار مہینے ہوئے جب وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ یہ میری اور اس کی پہلی ملاقات تھی چوں کہ اس سے میں بہت واقف نہیں ہوں، اس لئے کوئی بڑی تنخواہ تجویز کرنا نہیں چاہتا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ فی الحال سو روپے ماہوار اس کو دینا چاہیے اور اگر آگے چل کر آپ اور ممبران کالج کونسل اس کے کام سے مطمئن ہوں تو اس کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپے ماہوار کر دی جائے۔ اور یہ رقم اس کام کے لئے بہت زیادہ نہ ہو گی۔"[۱۱]

کول بروک کی اس تجویز کو گل کرسٹ نے غالباً قابل اعتنا نہ سمجھا اور مرزا فطرت لکھنوی کی تنخواہ کے معاملے میں وہ اپنے پہلے ہی فیصلے پر قائم رہا۔ کالج کونسل نے بھی، جس کے سامنے کول بروک کے خطوط بھی موجود تھے، گل کرسٹ ہی کی سفارش کو قبول کرنا مناسب سمجھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ

"....مرزا فطرت لکھنوی کو آج کی تاریخ [۵، نومبر ۱۸۰۳ء] سے انجیل کے فارسی و ہندستانی ترجمے کے لئے ۸۰ روپے ماہوار پر مقرر کیا جاتا ہے"[۱۲]

کالج کونسل نے ساتھ ہی یہ بھی طے کر دیا کہ انجیل کے یہ دونوں ترجمے "جن کی مسٹر

گل کرسٹ نظرثانی کر رہے ہیں، کالج ہی کے خرچ سے مسٹر گل کرسٹ کی نگرانی میں طبع ہوں۔"[۸۳]

گل کرسٹ کا استعفا اور ہندستان سے روانگی

۲۳ فروری ۱۸۰۴ء کو گل کرسٹ نے سکریٹری کالج کونسل کو مطلع کیا کہ شدید علالت کی وجہ سے فوری طور پر اس نے یورپ واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے گل کرسٹ علالت کی وجہ سے مستعفی نہیں ہوا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندستانی زبان کی ترویج واشاعت اور جدید ہندستانی ادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں کالج کونسل نے اس کی توقعات کے مطابق اس کی ہمت افزائی نہیں کی تھی، اور کالج کونسل کی کاروائیاں اس بات کی بھی غمازی کرتی ہیں کہ گل کرسٹ کو اس باب میں کالج کونسل اور حکومت دونوں سے شکایت تھی۔ لیکن اس نے اپنے اس آخری خط میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے لکھا تھا کہ

> "ناگہانی اور شدید علالت سے مجبور ہو کر پہلے جہاز سے یورپ واپس جانے کے لئے ہز اکسیلنسی گورنر جنرل سے اجازت حاصل کرنے کی مجھے ضرورت پیش آئی ہے، جو میں نے حاصل کرلی ہے۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے قایم کردہ کالج میں ہز لارڈ شپ کی عنایت سے ہندستانی پروفیسر کے جس عہدے پر میں مامور ہوں، اس سے میں باضابطہ مستعفی ہو جاؤں۔
>
> "مستدعی ہوں کہ آپ کالج کونسل کو مطلع فرمادیں کہ کلکتہ [نامی] جہاز کی روانگی کی تاریخ سے جس کا میں نے ٹکٹ بھی خرید لیا ہے، میرا استعفا قبول کیا جائے۔"[۸۴]

اسی سلسلے میں گل کرسٹ نے اس کی بھی قوی امید ظاہر کی تھی کہ کالج کونسل اس کے استعفے کو قبول کرتے ہوئے اس کے "طرزِ عمل کا اور دل سوزی کے ساتھ فرائض منصبی کی ادائیگی کا" بھی پر زور اعتراف کرے گی تاکہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کورٹ آف ڈائرکٹرس سے اس کی سفارش کر سکیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے کاروبار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ صرف ۱۸۰۳ء میں کتابوں کی طباعت پر اس نے ۲۳۸۰۰ روپے سے زیادہ صرف کئے ہیں، جس کے

فوری طور پر وصول ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

۲۴ر فروری ۱۸۰۴ء کو کالج کونسل نے گل کرسٹ کے خط پر غور کرنے کے بعد اس کے استعفے کو قبول کرتے ہوئے لکھا کہ

"مسٹر گل کرسٹ نے جس جوش و خروش، لیاقت و قابلیت اور ان تھک محنت کے ساتھ ہندستانی زبان کے پروفیسر کی خدمات انجام دی ہیں، ان کا اعتراف کرنا کالج کونسل اپنا فرض سمجھتی ہے۔ نیز اس کا بھی اعتراف کرتی ہے کہ گل کرسٹ کی تصانیف نے اور ہندستانی زبان کی ان کتابوں نے جو انھوں نے چھاپی ہیں کالج کے قیام کے مقاصد کو بدرجہ اتم پورا کیا ہے۔ طے پایا کہ مسٹر گل کرسٹ کے خط کی ایک نقل مندرجہ بالا تجویز کے ساتھ ہزاکسیلنسی وزیٹر [گورنر جنرل] کی خدمت میں پیش کی جائے۔"[۸۵]

ضمیمہ

ضمیموں کی ترتیب

گل کرسٹ کی تصانیف

گل کرسٹ کے عہد کی تصنیفات و تالیفات

گل کرسٹ کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کے مصنّفین

جدید ہندوستانی کے چند ابتدائی نمونے

انجیل کی ایک دعا کا قدیم ترین ہندستانی ترجمہ

نوطرز مرصّع — جدید ہندستانی نثر کی پہلی کتاب

رانی کیتکی

مسکین کا ایک مرثیہ

شیکس پی یر کا ترجمہ — (از گل کرسٹ —)

ہندستانی شاعری کے انگریزی ترجمے (از گل کرسٹ)

گل کرسٹ کا "رسالۂ رسم الخط و اعراب" کا خلاصہ

حیدر بخش حیدری کے غیر مطبوعہ "تذکرۂ حیدری" کا دیباچہ

جدید ہندستانی ادب کی چند اہم تاریخیں۔

گل کرسٹ کی تصانیف

۱ A Dictionary, English and Hindoostanee

انگریزی ہندستانی لغت (دو جلدیں)

۲ A Grammar of the Hindoostanee Language

ہندستانی زبان کے قواعد

۳ ضمیمہ (لغت اور قواعد کا) The Appendix

۴ The Oriental Linguist

"مشرقی زباں داں"

۵ The Anti-jargonist

یہ کتاب ہندستانی زبان پر مختصر مقدمہ ہے

۶ A New Theory and Prospectus of Persian Verbs

فارسی میں اس کا نام تھا۔

"نو ایجاد یعنی نقشِ افعال فارسی مع مصدرات آں و مترادفِ ہندستانی"

۷ Hindee Exercises.

فورٹ ولیم کالج کے پہلے اور دوسرے امتحان کے لئے ہندستانی زبان کی مشقیں۔

۸ The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee, or Grand Popular Language of India.

اس کا ہندستانی نام "معلمِ ہندستانی" ہو سکتا ہے

۹ The Hindoostanee Directory, or Student's Introductor

اس کتاب میں گل کرسٹ کے ترمیم شدہ رسمِ خط کی وضاحت کی گئی تھی نیز ہندستانی زبان کے قواعد پر ایک مقالہ بھی اس میں شامل کیا گیا تھا۔

۱۰ The Hindee Principles.

یہ کتاب بھی ہندستانی زبان کے قواعد پر لکھی گئی تھی

۱۱ The Hindoostanee Manual, or Casket of India.

گل کرسٹ اس کتاب کا مصنف یا مؤلف نہیں بلکہ مرتّب تھا۔ ہندستانی منشی جو کالج سے وابستہ تھے، ان کی زیرِ طبع کتابوں کے طویل اقتباسات اس میں درج کیے گئے تھے۔ اس کتاب کو "جدید ہندستانی ادب" کا پہلا انتخاب کہنا غلط نہ ہوگا۔ جن کتابوں کے انتخابات اس میں شامل کیے گئے تھے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱	میر عبداللہ مسکیں کا مرثیہ		ناگری لپی
۲	اخلاقِ ہندی	بہادر علی حسینی	"
۳	سکنتلا ناٹک	کاظم علی جوان	"
۴	سنگھاسن بتیسی	"	"
۵	بیتال پچیسی	مظہر علی ولا	"
۶	توتا کہانی	بہادر علی حسینی	فارسی رسمِ خط
۷	باغ و بہار	میر امن	"
۸	باغِ اردو	میر شیر علی افسوس	"

۱۲۔ نقلیاتِ ہندی

یہ کتاب رومن، ناگری اور فارسی رسم خط میں چھاپی گئی تھی۔ اس کی دو جلدیں تھیں۔ پہلی جلد ۱۸۰۲ء میں اور دوسری ۱۸۰۶ء میں شایع ہوئی۔

۱۳ The Oriental Fabulist.

گل کرسٹ کی یہ کتاب کئی اعتبار سے قابل ذکر ہے، جس میں Esop's Fables کے کچھ قصوں کا ہندستانی، فارسی، عربی، برج بھاشا، بنگلہ، اور سنسکرت میں ترجمہ تھا۔ ان زبانوں میں خود گل کرسٹ نے ترجمہ نہیں کیا تھا، بلکہ کتاب کے سرورق کی عبارت کے مطابق "مختلف لوگوں" نے یہ ترجمے کئے تھے۔ مترجمین کی تفصیل یا ان کے نام درج نہیں کئے گئے ہیں۔ گمانِ غالب ہے کہ ہندستانی، فارسی، عربی بنگلہ، اور سنسکرت کے شعبوں کے منشیوں ہی نے یہ ترجمے کئے ہوں گے۔

اس کتاب کا سب سے زیادہ دل چسپ اور اہم پہلو یہ تھا کہ یہ ساری زبانیں رومن رسم خط میں لکھی گئی تھیں۔ دوران طباعت میں گل کرسٹ نے اس کتاب کے کچھ نمونے کالج کونسل کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مشرقی طباعت کے طریقوں میں ترمیم واضافہ کر کے اس نے یورپ کی طباعت کے طرز کو روشناس کیا ہے۔

گل کرسٹ کا یہ پختہ خیال تھا کہ ہندستان میں رومن رسم خط کو رائج کر دیا جائے۔ اس نے اس کی منظم کوشش کی تھی کہ اس دیس کی ساری زبانیں رومن میں لکھی جائیں۔ اسی خیال کے پیش نظر اس نے رومن، دیوناگری اور فارسی رسم خط کا ایک چارٹ تیار کیا تھا، جس میں دیوناگری اور فارسی کی اُن آوازوں کو جو عام رومن حروف سے ادا نہیں کی جا سکتیں، ادا کرنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا تھا۔ اس چارٹ کی ایک تصویر اس کتاب کے ساتھ بھی پیش کی جا رہی ہے، جس کو سمجھے بغیر گل کرسٹ کی رومن عبارتوں کا پڑھنا ناممکن ہے۔

۱۴ اتالیق ہندی[۱] یا Moral Preceptor

---

[۱] انڈیا آفس لائبریری کی فہرست مطبوعات میں مظہر علی خاں ولاؔ کو اس کا مرتب لکھا گیا ہے

ہندستانی شعبے کے منشیوں نے یہ کتاب ان لوگوں کی رہنمائی کے لئے لکھی تھی جو فارسی وہندستانی میں سے صرف ایک زبان جانتے تھے، اور دونوں زبانیں جاننا چاہتے تھے۔ گل کرسٹ کی حیثیت صرف مرتب کی تھی۔

۱۵ The Hindee Arabic Mirror.

عربی کے جو الفاظ ہندستانی زبان میں مستعمل ہیں، یا ہندستانی سیکھنے کے لئے جن کا جاننا ضروری ہے، اس کتاب میں اُن کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

۱۶ The Hindee Roman Orthoepical Ultimatum.

اس کا موضوع بھی گل کرسٹ کا ترمیم شدہ ہندستانی رومن رسم خط تھا۔

گل کرسٹ نے ۱۸۰۱ء سے ۱۸۰۴ء کے وسط تک مندرجہ بالا بارہ کتابیں تصنیف یا تالیف کر کے شایع بھی کیں۔ اس فہرست میں اگر اس کی ابتدائی مطبوعات بھی شامل کر لی جائیں تو یہ گنتی بڑھ کر سولہ ہو جاتی ہے، یعنی گل کرسٹ نے ہندستان کے دوران قیام میں سولہ کتابیں مرتب کر کے شایع کیں، اور یہ سب کی سب ہندستانی لسانیات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔

گل کرسٹ کے عہد کی تصنیفات و تالیفات

گل کرسٹ کی ایک رپورٹ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۸۰۱ء کے مطابق حسب ذیل گیارہ کتابیں تصنیف، تالیف، یا ترجمہ ہو چکی تھیں، اور طباعت کی منزل سے گزر رہی تھیں۔

شمار	نام کتاب	رسم خط	مصنف	کیفیت
۱	مرثیہ مسکین	ناگری	عبداللہ مسکین	[۱۸۰۲ء]
۲	بتیسی سنگھاسن	ایضاً	کاظم علی جوان	
۳	سکنتلا ناٹک	ایضاً	ایضاً	
۴	اخلاق ہندی	ایضاً	بہادر علی حسینی	[۱۸۰۳ء میں اردو میں شائع ہوئی]
۵	[قصہ] مادھونل [اور کام کندلا]	ایضاً	مظہر علی خاں ولا	[برج بھاشا سے ترجمہ]
۶	بیتال پچیسی	ایضاً	ایضاً	
۷	چار درویش [باغ و بہار]	فارسی [اردو]	میر امن	[۱۸۰۳]
۸	[مثنوی] میر حسن	ایضاً	میر حسن	[۱۸۰۵]
۹	[باغ اردو یا ہندوستانی] گلستان	ایضاً	شیر علی افسوس	[۱۸۰۲]
۱۰	توتا کہانی	ایضاً	حیدر بخش حیدری	[۱۸۰۴]
۱۱	ہفت گلشن [1]	ایضاً	مظہر علی خاں ولا	

سکریٹر کالج کونسل نے اپنی ایک رپورٹ مورخہ یکم فروری ۱۸۰۲ء میں ان کتابوں

[1] ناصر علی بلگرامی واسطی کی فارسی کتاب ہفت گلشن کا ترجمہ۔ کتاب اس شعر سے شروع ہوتی ہے

گلشنِ حمد کی ہو نغمہ سرا　　بلبل طبع آوے گر بہ نوا

کی ایک فہرست بھی پیش کی تھی جن کا انتخاب شایع کرنا طے پایا تھا۔ اس فہرست میں مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ ایک کا اور بھی نام لیا گیا تھا، لیکن مؤلف کا نام اور رسم خط درج نہیں ہے۔ کتاب کا نام ہے

۱۲ حکایات متفرقات

۹ راگست ۱۸۰۳ء کو گل کرسٹ نے اُن ہندستانی مصنفین اور ان کی تصنیفات کی فہرست کالج کونسل کے سامنے پیش کی، جو اس کے نزدیک انعام کی مستحق تھیں۔ جن کتابوں کے نام اوپر درج کیے جا چکے ہیں، ان میں سے بھی کچھ کتابیں، گل کرسٹ کی اس انعامی فہرست میں شامل کی گئی تھیں۔ ان کو یہاں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

مطبوعہ

۱۳	نقلیات لقمانی	[اردو و ہندی ؟]	تارانی چرن متر، مولوی امانت اللہ، میر بہادر علی حسینی، شیر علی افسوس، للو لال کوی، غلام اشرف ہدل پنڈت،
۱۴	پند نامہ (نظم میں)	[اردو]	مظہر علی خاں ولا
۱۵	نقلیات (جلد اول)	"	میر بہادر علی حسینی
۱۶	امیر حمزہ	"	خلیل [علی] خاں [اشک]
۱۷	کائنات جو [؟] [1]	ایضاً	ایضاً

[1] گل کرسٹ کی فہرست میں کائنات کے آگے "ہ لا ل" لکھا ہے، ممکن ہے کہ نقل کرنے میں کچھ غلطی ہو گئی ہو۔ نصیر الدین ہاشمی کے بیان کے مطابق اس کا ایک نسخہ (مخطوطہ ؟) رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ ہاشمی صاحب نے اس کا نام "رسالہ کائنات" لکھا ہے۔ (مجلہ مکتبہ، جلد ۹، نمبر ۴، بحوالہ ارباب نثر اردو از سید محمد، ص ۲۴۱)

۱۸	خوانِ الوان	"	حمید الدین بہاری
۱۹	چندراوتی	[دیوناگری]	سدل مسر پنڈت
۲۰	اخلاقِ محسنی [گنج خوبی]	[اردو]	میر امّن
۲۱	[قصہ کام روپ و] کلا کام	"	کندن لال
۲۲	راج نیت[1]	[دیوناگری]	للّولال کوی
۲۳	گلدستہ [حیدری]	[اردو]	حیدر بخش حیدری
۲۴	[قصہ] گلِ صنوبر	"	باسط خاں
۲۵	حسنِ اختلاط	"	میر ابو القاسم
۲۶	دل ربا	"	توتا رام
۲۷	[قصہ] فیروز شاہ	"	محمد بخش
۲۸	مرثیہ مسکین (نثر میں)	"	میر جعفر

زیر طبع

۲۹	نقلیات (جلد دوم)	"	میر بہادر علی حسینی
۳۰	قرآن شریف [کا ترجمہ][1]	"	میر بہادر علی حسینی، مولوی امانت اللہ، کاظم علی جوان
۳۱	حاتم طائی [آرائش محفل]	"	حیدر بخش حیدری

---

[1] فروری ۱۸۰۷ء تک اس ترجمے کے ۵۶ صفحات چھپ چکے تھے۔ حکومت نے اس کی اشاعت کو قابلِ اعتراض سمجھ کر اس کی طباعت روک دی اور چھپے ہوئے حصے خرید کر غالباً ضایع کر دیے۔

نصیر الدین صاحب ہاشمی کی روایت کے مطابق، جو انھوں نے مجھ سے بیان کی تھی، اس ترجمے کا ایک مخطوطہ سالار جنگ میوزیم (حیدرآباد) میں محفوظ ہے۔

۳۲	پریم ساگر	[دیوناگری]	سری للو لال کب	[۱۸۱۰ء]
۳۳	نثرِ بے نظیر	[اردو]	میر بہادر علی حسینی	[۱۸۰۳ء]
۳۴	گلِ بکاولی	[؍؍]	نہال چند	[۱۸۰۴ء]

طباعت کے لئے تیار ہیں

۳۵	بارہ ماسا	[اردو]	مرزا کاظم علی جوان	[۱۸۱۲ء]
۳۶	تواریخ بنگالہ	؍؍	غلام اکبر	
۳۷	[ہندستانی] بوستان (نثر)	؍؍	حاجی مرزا مغل	

طباعت کیلئے تیار کی جارہی ہیں

۳۸	تواریخ السلاطین	[اردو]	غلام شاہ کھیک	
۳۹	قصہ دل و حسن	؍؍	؍؍	
۴۰	قصۂ فرعون	؍؍	محمد بخش	
۴۱	تواریخ عالمگیری	؍؍	محمد عمر	
۴۲	سیف الملوک	؍؍	منصور علی	
۴۳	الف لیلیٰ	[اردو]	شاکر علی	
۴۴	تواریخ تیموری	؍؍	تصدق حسین	[ترجمہ؟]
۴۵	اخلاق النبی	؍؍	غلام اشرف	
۴۶	پند نامۂ فریدالدین (نثر میں)	؍؍	معین الدین	
۴۷	[قصۂ] گل و ہرمز	؍؍	غلام حیدر	
۴۸	دہ مجلس	؍؍	شیخ محمد بخش	
۴۹	ذرۃ مجالس	؍؍	غلام سبحان	
۵۰	جامع القوانین	؍؍	حیدر بخش حیدری	
۵۱	خرد افروز	؍؍	حفیظ الدین	[۱۸۰۴ء]

۵۲	ہدایت الاسلام (جلد اول)	"	مولوی امانت اللہ	
۵۳	" (جلد دوم)	"		[شائع نہیں ہوئی]

کالج کونسل کی ایک رپورٹ مرتبہ ۴ر اپریل ۱۸۰۳ء کے مطابق حسبِ ذیل پانچ کتابیں بھی مطبع میں تھیں۔

۵۴	بحری وطبیّ ہندستانی لغت			
۵۵	کلیات سودا (تین جلدیں)	[اردو]		[۱۸۱۰ء میں اس کا ایک انتخاب شائع ہوا]
۵۶	کلیات ولی			
۵۷	سری بھاگوت گیتا	دیوناگری		خالص ہندی میں
۵۸	ہندستانی کہاوتیں			
۵۹	ہندستانی میں مستعمل عربی وفارسی محاورات			
۶۰	[گلشنِ ہند	اردو	مرزا علی لطف]	

گل کرسٹ کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کے مصنّفین

کالج کے ہندستانی شعبے کے منشیوں کی فہرست کا جو نقشہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے اس سے اُن کے تقرر کی تاریخیں، ان کے عہدوں اور تنخواہوں کی تفصیلات معلوم ہوں گی۔ اس نقشے میں پانچ ایسے نام بھی ہیں۔ جن کی تفصیلات درج نہیں کی گئی ہیں۔ ان کے نام تو کالج کونسل کی کارروائیوں میں ملتے ہیں۔ لیکن دوسری تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ سندی منشی رہے ہوں۔

کچھ نام قوسین [ ] میں بھی درج کئے گئے ہیں یہ نام کالج کونسل کی کارروائیوں میں سرے سے نہیں ملتے، لیکن تھامس روبک نے اپنی تالیف "فورٹ ولیم کالج کی تاریخ" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ بعض منشیوں کے تقرر کی تاریخیں بھی قوسین میں درج کی گئی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے نام تو کالج کونسل کی کارروائیوں میں مل جاتے ہیں، لیکن ان کے تقرر کی تاریخیں وہاں درج نہیں ہیں۔ لیکن روبک

کی کتاب میں اُن کا سراغ مل جاتا ہے۔

نمبر شمار	نام	تاریخ تقرر	ماہوار تنخواہ	کیفیت
۱	شیر علی افسوس	۱۵؍اکتوبر ۱۸۰۰ء	۲۰۰	مترجم
۲	کاظم علی جوان	۱۰؍نومبر ۱۸۰۰ء	۸۰	″
۳	منظہر علی ولا	″	۸۰	″
۴	بہادر علی حسینی	۴؍مئی ۱۸۰۱ء	۸۰	چیف منشی
۵	تارنی چرن متر	″	۱۰۰	سکنڈ چیف منشی
۶	میر امن	۴؍مئی ۱۸۰۱ء	۴۰	ماتحت منشی
۷	حیدر بخش حیدری	″	۴۰	″
۸	رحمت اللہ خاں	″	″	″ ۲؍نومبر ۱۸۰۱ء کو برطرف کر دیئے گئے
۹	محمد صادق	″	″	″ ″ ″ ″
۱۰	غلام غوث	″	″	″
۱۱	غلام اکبر	″	″	″
۱۲	غلام غوث	″	″	۲؍نومبر ۱۸۰۱ء کو برطرف کر دیئے گئے
۱۳	کاشی راج	″	″	ناگری نویس ″
۱۴	کندن لال	″	″	منشی ۲۸؍مارچ ۱۸۰۴ء کو مستعفی ہو گئے
۱۵	مرتضیٰ خاں	″	۴۰	″
۱۶	نصر اللہ خاں	″	″	″
۱۷	ہلال الدین	″	″	″
۱۸	غلام شاہ بھیک	″	″	(شعبہ فارسی) ۲؍نومبر ۱۸۰۱ء کو الگ کر دیئے گئے
۱۹	مولوی حفیظ الدین	″	″	″

۲۰	[سند پنڈت	۷ر جولائی ۱۸۰۱ء	۲۰	منشی]
۲۱	باب اللہ	ستمبر ۱۸۰۱ء	"	"
۲۲	یوسف علی	"	"	"
۲۳	دلیل الدین	اکتوبر ۱۸۰۱ء	"	"
۲۴	عبدالصمد	"	"	"
۲۵	اسد علی	۲ر نومبر ۱۸۰۱ء	۴۰	"
۲۶	محمد تقی	"	"	"
۲۷	سید جعفر	"	"	"
۲۸	مبارک محی الدین	"	"	"
۲۹	منصور علی	فروری ۱۸۰۲ء	"	"
۳۰	مولوی نظر اللہ	مارچ ۱۸۰۲ء	"	"
۳۱	واجد علی	"	"	"
۳۲	للو لال کوی[۱]	۷ر جون	۵۰	" برج بھاشا منشی
۳۳	محمد[۲] [جہانند]	۷ر جون ۱۸۰۲ء	۵۰	ناگری خوش نویس
۳۴	سدل مسر پنڈت	۱۵ر نومبر ۱۸۰۲ء	۳۰	منشی
۳۵	تصدق حسین	[نومبر ۱۸۰۲ء]	"	"
۳۶	خلیل علی اشک	۹ر اگست ۱۸۰۳ء	"	"

---

۱ گل کرسٹ کے جانشین کی تجویز کے مطابق ۱۱ر جون ۱۸۰۴ء کو "غیر ضروری" قرار دے کر برطرف کردیئے گئے۔ دوبارہ مقرر ضرور کیے گئے۔ مگر تقرر کی تاریخ کا پتا نہیں چلتا۔

۲ کالج کونسل کی کارروائی مورخہ ۷ر جون ۱۸۰۲ء میں "محمد" ہی درج ہے لیکن تھامس رو بک نے "جہانند" لکھا ہے۔ اور غالباً یہی صحیح ہے۔ لیکن رو بک نے ان کے تقرر کی تاریخ فروری ۱۸۰۲ء لکھی ہے۔

۳۷	حمید الدین بہاری	۹ر اگست ۱۸۰۳ء	۳۰	منشی
۳۸	غلام سبحان	″	″	″
۳۹	محمد عمر	″	″	″
۴۰	معین الدین	″	″	″
۴۱	مرزا محمد فطرت لکھنوی	۷ر نومبر ۱۸۰۳ء	۸۰	″
۴۲	میر بخشش علی	نومبر ۱۸۰۳ء	″	″

ہندستانی مصنّفین جو کالج کے ملازم نہیں تھے

حسب ذیل ہندستانی مصنفین و مولفین کالج کے ملازم نہیں تھے، لیکن گل کرسٹ نے کالج کے ہندستانی شعبے کے لئے ان سب سے کتابیں لکھوائی تھیں۔

۱	میر ابو القاسم	مصنف	حسنِ اختلاط
۲	باسط خان	مصنف	قصہ گلِ وصنوبر
۳	توتا رام	مصنف	دل ربا
۴	غلام حیدر	مترجم	گل و ہرمز
۵	شاکر علی	مترجم	الف لیلیٰ
۶	کندن لال	مترجم (؟)	قصہ کام روپ وکلا کام
۷	محمد بخش	مصنف	قصۂ فیروز شاہ
۸	حاجی مرزا مغل	مترجم	بوستان
۹	نہال چند لاہوری	مترجم	قصہ گلِ بکاولی
۱۰	مرزا علی لطف	مؤلف	گلشنِ ہند

مصنّفینؒ کے خودنوشت حالات

میر امّن	باغ و بہار
	گنجِ خوبی
بہادر علی حسینی	اخلاقِ ہندی
حفیظ الدین	خرد افروز
حیدر بخش حیدری	توتا کہانی
	آرائشِ محفل
شیر علی افسوسؔ	باغِ اُردو
کاظم علی جوانؔ	سکنتلا ناٹک
	بارہ ماسا
مرزا علی لطفؔ	گلشنِ ہند
نہال چند لاہوری	مذہبِ عشق

میر امّن

۱

باغ و بہار

منشا اس تالیف کا یہ ہے کہ سن ایک ہزار دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سے ایک عیسوی مطابق ایک ہزار دو سو سات سنِ فصلی کے عہد میں مارکویس ولزلی گورنر جنرل مارنگٹن صاحب کے ... چرچا علم کا پھیلا۔ صاحبانِ ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو کی زبان سے واقف ہو کر ہندستانیوں سے گفت و شنود کریں، اور ملکی کام کو بہ آگاہی تمام انجام دیں اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال بموجب فرمائش کے تالیف ہوئیں۔

جو صاحب دانا اور ہندستان کی زبان بولنے والے ہیں، اُن کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ قصہ چار درویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش، جو ان کے پیر تھے، اور درگاہ اُن کی دلّی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر مٹیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے، ان کی طبیعت ماندی ہوئی۔ تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی، تب انھوں نے غسلِ صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا، خدا کے فضل سے تن درست رہے گا جب یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا۔ اب خداوند نعمت صاحبِ مروّت، نجیبوں کے قدردان جان گل کرسٹ صاحب نے — کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے، جب تلک گنگا جمنا بہے، لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندستانی گفتگو میں، جو اردو کے لوگ، ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا، جیسے کوئی باتیں کرے۔

پہلے اپنا احوال یہ عاصی گنہگار، میر امّن دلّی والا بیان کرتا ہے۔ میرے بزرگ ہمایوں

بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں پشت بہ پشت جاں فشانی بجالاتے رہے، اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قدر دانی جتنی چاہیے، فرماتے رہے۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کر کر مالامال اور نہال کر دیا، اور خانہ زاد موروثی اور منصب دار قدیمی زبان مبارک سے فرمایا، چناں چہ یہ لقب پادشاہی دفتر میں داخل ہوا، جب ایسے گھر کی کہ جس سے سارے گھر آباد تھے، یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے ــــ عیاں راچہ بیاں، تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا، اور احمد شاہ درانی نے گھر بار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر ویسے شہر سے کہ وطن اور جنم بھومی میرا ہے، اور آنول نال وہیں گڑا ہے، جلا وطن ہوا اور ایسا جہاز کہ جس کا ناخدا پادشاہ تھا، غارت ہوا، میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے۔ کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا۔ کچھ بنی کچھ بگڑی آخر وہاں سے بھی پانو اکھڑے، روزگار نے موافقت نہ کی، عیال و اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہو، اشرف البلاد کلکتے میں آب و دانے کے زور سے آ پہنچا۔ چندے بے کاری میں گزری۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا، لیکن بناہ اپنا نہ دیکھا، تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جواں مرد کا دامن ہاتھ لگا ہے، چاہیئے، کہ دن کچھ بھلے آویں، نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پانو پھیلا کر سو رہتا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدردان کو کرتے ہیں، خدا قبول کرے۔

حقیقت اردو زبان کی بزرگوں کے منھ سے یوں سنی ہے کہ دلّی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجگی ہے۔ ان ہی کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا۔ سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوئے اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر امیر تیمور نے جن کے گھرانے میں اب تلک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے، ہندستان کو لیا ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا پھر ہمایوں بادشاہ پٹھانوں

کے ہاتھ سے حیران ہو کر ولایت گئے۔ آخر وہاں سے آن کر لپس ماندوں کو گوشمالی دی۔ کوئی مفسد باقی نہ رہا کہ فتنہ و فساد برپا کرے۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم، قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جُڑی جُدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔ جب حضرت شاہ جہاں صاحب قران نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا، اور تختِ طاؤس میں جواہر جڑوایا اور دل بادل سا خیمہ چوبوں پر استادہ کر طنابوں سے کھچوایا اور نواب علی مردان خاں نہر کو لے آیا، تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا، اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا۔ تب سے شاہ جہاں آباد مشہور ہوا، اگرچہ دلّی جدا ہے۔ وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے اور وہاں کے بازار کو اردوے معلیٰ خطاب دیا۔

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تلک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی۔ ہذا زبان اردو کی منجھتے منجھتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اُس سے ٹکر نہیں کھاتی، لیکن قدردان منصف چاہیے جو تجویز کرے، سو اب خدا نے بعد مدت کے جان گل کرسٹ صاحب دانا، نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور اگت سے اور تلاش و محنت سے قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں۔ اس سبب سے ہندستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہوا، اور نئے سر سے رونق زیادہ ہوئی نہیں تو اپنی دستار و گفتار و رفتار کو کوئی برا نہیں جانتا۔ اگر ایک گنوار سے پوچھئے تو شہر والوں کو نام رکھتا ہے، اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ خیر، عاقلاں خود می دانند۔

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا، شاہ عالم پورب کی طرف تھے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا، شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے، بادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی۔ ایک بارگی تباہی پڑی رئیس وہاں کے، میں کہیں تم کہیں ہو کر جہاں جس کی سینگ سمائے وہاں نکل گئے۔ جس ملک میں پہنچے وہاں کے آدمیوں کے ساتھ سنگت سے

بات چیت میں فرق آیا۔ اور بہت ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلی میں گئے اور رہے، وہ بھی کہاں تلک بول سکیں گے، کہیں نہ کہیں چوک ہی جائیں گے۔ اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑہ ہو کر رہا، اور دس پانچ پشتیں اُسی شہر میں گذریں، اور اُس نے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عرس، چھڑیاں، سیر تماشا، اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی، اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا، اُس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا دیکھتا یہاں تلک پہنچا ہے۔

خاتمۂ کتاب میں

جب یہ کتاب فضل الٰہی سے اختتام کو پہنچی، جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا رکھوں کہ اُسی میں تاریخ نکلے۔ جب حساب کیا تو بارہ سو پندرہ ہجری میں کہنا شروع کیا تھا۔ باعث عدم فرصت کے بارہ سو سترہ سن کی ابتدا میں انجام ہوئی۔ اس فکر میں تھا کہ دل نے کہا کہ 'باغ و بہار' اچھا نام ہے، کہ ہم نام و ہم تاریخ اس میں نکلتی ہے۔ تب میں نے یہی نام رکھا، جو کوئی اس کو پڑھے گا، گویا باغ کی سیر کرے گا۔ بلکہ باغ کو آفت خزاں کی بھی ہے، اور اس کو نہیں یہ ہمیشہ سرسبز رہے گا۔

مرتب ہوا جب یہ باغ و بہار — تھے سنہ بارہ سو سترہ در شمار
کرو سیراب اس کی تم رات دن — کہ ہے نام و تاریخ 'باغ و بہار'
خزاں کا نہیں اس میں آسیب کچھ — ہمیشہ تر و تازہ ہے یہ بہار
مرے خونِ دل سے یہ سیراب ہے — اور لختِ جگر کے ہیں سب برگ و بار
مجھے بھول جاویں گے سب بعدِ مرگ — رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھ کو کرے — یہی قاریوں سے مرا ہے قرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف — کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انساں مرکّب ز سہو و خطا — یہ چوکے گا، ہرچند ہو ہوشیار
میں اس کے سوا چاہتا کچھ نہیں — یہی ہے دعا میری اے کردگار

تری یاد میں میں رہوں دم بہ دم　　کٹے اس طرح میرا لیل و نہار
نہ پرسش کی سختی ہو مجھ پہ کبھو　　نہ شبِ گور کی اور نہ روزِ شمار
تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خدایا بہ حقِ رسولِ کبار

فہرست [مضامین] باغ و بہار کی

۲
گنجِ خوبی

... حمد و نعت کے بعد لازم ہے کہ صاحبِ ملک اور حاکمِ وقت یعنی اشرف الاشراف ولزلی مارکوئس گورنر جنرل لارڈ مارنگٹن بہادر کا وصف جو کچھ زبان کر سکے، کہوں، جن کے عمل میں آرام اور چین سے زندگی بسر ہوتی ہے۔ اور اُن کے دامنِ دولت [کے] سائے میں کسی کو گرم ہوا نہیں لگتی۔ جب خدا نے اپنے بندوں کو نہایت حیران و پریشان دیکھا، رحم کھا کر کسو سردار عمدہ، صاحبِ تدبیر، عالی دماغ، دلچل [؟] کے سپرد کرنے کو چاہا، تب حکمت الٰہی نے بادشاہِ انگلستان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اپنے معتمد اور مقرب، اور صلاح کار، صاحبِ شمشیر و قلم کو قایم و مقام حکم سلطنت کے سمجھ کر واسطے ابادی اور خبر گیری ملک کے، اور قدر دانی، اور فیض رسانی ہندوستان کے رئیسوں کے جن کی حالت بادشاہت کے بگڑنے سے بگڑ گئی ہے، متعین فرمایا۔ چناں چہ جس روز سے اس مملکت میں تشریف لائے، بڑے بڑے کام سرانجام پائے۔ رات دن جاہ و جلال جلو میں حاضر ہے، اور مملکت گیری کا عزم تمام ملک میں ظاہر ہے۔ بہت جو دھن ملک گیری کی منگ دل میں آئی، جدھر فوج بھیجی، ادھر فتح پائی۔ مرہٹے جب عالم گیر بادشاہ کے بعد عالم گیر ہو کر ہندوستان میں چھا گئے تھے، حضور کی فوج دریا موج کے سامنے مرہٹے اور کائی سے پھٹ کر ترّی برّی ہو گئے۔

وہ اقبال ہیں تیرے، جن کے حضور جو رستم بھی آوے تو ڈر کر ہٹے
پھر اوروں کا مذکور کیا ہے امیر اگر مرہٹے مرہٹے، مرہٹے

اور عین مقابلے کے وقت کا یہ قطعہ لطف کا ہے

پلٹن اور توپیں جب سنمکھ ہوئیں مرہٹے مصیبت کے مارے مڑ گئے
فیر سنتے ہی فقرو ہو چلے چھوٹی جب بندوق کوّے اڑ گئے

اور صاحبان عالی شان جو ارکان سلطنت کے ہیں، اُن کے حق میں معاملات ملکی

کے سمجھنے بوجھنے کے لئے یہ غور فرمائی کہ جلد خبردار اور واقف کار ہوکر کاروائی عدالت اور تحصیل کی کریں۔ لہذا بنا مدرسے [فورٹ ولیم کالج] کی ڈالی۔ اور مدرس صاحب فہم وفراست چن چن کر ایسے تجویز فرمائے کہ قانون اور ترکیب سمیت جس تربیت اور تعلیم کو بارہ برس چاہیے، سو وہ تین برس کے عرصے میں بہ خوبی ہوجاتی ہے، بلکہ ہر ایک ملک کی زبان سیکھنے میں آتی ہے۔ اور اشرف البلاد کلکتے میں حاکم نشیں محل سر شہر مقابل قلعہ کے ایسا تعمیر فرمایا کہ آج تک ہندستان میں اس نقشہ کا مکان کسو نے نہ آنکھوں سے دیکھا، اور نہ کانوں سے سنا تھا۔ اگر قلعہ کی طرف سے کھڑا ہو کر دیکھیے تو گویا شہر کی ناک ہے کہ قلعہ بجائے سر کے ہے، اور شہر جیسے دھڑ۔ اس عمارت کے بننے سے آن میں جان پڑی۔ اور جو حویلی کی سمت سے نظر دوڑے، تو جہاں تک نگاہ کام کرے ایک طرف سبزہ لہلہاتا ہے، اور دوسرے کنارے دریا لہریں کھاتا ہے، اور دریا اس تعمیر کو دیکھ کر جوجاتا ہے، اور اوس کی خوبیاں سمندر کو سناتا ہے، تو اوس کا دل لہراتا ہے، اور دریا کا بھیس بناکر ہر روز دیکھنے کو آتا ہے اور مجرا کرکے چلا جاتا ہے۔ اوس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ جوار بھاٹا ہے۔ اور چاروں طرف دور دور تک رستوں میں چھڑکاؤ جو ہوتا ہے، تو اصل یہ ہے کہ اس کی تعمیر کے فیض سے وہ سارا محلہ ابرو پاتا ہے، اور اتنی زمیں کا کلیجہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ اور جلوخانے کی شان تعلق دیکھنے سے رکھتی ہے۔ کلام میں اتنی گنجایش کہاں جو اوس کی وسعت کو بیان کرسکے غرض مرقع کا عالم آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ تاریخ بنا کی دل میں یہ آئی — قطعہ تاریخ

جب بنا یہ مکان عالی شان — وصف کر سکتی نہیں ہے جس کا زبان
پوچھی دل سے بنا کی میں تاریخ — بولا ہے جفت طاق نوشیرواں

جب دل نے یہ تاریخ برجستہ کہی، میں نے اپنے دل سے خوش کر بہت سی اوسے شاباشی دی، اور سراہا کہ یہ تو نے بے بناوٹ جتنی بات ٹھیک ہے، سو بیان کی، ہرگز اس میں دھوکا نہیں۔ بیت۔

اس عمارت کا جو کہ بانی ہے — خود بھی نوشیرواں ثانی ہے

آگے ارادہ زیادہ تعریف کرنے کا جی میں لاؤں تو علاحدہ ایک کتاب بناؤں۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ اب فقط دعا پر تمام کروں اور آگے اپنا کام کروں:

سلامت رہیں ولزلی لاٹ صاحب رہے قایم اُون کی یہ فرماں روائی
کوئی ایسا عادل، قدرداں، عمدہ ہوا ہے، نہ ہوگا، خدا کی دہائی

پس اب اس کتاب کے ترجمہ کرنے کی حقیقت لکھتا ہوں کہ خداوند نعمت، صاحب خلق و مروت، جان گل کرسٹ صاحب نے کہ زباں اردو کے قدردان اور فلک زدوں کے فیض رساں ہیں، اس بعید الوطن میرامن دلّی والے کو لطف و عنایت سے فرمایا کہ اخلاقِ محسنی جو فارسی کتاب ہے، اُوس کو اپنی زبان میں ترجمہ کرو تو صاحبانِ عالی شان کے درس کی خاطر مدرسے میں کام آوے۔ یہ موجب حکم اون کے سر آنکھوں سے قبول کیا۔ اس لئے کہ مرہون اُون کے احسان کا ہوں۔ آدمی سر پر سے تنکا اتارنے کا احسان یاد رکھتا ہے، اونھوں نے تو روزی سے لگا دیا، اور میں نے بھی اُونھیں کے سبب سے یہ پیشہ قبول کیا۔ قطعہ

رہیں شاد آباد گل کرسٹ صاحب رہیں اُون کے خوش آشنا یار بھائی
دلی مہربانی جو تھی روزِ اوّل اُوسے لطف سے تا بآخر نبھائی

اور بہ امید صلہ کے کہ حکم عام حضور کا ہوا ہے، واسطے پرورش اطفال کے اس کثیر العیال نے سنہ ایک ہزار دو سو سترہ ہجری میں مطابق اٹھارہ سے دو عیسوی کے باغ بہار کو تمام کر کے اس کو لکھنا شروع کیا۔ ازبس کہ جتنی خوبیاں انسان کو چاہئیں، اور دنیا کی نیک نامی اور خوش معاشی کے لئے درکار ہیں، سو سب اس میں بیان ہوئیں۔ اس واسطے اس کا نام بھی گنج خوبی رکھا۔

اب پڑھنے والے صاحبان والاشان کی خدمت شریف میں عرض کرتا ہوں کہ یہ کتاب عمل داری اور حکمرانی کے حق میں ایسی خوب ہے کہ اگر سیر میں رکھیں، اور اس پر عمل کریں تو بہت فائدے حاصل ہوں اور اپنے اپنے وقت پر کام آویں۔

لازم ہے اُوس کو جو پڑھے اخلاق محسنی مطلب کو سمجھے اور کرے اخلاق محسنی

لیکن فقط فارسی کے ہو بہو معنی کہنے میں کچھ لطف اور مزہ نہ دیکھا، اس لئے اصل کا مطلب لے کر اپنے محاورے میں سارا احوال بیان کیا، اور جس طرح شیخ سعدی شیرازی کی گلستاں بہ سبب کچھ فارسی کے مکتب میں پہلے سے کام آتی ہے، ویسے ہی میں نے اردوئے معلّا کی زبان

کہ بیچ درگاہ جسے بادشاہ سے لے کر امرا اور رائن کے ملازم بولتے ہیں، بولا، والا عربی وفارسی کی لغتیں، اصطلاحیں چاہتا تو بہت سی بھر دیتا، لیکن یہ کچھ کیفیت نہ پاتی بلکہ امیزش پاکر کچھ زبان اور کی اور ہو جاتی۔ اب یہ مبتدی کے واسطے فائدہ مند اور منتہی صاحب دریافت کو پسند آوے گی کہ کیا بے لگاو دریاو کی مانند اس کی عبارت رواں، اور مثال گھوڑے بادپا کے کہ میدان ہموار اور صاف پاتا ہے، دواں ہے۔ اور قریب ہزار بیت استادوں کے جو مصنف نے کتابوں سے چن چن کر ہر ایک مضمون کے ہر موقع پر تشنہ ڈالیں ہیں، ان کو بھی اپنی سمجھ کے موافق جوں کا توں ہندی میں نظم کیا۔ اگرچہ فکر سخن کی ساری عمر نہیں کی، ہاں مگر خود بہ خود کوئی مضمون دل میں آیا تو اُسے باندھ ڈالا۔ نہ کسو کا استاد نہ کسو کا شاگرد

نہ شاعر ہوں، اور نہ شاعر کا بھائی فقط میں نے کی اپنی طبع آزمائی

یہ واجبی واجبی اس لئے کہتا ہوں کہ جو کوئی اس کو دیکھے یا پڑھے زبان طعن کی نہ کھولے اور اپنے بھی گریبان میں منہ ڈالے کہ سہو وخطا سے کوئی بشر خالی نہیں، اور ناحق کی عیب جوئی خلق انسانیت سے بعید ہے، اور کہنے اور کرنے میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ کیوں کہ ایک شخص خون جگر کھاتا ہے، اور دوسرا نری باتیں بناتا ہے۔ اس بات کو جو جانے گا سو مانے گا، و جو نہ جانے گا، سو کیا مانے گا۔ ابیات

یوں تو دانا ہیں بہت کچھ کہہ گئے پر مجھے دو یاد ملتے رہ گئے

آدمی کو چاہیے خود بیں نہ ہو دوسرے کے واسطے بد بیں نہ ہو

اب اس جگہ سے اصل کی نقل شروع ہوئی۔ . .

پہلا باب عبادت میں

یعنی خدا کی بندگی کرنے میں، ایسا خدا کہ پاک، اور برتر ہے، لیکن ساتھ ادا کرنے فرض اور واجب کے ترک کرنا بدی اور حرام کا، اور محکوم ہونا اوس کے حکم کا، اور نہ کرنا اوس کو جو اس نے منع کیا ہے، اور تابع ہونا اور پیروی کرنی سنت حضرت رسالت پناہ کی، اور یہ یقین جاننا چاہیے کہ بندگی حق سبحانہ تعالیٰ کی دنیا میں سبب سلامتی اور رہنمائی کا ہے، اور عاقبت میں وسیلہ خلصی اور رہائی کا۔ بیت

دنیا میں نیک بختی کی پونجی ہے بندگی — اور عاقبت میں زیب بزرگی ہے بندگی

پس بادشاہ کو چاہیے کہ اپنی زندگی کے صفحہ کو نقش عبادت سے آراستہ کرے، تو خدائے تعالیٰ اپنی توجہ سے دونوں جہاں میں، جو اوس کو چاہئے اور اوس کے لایق ہو عنایت کرے، اور فرمان برادری خدا کی موافق اپنی حکم رانی کے لازم پہچانے، دن کو انصاف و عدل، اور سلطنت کا کام اور رات کو بندگی اور عبادت میں تمام کرے۔

روایت

کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کو جب خلافت ظاہری ہوئی یعنی نبی کی مسند پر بیٹھے، ہمیشہ دن کو خلق اللہ کے کاروبار میں مشغول رہتے اور رات کو بندگی خالق کی بجالاتے۔ اصحابوں نے عرض کی اے سردار مومنوں کے! اتنی محنت اپنے اوپر کیوں روا رکھتے ہو۔ نہ دن کو آرام فرماتے ہو اور نہ رات کو ذرہ چین سے سو جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر روز کو آسایش کروں تو رعیت خراب و تباہ ہو، اور جو شب کو استراحت کروں تو کل روز حشر میں حیران و پریشان رہوں، اور خدا کو کیا جواب دوں، اس لئے دن کو آدمیوں کا کام کرتا ہوں، اور رات کو خدا کے کام میں مشغول رہتا ہوں۔

حکایت

ہرات کے کسو بادشاہ نے التماس کیا کہ مجھے نصیحت کرو۔ فرمایا اگر دنیا میں رستگاری اور عقبیٰ میں مرتبہ اور مخلصی چاہتا ہے تو رات کو خدا کی درگاہ میں فقیر ہو کر اپنی حاجت مانگ اور دن کو بادشاہ بن کر دربار عام کر بیٹھ اور محتاجوں کی حاجت بر لا۔ قطعہ

بندے خدا کے جب تیرے محکوم سب ہوئے — تو بھی خدا کی بندگی اور حکم اوس کا کر

جو بادشاہ خدمتِ حق میں بہت ہے چست — خدمت میں اس کی خلق بھی باندھے گی سب کمر

اور خو رعیت کی، بادشاہ کی خو کے تابع ہے۔ اور آدمیوں کا دین پادشاہوں کے دین کے موافق۔ پس جس وقت بادشاہ خواہش طاعت اور بندگی کی رکھے، رعیت بھی اوسی کام میں رغبت اور دل دہی کریں اور ثواب رعیت کی عبادت کا بھی بادشاہ کے نام لکھا جائے۔

[کتاب میں چالیس ابواب ہیں، جن کی فہرست حسب ذیل ہے]

* تیقظ کے معنی ہوشیاری ہے..... اور خبرت کے معنی خبرداری ہے (گنج خوبی)

[خاتمۂ کتاب]

ختم ہوا کہ یہ رسالہ جس میں بہت سے بھید دانائی کے اور حقیقت جو صاحبان دولت واقبال کی کارروائی اور حکم رانی کو لائق تھیں، ہیں۔ اور نام اس کتاب کا کہ اسمِ مبارک پر اس بزرگ کے ہے، اُسی سے تاریخ اس کے تمام ہونے کی معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ

میں نے کہا قلم سے کیا تو نے سر کو پانو   تیرے قدم سے چشم سخن کو ہے روشنی
اخلاق محسنی تو تمام اب لکھی گئی   تاریخ اس کی لکھ لے تو اخلاق محسنی

فضل الٰہی سے اس ترجمے نے بہ خوبی انجام پایا، اب دعا پر اُس والی ملک اور صاحب جاہ جلال کے جس کی نیت خلق اللہ کی رفاہیت پر مصروف ہے، تمام کرتا ہوں۔ قطعہ

جب تلک آسماں کو ہے گردش   اور پانی پہ ہے زمیں کو قرار
لارڈ صاحب ہو اور دنیا ہو   رہیں اقبال وتخت ودولت یار

اب امید ہے کہ جو منصف پر مغز ہیں، دیکھ کر محظوظ ہوویں اور اگر کہیں چوک پاویں پردہ پوشی فرمادیں، اور جو خود پسند بے مغز ہوں، ان کی نگاہ بد سے محفوظ اور پوشیدہ رہے

قطعہ

گنجِ خوبی یہ جب ہوا معمور   تب دعا مانگی میں نے یا اللہ
دوستوں کے تئیں مبارک ہو   نہ پڑے حاسدوں کی اس پہ نگاہ

بہادر علی حسینی

اخلاقِ ہندی

اس کتاب کو ہندی میں ہوپدیس یعنی نصیحتِ مفید کہتے ہیں، اور اس میں چار باب مندرج ہیں ایک میں ذکر دوستی کا، دوسرے میں دوستوں کی جدائی کا، تیسرے میں لڑائی کی ایسی باتوں کا جو [جس سے ؟] اپنی فتح ہو اور مخالف کی شکست، [اور] چوتھے میں کیفیت ملاپ کی، خواہ لڑائی کے آگے ہو یا پیچھے۔ غرض ایسے عجیب وغریب قصوں میں قصے لپٹے ہوئے ہیں، جن کو دیکھنے اور سننے سے آدمی دنیا کے کاروبار میں بہت ہوشیار، نہایت چالاک ہو جائے۔ علاوہ اس کے بھلی بُری حرکتیں ہر ایک کی نظر میں آجاویں۔ چناں چہ یہ کتاب سرکار دولت مدار میں ملک الملوک شاہ نصیرالدین کی جس کی تخت گاہ صوبہ بہار تھی پہنچی، جب انھوں نے سنا اس میں قصے ازبس کہ دل چسپ ہیں اور نصیحتیں نہایت مرغوب اور باتیں بہت خوب اور حکایتیں اکثر مفید، تب اپنے ملازموں [میں] سے ایک کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ اس کو ترجمہ سلیس فارسی میں کر دو تو میں اپنے مطالعے میں رکھوں، اور اوس کے مضمون سے مستفید ہوں۔ تب اون میں سے ایک شخص حکم بجا لایا، اور نام اوس کا مفرحِ القلوب رکھا۔ بالفعل اس عاصی میر بہادر علی حسینی نے سنہ اٹھارہ سو دو عیسوی (۱۸۰۲ء) میں مطابق سنہ بارہ سے سترہ ہجری (۱۲۱۷ھ) کے فرمانے سے صاحب خداوند نعمت جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے زبان فارسی سے ترجمہ سلیس روزمرہ ریختے میں، جسے خاص و عام بولتے ہیں کیا، اور نام اس کا اخلاق ہندی رکھا، جو کوئی اس پر عمل کرے گا، تو دل ودماغ اوس کا عقل کی بو سے ہر دم تازہ ہوگا، اور اکثر دانائی کی باتوں سے واقف ہو کر ہمیشہ خوش وخورم رہے گا۔

شیخ حفیظ الدین

خرد افروز

شیخ حفیظ الدین احمد بن شیخ جلال الدین محمد بن شیخ محمد ذاکر صدیقی کہتا ہے کہ اس فقیر کے جد پہلے عرب سے دکن کو آئے، بعد کو دو تین پشتوں کے شیخ حسن مرحوم و مغفور جنتہ البلاد بنگالے کو تشریف لائے ان کے عہد سے پانچ پشت تلک توکل و عبارت میں گذری چناں چہ اون کی اولاد سے شیخ سعدی عرف شاہ بڑاں قدس سرہ نے حضرت شاہ عنایت اللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جو حضرت شاہ عبداللہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے، نعمتیں حاصل کیں، اور ان سے تلقین ہو کر زہد و ریاضت میں حد سے زیادہ کمال کو پہنچے۔ بہ حسنِ اتفاق حضرت قبلہ مدظلہ السامی نے پیشہ نوکری کا اختیار کیا۔

اس حقیر نے تیس برس کے سن تلک ہیس ٹنگز صاحب کے مدرسے [کلکتہ مدرسہ] میں رہ کر علوم عربی و فارسی سے فراغت کی، تب تحصیل علم کے بعد معیشت میں، جو انسان کو لازم ہے در آیا۔ اور کمپنی بہادر کے اس مدرسہ عالیہ [فورٹ ولیم کالج] میں نوکر ہوا کہ جس کی بنا امیر پر تدبیر فتح نصیب، فتح شکوہ، افلاطون منش، عالی جاہ، فلک بارگاہِ انگلستان، اشرف الاشراف، مارکوئس ولزلی، گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد میں ہوئی، کہ جس کے وقت میں داناؤں کی عزت، عالموں کی توقیر، سرکشوں کی تادیب، ظالموں کی تنبیہ بہ مرتبہ ہے۔

حیدر بخش حیدری

۱

توتا کہانی

یہ سید حیدر بخش متخلص بہ حیدری شاہ جہاں آبادی، تعلیم یافتۂ مجلس نواب علی ابراہیم خاں بہادر مرحوم، شاگرد مولوی غلام حسین غازی پوری، دست گرفتۂ صاحب عالی جناب، سخن دان، ابرو بخش سخن وراں، معدنِ مروت و چشمۂ فتوت، دریائے جود و کرم، منبع علم و حلم، خداوند خدائیگاں والاشان جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کا ہے۔ اگرچہ تھوڑا بہت ربط موافق اپنے حوصلے کے عبارت فارسی سے بھی رکھتا ہے لیکن بموجب فرمایش صاحب موصوف کے سن بارہ سے پندرہ ہجری، مطابق اٹھارہ سو ایک عیسوی کے حکومت میں سرگروہ امیرانِ جہاں، حامی غریبان و بے کساں، و زبدۂ نوئینان عظیم الشان مشیر خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان، مارکوِیس ویلزلی، گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے محمد قادری کے طوطی نامے کو جس کا ماخذ طوطی نامہ ضیاالدین نخشبی ہے زبان ہندی میں موافق محاورہ اردوے معلّا کے نثر میں عبارت سلیس و خوب، و الفاظ رنگین و مرغوب سے ترجمہ کیا اور نام اس کا توتا کہانی رکھا، تاکہ صاحبان نوآموز کے فہم میں جلد آوے۔ اور یہ ہیچ مدان ہر ایک اہل سخن سے امید رکھتا ہے کہ جو کوئی چشم غور سے اس ترجمے کو ملاحظہ کرے، اور غلطیِ معنی یا نامربوطی الفاظ [پر] اس کے نظر پڑے، تو وہ شمشیر قلم سے اس صفحہ ہستی سے اڑا دے:

جو بہرِ اصلاح اس پہ رکھے قلم　　الٰہی نہ دنیا کبھی اُس کو غم
الٰہی بہ حق امامِ انام　　یہ جلدی ہو مجھ سے کہانی تمام

آمدم بر سرِ مطلب، سنا چاہیے کہ کیا کیا خون جگر کھایا ہے اور کیا کیا مضمون باندھا ہے۔

خاتمۂ کتاب

یہ تاریخ بیست و ششم شہرِ ذیعقدہ سنہ مرقوم متہ الصدر، روز پنج شنبہ بہ وقت

شام، بہ خوبی تمام، خدا کے فضل سے یہ قصۂ شیریں کلام انجام کو پہنچا۔ اور توتا کہانی اس کا نام رکھا۔ قطعہ

کہانی ہوئی ختم جب حیدری ۔۔۔ تو ہاتف نے نام اس کا سن کر کہا
سر آہ کو کھینچ کر تو نے خوب ۔۔۔ رکھا نام توتا کہانی بجا

ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ہندی میں حرف طوے نہیں اور اس حقیر نے طوطی نامہ فارسی کو زبان ریختہ میں لکھا، اس واسطے اس طوطی کی طوے کو تے سے بدل کیا۔

۲
آرائش محفل

الٰہی دے مجھے روشن بیانی ۔۔۔ کہ تا دل پر کھلے راز نہانی
زباں کو مخزنِ تقریر کر دے ۔۔۔ دہن کو گوہرِ معنی سے بھر دے
کمیتِ خامہ کو مرے لگا پر ۔۔۔ یم معنی میں مجھ کو آشنا کر
پلادے مجھ کو جامِ ارغوانی ۔۔۔ کہ جس سے طے ہو حاتم کی کہانی
کہیں سن کر اسے اربابِ اردو ۔۔۔ کہ ہے یہ گوہرِ نایابِ اردو

یہ قصہ عبارت سلیس سے زبان فارسی میں کسی شخص نے آگے لکھا تھا، اب اس سے حیدر بخش تخلص بہ حیدری، دہلی کے رہنے والے، نے امیر والا تدبیر، پشت پناہ ہر پیر و جواں دست گیر درماندگان و بے کساں، نوشیروانِ وقت، ہمایوں بخت، زبدۂ نوآئینان عظیم الشان، مشیرِ خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان، مارکوئیس ولزلی، گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کی حکومت میں، اور خداوندِ خدایگان، والا شان، عالی خاندان، جان گل کرسٹ صاحب دام اقبالہ کے حکم سے سنہ بارہ سے سولہ ہجری اور اٹھارہ سو ایک عیسوی کے موافق اور سنہ جلوس تینتالیس[۴۳] شاہ عالم بادشاہ غازی کے مطابق زبان ریختہ میں اپنی طبع کے موافق، اس کتاب سے جو ہاتھ لگی تھی، ترجمہ نثر میں کیا اور اس کا نام آرائش محفل رکھا۔ مگر اکثر اس میں اپنی طبیعت سے جہاں جہاں موقع اور مناسب پایا وہاں زیادتیاں کیں تاکہ قصہ طولانی ہو جائے، اور سننے والوں کو خوش آئے۔

شیر علی افسوس

باغِ اردو

عاصی شیر علی، ابن سید مظفر علی خاں، ابن غلام مصطفیٰ خاں مرحوم و مغفور، متخلص بہ افسوس کہتا ہے کہ اصل اس حقیر کی ملکِ خاف (قاف) ہے، اور قوم سادات۔ لیکن آبا و اجداد جو ہندوستان میں آئے اور توطن انھوں نے اپنا قصبۂ نارنول میں کیا، اس سبب سے نارنولی مشہور ہوئے۔ مگر جد و پدر اس کے، عہد میں بادشاہ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے شاہ جہاں آباد میں وارد ہوئے اور رفاقت نواب عمدۃ الملک امیر خاں جنت مکان کی اختیار کی چناں چہ کمال ۔ ۔ ۔ (اکرم خوردہ) ان کو اس سرکار میں ہوئی۔ تب انھوں نے استقامت اور سکونت شہر مذکور میں کی، اور اس عاصی کا مولد وہی شہر ہے۔ بعد برہم ہونے سلطنت کے اور وفات نواب صاحب مغفور کے، ایک مدت مدید والدِ مرحوم خانہ نشین رہے۔ آخر دلّی کو چھوڑا، اور روزگار بنگالے کے صوبہ داروں کا کیا۔ اُن دنوں میں فقیر کا سن گیارہ برس کا تھا۔ گلستاں پڑھتا تھا اور سیر دیوانِ ولی کی اکثر کرتا تھا۔ طبیعت موزوں ان ایام میں بھی تھی، چناں چہ کئی شعر اوقات مذکورہ میں بہ وضع قدما کے کہے تھے۔ یہ مطلع بھی انھیں میں سے ہے ؎

اے پیارے تیرے اس حسنِ رنگیں کا خدا حافظ　　تیری اس زلف پرچیں کا خدا حافظ

قصہ کوتاہ والد ماجد نواب جعفر علی خاں مرحوم کے واقعے تلک بھی عظیم آباد میں تھے۔ بعد اس سانحے کے لکھنؤ میں آئے، اور حقیر اُن سے دو برس پہلے یہاں آچکا تھا۔ آخر وے تو حیدر آباد کو تشریف لے گئے، اور بعد چند روز کے وہیں بہ قضائے الٰہی بہشت نصیب ہوئے۔ لیکن میں نے بود و باش اپنی یہیں ٹھہرائی، اور ابتدائے جوانی سے سرکار میں نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کے پرورش پائی۔ بلکہ جب تک مرشد زادۂ آفاق، صاحبِ عالم، جہاں دار شاہ جنت آرام گاہ رونق افروز لکھنؤ کے ہوئے، تب تک اسی سرکار میں بہ عہدۂ مصاحبت سرفراز تھا۔

ان دنوں بھی فکرِ شعر سخن تھی، لیکن تحصیل علوم عربیہ میں نہایت معروف تھا۔ مشقِ سخن اس خام طبع کی اہل سخن کے نزدیک بہ پختگی کو پہنچ چکی تھی، اور دیوان بھی مرتب ہو چکا تھا چناں چہ کلام اس ہیچ مدان کا مرشد زادۂ آفاق کو نہایت پسند آیا، اور خواصیانِ حضور میں بہ عہدۂ شاعری سرفراز فرمایا۔ بہ سبب ان کی قدردانی کے بیشتر اوقات بندہ فکرِ سخن میں رہتا تھا۔ غرض جب انھوں نے رحلت فرمائی تب میں نے شعر و سخن ترک کیا مگر درس و تدریس سے سروکار رکھا۔ خرچ روزمرہ کا، نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں بہادر کی بدولت، جو کچھ مقدر تھا پہنچ جاتا تھا اور تکلیف نوکری کی کچھ نہ تھی۔ غرض اس بزرگ کے اخلاق اور خوبیوں کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ خدا اس کو جزائے خیر دیوے اور جنت الماویٰ میں درجہ اعلیٰ عطا کرے۔

ستائیسویں تاریخ [جمادی الاول] روز جمعہ کہ وہی سترہویں ماہ اکتوبر کی تھی سن ہجری بارہ سے پندرہ تھے اور سن عیسوی اٹھارہ سو ایک تھا*(؟) کہ صاحب جلیل القدر کرنل اسکاٹ بہادر نے مجھے بلوا بھیجا اور کلام میرا سنا کمال الطاف و نوازش سے فرمایا کہ تو سرکار کمپنی دام دولتہم کے ملازموں میں اسی تاریخ سے سرفراز ہوا۔ بہ دل جمعی تمام کلکتے کو روانہ ہو کہ صاحب عالی شان دام ظلہم زبان اردو کا محاورہ اور صحت دریافت کیا چاہتے ہیں۔ برائے اس کے تجھے طلب کیا ہے۔

یہ ہیچ مدان اگرچہ لیاقت موافق اساتذۂ سابق کے نہ رکھتا تھا اور اس فن سے بھی دل برداشتہ تھا، پر قدردانی اس بزرگ کو دیکھا اور صاحبوں کو جوہر شناس سمجھا (فی الواقع قدردانِ اہل فن اور عزت بخشِ سخن ان سے بہتر کوئی نہیں اور ان کی سرکار مجمع علما و طلبا ہے)، عازم اس ملک کا ہوا اور آب و دانہ یہاں لے آیا۔ غرض صاحبان ذوی الاحترام کی قدردانی جتنی سنی تھی اُس سے دوچند دیکھی۔ واقعی اس ملک میں انھیں کے سبب اس ہیچ مدان کی اس قدر عزت ہوئی اور اس کے کلام نے اتنی رونق پکڑی۔ ورنہ

---

*تقویم کے مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۰۰ء کو جمعہ کا دن تھا اور ہجری تاریخ ۲۷ جمادی الاول ۱۲۱۵ھ تھی۔

یہ کس قطار میں اور اس کا کلام کس شمار میں۔ لیکن تعلق میرا مدرسہ ہندی سے ہوا بہ بنا اس کے بسا اوقات خدمت میں صاحب عالی طبیعت، والا فطنت مدرس ہندی مہربان گل کرسٹ صاحب دام ثروتہ، کہ جامع قوانین اس زبان کے ہیں، حاضر ہونے لگا۔ ایک دن صاحب موصوف نے مہربانی سے فرمایا کہ تو گلستانِ سعدی شیرازی کو زبان اردو میں ترجمہ کر۔ میں نے دھیان کیا کہ عبارت اس کی بہ ظاہر صاف و بہ باطن پیچ دار ہے۔ اور رتبہ اپنی قوتِ تالیف کا اور شیخ مرحوم کی تصنیف کا جو خیال کیا، تو کسی طرح کی نسبت نہ پائی۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

ارادہ کیا کہ اُس سے پہلو تہی کروں، اور سرِ عجز آگے دھروں۔ پھر دل میں سوچ آیا کہ مبادا حاشیۂ خیال میں اُن کے (گل کرسٹ کے) گذرے کہ اس نے ہمارا کہنا نہ مانا، اور اس بات کو سہل جانا۔ تب قصد کیا کہ ایک حکایت طولانی کہ نظم و نثر اس میں کثرت سے ہو اس سے ترجمہ کروں اگر [حکایت] بہ خوبی سرانجام ہوئی اور اہلِ معانی کے پسند پڑی تو فبہا، والا صاحب ممدوح سے اس امر کی معافی چاہوں گا۔ چناں چہ قاضی ہمدان کی حکایت کا ترجمہ کیا اور وہ علما و عقلا و چند شعرا کہ یہاں تھے، ان کی پسند پڑا۔ تب اس ضعیف نے کمرِ ہمت بہ قوت باندھی اور سعیِ بلیغ کی۔ بارے فضل ایزدی اور لطف سرمدی سے تمام کتاب زبان اردو میں لکھی اور مقبول خاص و عام کی ہوئی۔ نام اس کا باغ اردو رکھا۔ چناں چہ اُس کے شروع کی تاریخ بھی اسی میں سے نکلتی ہے۔

میں تاریخ اس کی جوں چاہا مع نام کہوں دل چسپ بہ آئینِ نیکو
کہ اس میں ہاتفِ غیبی یہ بولا ہے آغاز اُردوے باغِ اردو

لیکن فی الحقیقت یہ کتاب جب مقبول ہوگی، جو حضور میں امیر والا تدبیر، عادل بے نظیر، پشت پناہ کہتر و مہتر، غریب پرور، قدر افزائے علما و شعرا، راحت رسانِ سینہ ریشاں، چارہ سازِ بے چارگاں و درویشاں، بانیِ مدرسۂ علم و فضل، ماحیِ بنیاد ظلم و جہل سے

حمایت اگر اس کی پشہ بھی پائے تو ہاتھی کو ہرگز نہ خاطر میں لائے
جو ابرِ کرم اس کا برسائے زر تو ہر ایک گدا لیوے دامن کو بھر

بیاں کیا کروں دانش و عقل کو فلاطوں بھی اُس سے تعلیم ہو
سخاوت، شجاعت، کرامت، کرم عیاں اس میں سب ہیں بوجہ اتم

زبدۂ نوئینان عالی شان مشیرِ خاص شاہِ کیواں بارگاہِ انگلستان، مارکوئیس ویلزلی گورنر جنرل بہادر اقبالہ کے قبول ہو گی ؎

پسند آئے جو اس کی بہار رہے تازگی اس کی لیل و نہار

اگرچہ اس باغ کے گل اور پھول بے مقدار ہیں، اور کم تر از خار، لیکن توقع اس ابر کرم سے یہ ہے کہ متوجہ اس پر ہووے اور اپنے تفضلات کے رشحات سے شاداب کرے، مینہ ہر جگہ برستا ہے، گل و خار اس کے فیض سے کوئی محروم نہیں رہتا ؎

کرم سے ہوں تیرے یہ امیدوار نظر مہر کی اس پہ ہو ایک بار

کاظم علی جوان

سکنتلا ناٹک[1]

یہ ہیچ مداں ہر صغیر و کبیر کی دریافت کے لئے اس روزگار کے سرشتے سے کہ سرکار کمپنی بہادر دام قبالہ کے مقرر ہوا بیان کرتا ہے۔

کرنل اسکاٹ صاحب جو لکھنؤ کے بڑے صاحب [رزیڈنٹ] ہیں، انھوں نے حسب الطّلب گورنر جنرل بہادر دام ملکہ کے سنہ ۱۸۰۰ء عیسوی میں کتنے شاعروں کو سرکار عالی [کمپنی] کے ملازموں میں سرفراز فرماکر اشرف البلاد کلکتے کو روانہ کیا۔ انھوں میں احقر بھی یہاں وارد ہوا، اور موافق حکم حضور خدمت میں مدرّس ہندی کے، جو صاحب والا مناقب جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام ظلہ ہیں، شرف اندوز ہوا۔ دوسرے ہی دن انھوں نے نہایت مہربانی و الطاف سے ارشاد فرمایا کہ سکونتلا [سکنتلا] ناٹک کا ترجمہ اپنی زبان کے موافق کرو اور للوجی کب کو حکم کیا کہ بلا ناغہ لکھایا کرے۔

اگرچہ کبھی سوا نظم کے نثر کی مشق نہ تھی، لیکن خدا کے فضل سے بہ خوبی انصرام ہوا کہ جس نے سنا پسند کیا، اور اچھا کہا۔ بہت سا پڑھنے لکھنے میں آیا، اور کچھ چھپ کر اتفاقات سے رہ گیا۔ اِن دنوں میں کہ سنہ ۱۸۰۴ء ہیں، اور احقر قرآن شریف کے ہندی ترجمے کا محاورہ درست کرتا ہے، ممدوح نے فرمایا کہ "ہم چاہتے ہیں کہ اب اس کتاب کو سرِ نو چھپوادیں۔ نظرِ ثانی لازم ہے۔" اور اُسی کب کو فرمایا کہ تم بھی اسی کتاب سے مقابلہ کرو کہ اگر کہیں مطلب کی کمی بیشی ہوئی ہو، نہ رہے۔ چناں چہ ہم اُن کا فرمانا بجا لائے۔ پھر موافق حکم صاحب کے بندے نے تھوڑا سا دیباچہ اور بھی لکھا و اِلّا نہ اگلا یہی ہے۔

خدا کا نام لے پہلے زباں پر
لگا پھر دل کو اپنے داستاں پر

یہ قصہ فرخ سیر بادشاہ کی سلطنت میں سنسکرت سے برج بھاکھا میں ترجمہ ہوا تھا، اب شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں اور زبدۂ نوئینان عظم الشان، مشیرِ خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان اشرف الاشراف، مارکوایس ولزلی، گورنر جنرل بہادر دام دولتہ کی حکومت میں سنہ ۱۸۰۱ء میں مطابق سنہ ۱۲۱۵ء

ہجری کے جناب گل کرسٹ صاحب بہادر دام ظلہ کے حسب الحکم کاظم علی جوان نے اسے زبان ریختہ میں بیان کیا۔

اس داستان کے لکھنے والے نے یوں لکھا ہے کہ فرخ سیر بادشاہ کے فدویوں میں سے مولی خاں فدائی خاں کے بیٹے نے جب ایک لڑائی ماری، تب حضور پر نور سے اس کا خطاب عظیم خاں ہوا۔ اُسی ایام میں اس نے نواز کبشور کو حکم کیا کہ سکونتلا ناٹک جو سنسکرت میں ہے برج کی بولی میں کہہ۔ اس کبشور نے یہ کہانی کبت دہرے میں کہی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور جو انگریزی میں ہے، سو سنسکرت سے ہوا ہے۔ اگر اس میں اور اس میں کچھ فرق ہو تو ممکن ہے۔

اب صاحبان دانش و بینش کی خدمت میں التماس میرا یہ ہے کہ چشم و گوش انصاف کھولیں، اور ذرا منصفی سے بولیں کہ کبت اور دہرے کا ترجمہ جیسا چاہیئے ویسا زبان ریختہ میں کب ہو سکتا ہے۔ اس کے اور اس کے مضمون کی بندش کا فرق کھلا ہوا ہے۔ بیان کی احتیاج کیا۔

طرز اُس کی جدا، اس کا ترالا طور ہے
اُس کا عالم اور ہے، اور اِس کا عالم اور ہے

قطع نظر اس سے کہ کبت ہو یا دوہرا، نظم کا ترجمہ نثر میں طبیعت کو منتشر کرتا ہے کیا کیا!

لکھ لیے اِس لئے دو چار فقرے — اگر جائے تامل ہو کسی جا
گرفت اس میں نہ ہو اہل خرد کو — کہ اس مضموں کا یہاں طور یہ تھا
دگر، دیکھیں خطا تو بھی سمجھ کر — معاف اس کو کریں ہو لطف فرما
کہ خالی ہے بشر کوئی خطا سے؟ — کسی کو اس میں طعنے کوئی دے کیا؟
جوان بس دل لگا تو داستاں پر — یہاں سے یوں ہے اب آغاز اس کا

۲

بارہ ماسا

سبب تالیف کا کہتا ہوں میں اب لگا کر دل سنو اس کے تئیں سب
کتابیں کر چکا تالیف جب دو کہا اِس صاحب والا نے مجھکو
کہ جس کے تابع فرمان ہوں میں رہینِ شکر اور احسان ہوں میں
بہ تصحیح کتب دل کو لگا کر حضوری میں میرے حاضر رہا کر
بجالایا میں ان کا حکم تھا جو کہا پھر بعد یک مدت کے مجھکو
کہ یہاں حاضر بھی رہ اور فکر کر کچھ نوازش ہم کو ہے مد نظر کچھ
چناں چہ تھا یہی ارشاد ان کا کہ منظوم ایک لکھ تو بارہ ماسا
کیا میں نے قبول ان کا یہ ارشاد تو وہیں سے اس کی ڈالی پہلے بنیاد
سنائے بعد چندے کتنے اشعار پسند ان کو کچھ ہوے اور کی یہ گفتار
اجازت تجھکو یہ دیتے ہیں اب ہم بہ خاطر جمع مضموں کر فراہم
تو اپنے بیٹھ کر گھر میں کرا تمام سپرد اب ہم نے یہ کیا کام
ولے چھوٹے نہ اس میں کوی تہوار موافق مہر و مہ کے کیجو اظہار
اور اس میں رسمیں جو گبر و مسلماں بجالاتے ہیں، لکھیو اُس کے عنواں

خاتمہ کتاب

ہزار احسان و شکر حق ہے اب تو کہ حسب الحکم تھا صاحب کا جو جو
ہوا آیینِ نیکو سے سر انجام رہے گا اس میں برسوں تک مرا نام
حساب آغاز سے انجام تک جو کیا میں نے مہینوں کا تو مجھکو
کہا ہر ایک نے، یہ مثنوی سب ہوئی چھ مہینے میں مرتب
ہوئی ہاتف کی جو تائید مجھ پر کہ میری ہے طبیعت کا وہ رہبر
تو وہیں یہ مژدۂ تاریخ پہنچا یہی تو ہند کا دستور رہے گا
جو آن بس ختم کر یہاں سے سخن کو کیا محظوظ اہل انجمن کو

مرزا علی لطفؔ

گلشن ہند

بعد حمد و صلواۃ کے، رنگ دینے والوں کو چمن و بیان کے معلوم ہوئے کہ شاہ گیتی افروز، روشن ضمیر، شاہ عالم بادشاہ غازی کی بادشاہت میں، اور شمع شبستانِ دولت و اقبال وزیر اعظمِ ہندوستان، نواب وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاہ یحییٰ خاں بہادر، ہزبر جنگ کی وزارت میں، اور رونقِ بزم انصاف و عدالت نواب عماد الدولہ امیر الممالک گورنر جنرل، وارن ہیسٹن [ہیسٹنگز] جلاوت جنگ کی ریاست و امارت میں علی ابراہیم خاں مرحوم نے ایک تذکرہ شعرائے ہند کا عبارت فارسی میں لکھا ہے اور نام اس کا گلزار ابراہیم رکھا ہے۔ سنہ ۱۱۹۸ گیارہ سو اٹھانوے ہجری اور ایک ہزار سات سو چوراسی عیسوی [۱۷۸۴ء] میں وہ تذکرہ تمام ہوا مشہور یوں ہے کہ بارہ برس میں سرانجام ہوا۔ رفتہ رفتہ جب سر حلقۂ بزم نکتہ دانی، رونق افزائے محفل معانی، سخن کی جان، اور سخن دانوں کے قدر دان صاحب والا مناقب مسٹر گل کرسٹ صاحب کی نظر مبارک سے گذرا، ازبس کہ شاعروں کا احوال اس میں مجمل لکھا تھا، ایک مدت سے صاحبِ عالی حوصلہ کو خیال اس بات کا تھا کہ اگر بیان اس کا مفصل زبان ریختہ میں کیا جائے تو خوب ہو، اور ہر ایک شاعر کی پوری غزل اپنا جلوہ دکھائے تو نہایت طبع کو مرغوب ہو۔ مبتدی اس سے بڑا مزا پائیں گے، اور نومشق کیفیت بہت اٹھائیں گے۔

چناں چہ اس خیر خواہ خفی و جلی، میرزا علی کو، کہ لطف تخلص کرتا ہے، نہایت محبت و اخلاق سے فرمایا کہ "تو اگر تن دہی اس مقدمے میں کرے، تو ہم اس تذکرے کو اپنی طرز پر لکھیں"۔ اگرچہ یہ پابند الفت کا اس ایام میں ارادہ حیدرآباد کی سیر کا رکھتا تھا، لیکن اس خلقِ مجسّم کے اخلاق کا کیا بیاں کروں کہ اس مضمون کو اس وقت اس خوبی سے ادا فرمایا کہ مجھ سے سوائے اس بات کے اور کچھ بن نہ آیا، کہ میں لاکھ جان سے حاضر ہوں، اور ایک سرِ مو آپ کے فرمانے سے نہیں باہر ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ خلق بھی سحر حلال ہے، جن لوگوں کا

یہ آئیں ہے، ان کا خوشحال ہے۔ غرض مدعائے دلی اس صاحب عالی تدبیر کا یہ معلوم ہوا کہ ان فارسی کتابوں کے ہندی نثر کرنے سے مراد ہمیں یہ ہے کہ صاحبان انگریز تازہ ولایت سے جو آتے ہیں، ہم ان کی تربیت کے لئے سارا یہ خون جگر کھاتے ہیں، تاکہ ان کے ذہن میں آسانی سے یہ عبارت آوے اور ان کی طبیعت اس سے بخوبی مزا اٹھاوے تو لبس لازم ہے کہ اس عبارت میں لفظ عربی اگر آوے تو ایسا جس کو مبتدی دیکھ کر کہیں سبحان اللہ، اور لفظ فارسی جگہ پاوے تو ویسا جس کو نومشق پڑھ کر کہیں واہ وا۔ امید جناب اقدس الٰہی سے یہ ہے کہ اس طور پر سرانجام اور مقبول نگاہ خاص و عام ہو۔

الحمدللہ آج کے دن تک کہ ۱۲۱۵ھ بارہ سو پندرہ ہجری اور اٹھارہ سو ایک [۱۸۰۱] مطابق عیسوی کے ہیں، عہد سلطنت قایم ہے ایسے بادشاہ روشن دل خدا پرست سے، جس کی چشم حقیقت بیں کے سامنے دلق گدائی اور خلعت شاہی برابر ہے، اور نظر معرفت اثر کے روبرو مساوی کلاہِ فقیر اور تاج اسکندر ہے۔ تخت نشین بارگاہ سرفرازی، شاہ عالم بادشاہ غازی۔ قائم رکھے اللہ تعالیٰ اس شاہ بے آزار کو اور زیادہ کرے اس کی قدرت اور اقتدار کو اور بالفعل مسند وزارت کو زیب اور زینت اس رونق بخش بزم عیش و کامرانی سے ہے، جس کی محفلِ عیش و نشاط کی غیرت سے تعجب نہیں ہے کہ زہرہ غرق عرقِ پشیمانی میں ہو، اور مشتری مانند آئینہ کے گرفتار حیرانی ہیں۔ ساغر نوشِ خمخانہ دولت و اقبال، مخمور بادۂ جاہ و جلال، یمین الدولہ کے ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر مبارز جنگ، ساقی روزگار جام امید کو اُس کے شراب مراد سے چھلکتا رکھے، اور اس ایام فرخندہ فرجام میں نخل حکومت اور ایالت اس امیر صاحب تدبیر سے رونق پذیر ہے، جس کی بہارِ گلشنِ عدالت میں تحقیقات ہے چاکِ گریبانِ گل کی، اور پرسش ہے نالۂ دلخراشِ بلبل کی، کہ گل کا گریبان کیوں چاک ہے؟ بلبل کی آواز کیوں دردناک ہے؟ سوسن کی زباں بندی سو سو بار ہوتی ہے، اور نرگس کے احوال کی تلاش ہے کہ راتوں کو کیوں نہیں سوتی ہے؟ اس زباں درازی پر کیا باعث ہے سوسن کی بے زبانی کا؟ اس چشم خماری پر کیا موجب ہے نرگس کی حیرانی کا؟ قمری کے طوق گردن کی جستجو ہے، اور صدا اس کی جو کو بہ کو ہے، اس میں گفتگو ہے کہ کسی چیز کا اس کی گم ہونا ثابت ہوتا ہے لفظ کو کو کی تکرار سے

گلا اس کا باندھا گیا کس تقصیر کے اقرار سے؟ غنچے کی گٹھری کو نسیم بے اجازت بہار کے کھولے تو صاحب تقصیر ہے، اور زر نقد کو گل کے خزاں ہنسی سے بھی ٹٹولے تو واجب التعذیر ہے۔

سبحان اللہ عدل اور انصاف ویسا کہ جس کا مشکل بیان ہے، عقل اور فراست ایسی کہ جس میں قاصر زبان ہے۔ ارسطو کے سامنے تقریر کے دعوی طفلِ دبستانی کا، اور افلاطوں کے روبرو تحریر کے اظہار ہیچمدانی کا، یہاں تک تو اس کی قدر دانی سے اب علم کا رواج ہے کہ مملکت جہل جاہلوں کے ہاتھوں سے ہوتی جاتی تاراج ہے۔ معمار حکم نے اس کے وہ مدرسہ عالی شان بنا کیا ہے جس کے بامِ عرش مقام کی پہلی سیڑھی اگر ساتویں آسمان کو کہتے تو بجا ہے کرسی شاہ نشین کی گھمنڈ عرش نشانی کا رکھتی ہے۔ نسبت اس کو بیت الشرف آفتاب سے کیوں کر دی جا سکتی ہے صفائی کو دیوار کی دیکھ فقط آئینہ ہی پشت بر دیوار نہیں ہے، بلکہ شرمندگی سے پانی پانی گہر آبدار ہے۔ تعریف سے اس امیر عالی منزلت کی عہدہ برا ہونا مجال نہیں ہے۔ زبان کی، اور توصیف سے اس والا مرتبت کی نکتہ سرا ہونا طاقت نہیں ہے، بیان کی۔ شہسوار معرکہ، دشمن ستیزی، سر حلقہ خرد پژوہ انگریزی، زبدہ نوئینان عظیم الشان، مشیر خاص حضور فیض معمور بادشاہ کیوان بارگاہ انگلستان، اشرف الاشراف مارکوئس ولزلی، گورنر جنرل بہادر، ناظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر، و میر اعظم عساکر بادشاہی و سرکار کمپنی متعلقہ کشور ہند، فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی۔ عہد دولت میں اس عالی جناب کے از بس کہ آرام و چین ہر ایک شخص کو نصیب ہے اور عز و وقار اہل علم کے قریب ہے۔ موافق حکم اس والا مناقب کے، کہ نام نامی اور اسم گرامی اس کا اوپر مذکور ہوا ہے، اس ہیچمدان نے یہ تذکرہ لکھا، اور نام اس کا بموجب ارشاد اسی صاحب ممدوح کے گلشنِ ہند رکھا..... تاریخ نظم اس کی اس طور پر لکھی گئی ہے۔

ہر ایک گل ہمیشہ بہار اس حدیقہ کا
کہتا ہے یوں خزاں سے کہ تو کیا بلا ہے"

جرأت پھریں ہیں بے سروپا بہن ودے
تاریخ اس کی جب سے "رشک بہشت" ہے

گلگشت کرنے والوں سے چمنستان نازک خیالی کے پوشیدہ نہ رہے کہ نخلبند حدیقۂ بے استعدادی نے حسب الارشاد صاحب عالی شان مرقوم الصدر کے گلشن ہند کی دو جلد میں

کی ہیں۔ جلد اول جو تحریر کی جاتی ہے، اس میں عرش پردازیاں سلاطین نامدار کی، اور گوہر باریاں امرائے عالی مقدار کی، اور سخن تراشیاں شعرائے صاحب وقار کی، جو کہ نام آور صاحب دیوان تھے، بیان کی گئی ہیں۔ اور جلد دوم میں مذکور کیے گئے ہیں شعرائے گمنام و غیر مشہور زیادہ نومشق کہ ہنوز نہیں تمام کر چکے ہیں کہانی شمع و پروانہ اور گل و بلبل کی۔ توفیق اس کتاب کی تمامی میں اس مرجعِ کل سے چاہتا ہوں کہ جس طرف رجوع ہے جز و کل کی۔ جل جلالہٗ و عم نوالہ

[خود نوشت حالات]

لطف تخلص، میرزا علی نام۔ راقم ہے اس چند اوراق پریشان کا، کہ مانند نامۂ اعمال اپنے کے سیاہ کیے ہیں اور اسم گرامی والد بزرگوار کا اس خاکسار کے کاظم بیگ خاں ہے۔ متوطن استر آباد، شجاعت بنیاد کے ہیں۔ ۱۱۵۴ھ گیارہ سو چون ہجری میں نادر شاہ کے ساتھ شاہجہاں آباد میں تشریف لائے اور ابو المنصور خاں صفدر جنگ کی وساطت سے، کہ آپس میں معرفت ولایت کی تھی مصدر عنایت بادشاہی ہوئے۔ اب آگے بیان امورات دنیوی باعث ہے طول کلام کا، اور وہ معاملہ دیکھا ہوا ہے خاص و عام کا۔ بہر حال غزل فارسی کے کہنے میں حضرت کو ید طولی تھا، اور ہجری تخلص آپ کا تھا۔۔۔ اصلاح فارسی کی اس ہیچ مدان کو آپ ہی کی جناب سے ہے، اور مشورہ ریختہ کا فقط اپنی ہی طبعِ ناصواب سے یہ خزف ریزے کتنے ایک کہ سراب گاہ طبعِ ناقص کے فراہم ہوئے تھے، عرض خدمت ارباب معنی کے کئے جاتے ہیں

پاسِ ناموسِ محبت فرض ہے پروانہ دار — شمع ساں سوزِ شبِ ہجراں زباں پر لائیں کیا
بلبل و گل ہیں وہ بجوشش، سرو قمری ہیں یہ لطف — گلستانِ دہر میں پھر دل کے تئیں الجھائیں کیا
غیر لبریزِ شکایت ہے مری جانب سے آج — سن کے میرے قدرداں اب دیکھئے فرمائیں کیا

چمن کو کل جو تری مے کشی کا دھیان آیا — ہر ایک پات سے کھڑے کیے گل کا کان رہا
جو عمرِ خضر ہو، شاید تو وصل ہووے نصیب — یہ زندگی جو تھی، اس میں تو امتحاں رہا

نہ آنکھ بھر کے کبھو ڈر سے ہم تو دیکھ سکے وہ سامنے بھی اگر اپنے ایک آن رہا

نہ کر لے بلبلِ دل سوختہ صیاد کا شکوہ کہ جاں بازوں کے دیں میں کفر ہے جلاد کا شکوہ
نہ تنہا میں ہی اپنی خانہ ویرانی کا شاکی ہوں کرے ہے اک جہاں اس خانماں آباد کا شکوہ
ترے کانوں تلک بھی لطفؔ کچھ آواز آتی ہے ہے اک عالم کو تیرے نالہ و فریاد کا شکوہ

ایک دن حالِ دلِ زار نہ دیکھا نہ سنا سچ تو یہ، تجھ سا بھی دل دار نہ دیکھا نہ سنا
دیکھ کل نبض مری رو کے لگا کہنے طبیب کبھی میں نے تو یہ آزار نہ دیکھا نہ سنا
لختِ دل کرتا ہے کیا کیا صفِ مژگاں پہ نمود اس جواں سا بھی نمودار نہ دیکھا نہ سنا

ہے اس شدت سے رنگینی کو ہے یار کا چرچا کہ بھولا عندلیبوں کو گل و گلزار کا چرچا
ڈھکا رہ جائے اسرارِ محبت تو غنیمت ہے ہوا ہے اب حکیموں میں مرے آزار کا چرچا
بیانِ دردِ دل کس لطف سے کرتے ہیں لطفؔ اب جو ہوتا بزم میں اس کی کبھی اشعار کا چرچا

نہ کر لے لطفؔ رہ روانِ دیر سے حجت یہی راستہ تو کھا کر پھیر ہے کعبہ کو جا نکلا

ازبس نہ ہوا ہم سے سر انجامِ محبت شرماتا ہے دل لیتے ہوئے نامِ محبت
فرہاد سا رنگ، نہ مجنوں سا کیا حال کس منہ سے اسے بھیجئے پیغامِ محبت

کیوں کر نہ بھلا ہمدم ہو زندگی اب مشکل ہیں دل میں تو سو باتیں، اور جنبشِ لب مشکل
اک آہ کے کرنے کو سوچا ہیں تمہید یں کس سے کہیں حالِ دل، ہے آہ عجب مشکل
دو لاکھ بہانے ہوں، نت روئیے دو آنسو دو دن کا ہوا جینا ہم کو تو غضب مشکل

یاروں نے یہ تو کہئے کیا کیا سمجھائیاں ہیں　بے وجہ کچھ نہیں یہ ہم سے رکھائیاں ہیں
میں کیا ہوں باختہ رنگ اس شعلہ رو کے آگے　مہتاب کے بھی منہ پر چھٹتی ہوائیاں ہیں
اے لطفؔ اس غزل پر کہنا، بقولِ سوداؔ　یہ عاشقی نہیں ہے، زور آزمائیاں ہیں

اُو میاں تیغ والے! اور اک زخم　کب سے ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں
برگِ گل جس نمط خزاں میں جھڑیں　لختِ دل یوں مژہ سے جھڑتے ہیں
بس غمِ یار اب نبڑ جلدی　ورنہ اب یار ہی نبڑتے ہیں

تم ہو بزمِ عیش سے وہاں اور صحبت داریاں　ہم ہیں کنجِ غم میں یہاں اور جان سے بے زاریاں
تم کو سیرِ باغ اور گل گشت چمن کا وہاں ہے شوق　یاں بدن پر ہے ہجومِ داغ سے گل کاریاں
دھیان ہے آرائشِ زلفِ پریشاں کا تمھیں　یاد ہیں حالِ پریشاں کی مرے کچھ خواریاں
تم صفائے ساعد و بازو دکھاتے ہو وہاں　ہم پہ یہاں موے بدن کرتے ہیں نشتر زاریاں
یہاں برنگِ پیکرِ تصویر ہم خاموش ہیں　گفتگو کی تم دکھاتے ہو وہاں طراریاں

نہیں یہ شیشہ، مت اے محتسب مچا دھومیں　دھرا ہے ابلہ، دل ہمارے پہلو میں
گرچہ فرق زمیں آسماں کا ہے، تاہم　ملے ہے وضع فلک کی بہت تری خو میں

کبھی تو خاکساروں کا بھی غم خانہ کرو روشن　نہیں گو کچھ بھی، نقشِ بوریا تو ہو گا بستر کو
چھلکتا عمر کا اک دم میں پیمانہ ہے، اے ساقی!　دفادشمن! شتابی کر ذرا لبریزِ ساغر کو
کیا ہم نے تو ترکِ مدعا کو مدعا اپنا　خدا توفیق بخشے نیک چرخِ سفلہ پرور کو

نہیں معلوم کیا اس سینۂ سوزاں میں پنہاں ہے　کہ ہر تارِ نفس جوں رشتۂ شمع آج سوزاں ہے
تری طرزِ سخن پہنچی کہیں اے لطفؔ گلشن میں　نئے انداز سے بلبل چمن میں اب غزل خواں ہے

جس دن سے ہم جنوں کے ہیں داماں لگے ہوئے
دامن کی جا یہاں ہیں گریباں لگے ہوئے

اللہ رے قید خانۂ ہستی اک دم کے ساتھ
ہر اک قدم پہ لاکھوں ہیں زنداں لگے ہوئے

رویا میں دیکھ مرقد مجنوں کو دھاڑ مار
تھے جائے گل درخت مغیلاں لگے ہوئے

یارانِ پیش رو ذرا ٹھیرو کہ جوں جرس
ہم پیچھے پیچھے آتے ہیں نالاں لگے ہوئے

بیمار کا ترے تو کھلا حال بعدِ مرگ
سینے میں زخم تھے کئی پنہاں لگے ہوئے

رکھ سوچ کر قدم مری وادی میں گردبار
پاؤں سے اپنے ہیں یہ بیاباں لگے ہوئے

کوئی تو میرے ناصحِ داناں سے یہ کہو
دل چھٹتے ہیں باتوں میں، ناداں لگے ہوئے

کیا دن تھے وہ بھی لطف کہ رہتے تھے خیالِ زلف
کانوں سے اس کے ہم تے پریشاں لگے ہوئے

خورشید کی بھی آنکھ فلک پر جھپ گئی
ٹک جو گرہ نقاب کی اُس کے سرک گئی

سب کنارہ گیر اپنے اور بیگانے ہوئے
اب کی فصلِ گل میں ہم بے طرح دیوانے ہوئے

سنتے ہیں کی محتسب نے بیعتِ دستِ سبو
مژدہ مے نوشاں کہ پھر آباد مے خانے ہوئے

وہ خود فروش آگیا بارے چمن میں گل
بوئے خودی نکل گئی گل کے دماغ سے

ہووے فضائے ہستی موہوم کا برا
کنجِ عدم میں کاٹتے تھے کس فراغ سے

دیکھنا جن صورتوں کا شکل تھی آرام کی
ان سے ہیں مسدود راہیں نامہ و پیغام کی

رخصت اے اہلِ وطن اب ہم ہیں اور آوارگی
حق رکھے بنیاد قائم گردشِ ایام کی

کیوں دل پہ مرے جادو اُن آنکھوں کا نہ چل جائے
جس پر کہ پڑے آنکھ، سو دیوانہ سا بن جائے

پلکیں وہ نکیلیں کہ نظر جب پڑی اُن پر
سینہ میں یہ عالم ہو کلیجہ کا، کہ چھن جائے

بے چین بہت لطف کی ہے کل سے طبیعت
اللہ کرے آج وہ روٹھا ہوا من جائے

کیا سبب بتلائیں، ہنستے ہنستے باہم رک گئے   خود بخود کچھ وہ کھچے اُودھر، ادھر ہم رک گئے

نہ ہم سے بگڑو بناہ دوجی، نہیں ہے کچھ تم کو دھیان اس کا   کہے گی خلقت کہ ہو چکی بس وہ دیکھو دو دن کی آشنائی

رباعی

منہ رکھتے ہیں کیا صاحب تاج و دیہیم   جو خاک نشینوں کے تئیں جانے سقیم
ہم آنکھ اٹھا دیکھیں نہ گردوں کی طرف   گر خم نہ ہو ماہ نو برائے تعظیم

نہال چند لاہوری

مذہب عشق

اس مستمند نہال چند لاہوری کو کہ مولد اس نحیف کا شاہ جہاں آباد ہے، آب و خور کھینچ کر بیچ شہر اشرف البلاد کلکتے کے جو اس وقت میں دارالسلطنت ہندوستان کا ہے لا ڈالا۔ اور یہ خاکسار ڈیوڈ روبرٹ سن (David Robertson) بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا تھا، انھیں کی دستِ گیری سے صاحب خداوندِ نعمت حاتم زمان، دست گیرِ درماندگان منبعِ جود و عطا، چشمۂ فیض و سخا، دریائے عنایت و کرامت بحرِ احسان و شجاعت، جناب گل کرسٹ صاحب بہادر مدظلہ اللہ تعالی کے دامن تک رسائی ہوئی۔ ابیات

ثنا میں اوس کے بجا ہے اگر صغیر و کبیر ہزار صفحۂ کاغذ سدا کریں تحریر
وہی ہے باغِ فصاحت نخل عالم میں گلِ سخن سے اوسی کے شگفتہ دل ہے زحیر
وہی ہے گوہرِ بحرِ سخا وکانِ عطا نہیں ہے اوس کا جہاں میں کوی عدیل و نظیر
چراغِ عقل سے شمعِ مراد روشن کی وہ رات کو مہِ انور ہے، دن کو مہر منیر
بجا ہے قامتِ موزوں پہ خلعتِ اخلاق خدا نے اپنی عنایت سے اوس کو دی توقیر
ہراک خدمتِ عالی سے فیض پاتا ہے گواہ دل سے ہے اس بات پر امیر و فقیر

غرض صاحب بہادر کے تفضلات سے اس ضعیف کی اوقات بسر ہونے لگی، اور آگے کو بھی امید بندھی کہ اگر یہ دامنِ دولت اپنے ہاتھ میں ہے توانشا اللہ تعالی ایک نہ ایک دن بیڑا پار ہو جائے گا۔ پھر ایک روز خداوندِ نعمت نے ارشاد کیا کہ قصۂ تاج الملوک اور بکاؤلی کا فارسی سے ہندی ریختے کے محاورے میں تالیف کر کہ باعث سرخروئی اور یادگاری تیری کا ہو اور موجب خوشنودی ہماری کا، چناں چہ اس نحیف نے بہ موجب ارشاد فیض بنیاد کے اپنے حوصلے کے موافق صاحب فلاطوں فطنت، والاشکوہ، عالی حشمت، فلک اشتباہ، مارکوئس ولزلی، نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد میں، ہندی میں تالیف کیا، اور نام اس کا مذہب عشق رکھا......

جدید ہندستانی کے چند ابتدائی نمونے

انجیل کی ایک دعا کا قدیم ترین ہندستانی ترجمہ

(تفصیل کے لیے دیکھیے صفحہ ۔۔)

Hammare baab — ke who asmaanmehe — Paak hoee teera naom — Auwe hamko moluk teera — Hoe resaja teera — Sjon asmaan ton sjimienme — Rootie hammare nethi hamkon aasde — Oor maafkaar taxier apne hamko — Sjon maafkarte apne karresdaaronkon — Nadaal hamko is wasjeme — Belk hamko ghaskar is boorayese — Teera he patsjye saarrauri alamgiere heametme — Ammen.

مندرجہ بالا ہندستانی ترجمہ دعا کے انگریزی ترجمے کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

Our Father which art in heaven,	ہمارے باپ کہ وہ آسمان میں ہے
hallowed be thy name.	پاک ہوے تیرا نام ۔
Thy kingdom come.	آوے ہم کو ملک تیرا
Thy will be done on earth,	ہوے رضا تیرا، جون
as it is in heaven.	آسمان تو زمیں میں ۔
Give us this day our daily bread.	روٹی ہمارے نتھی ہم کو آس دے ۔
And forgive us our debts, as we	اور معاف کر تقصیر اپنی ہم کو، جون معاف
forgive out debtors.	کرتے اپنے قرض داروں کو ۔
And led us not into temptation,	نہ ڈال ہم کو اس واجہ میں ۔
but deliver from evil.	بلکہ ہم کو خاص کر اس برائی سے ۔
For thine is the kingdom, and the	تیرا ہی پات جئے سروری
power, and the glory for ever. amen.	عالم گیری حمایت میں ۔ آمین ۔

محمد حسین عطا خاں تحسین

نوطرزِ مرصع

جدید ہندستانی نثر کی پہلی کتاب

اُوپر دانشورانِ بزم درایت و رزانت کے اور علاقلانِ صاحب طبع انجمن بلاغت و متانت کے مخفی و پوشیدہ نہ رہے کہ یہ عاجز ترین خلق اللہ میر محمد حسین عطا خاں متخلص بہ تحسین، مخاطب بہ خطابِ مرصع رقم . . . مزاج اپنے کے تئیں اوپر شوقِ مطالعۂ قصہ ہائے رنگیں، اور لکھنے افسانہ ہائے شیریں کے ازبس معروف رکھتا تھا، اتفاقاً ایک مرتبہ بیچ رفاقت نواب مبارز الملک، افتخار الدولہ، جرنیل اسمتھ بہادر، صولت جنگ، سالار افواج انگریزی کے درمیان گنگ بہ سواری بجرہ و مورپنکھی کے سفر کلکتے کا درپیش آیا، لیکن بہ سبب مسافت دور و دراز کے بعضے وقت طوطیِ فارغ البال دل کی خفگی مکان کے سے بیچ قفسِ کشتی کے رکتی۔ اس وقت واسطے شغل قطع منازل کے ایک عزیز سراپا تمیز کہ بیچ رفاقت میری کے قمری وار حلقہ محبت و اخلاص کا اوپر گردن کے رکھتے تھے، عندلیب زبان کے تئیں بیچ داستان سرائی حکایاتِ عجیب و غریب کے اوقات خوش کرتے۔ چناں چہ ایک روز بلبلِ ہزار داستان اس حکایت دل فریب کے تئیں بھی بیچ گلزار گفتگوے کہانی کے مترنم کیا۔ جو ہر ایک صداے ترنم اس کی بے اختیار دل کو لبھاتی تھی کہ سننے سے تعلق ہے، طاوسِ نگارین خیال کا بیچ دماغ خاطر کے یوں جلوہ گر ہوا کہ اگرچہ پیش تر دو تین نسخے انشائے تحسین، ضوابط انگریزی، وہ تواریخ قاسمی وغیرہ کے بہ قدر حوصلہ اپنے بیچ عبارت فارسی کے تصنیف کیے ہیں لیکن مضمون اس داستان بہارستان کے تئیں عبارت رنگین زبان ہندی کے لکھنا چاہئے، کیوں کہ آگے سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہیں ہوا۔ اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبانِ اردوے معلّیٰ کا رکھتا ہو، مطالعہ اس گل دستہ بہاریں کے سے ہوش و شعور فحواے کلام کا حاصل کرے، کہ واسطے علم مجلسی کے لسانی زبانِ ہندستان کے بیچ حق آدمی بیرونِ جات کے خراد کندۂ ناتراش کے تئیں ہے چناں چہ چند فقرے بیچ تفنن

طبع کے شروع داستان اول میں نوک ریز خامۂ عجز نگار کے کئے۔ بعد ازاں کہ جرنیل بہادر یمین (نے)، وقت روانگی ولایت کے اس بندۂ عاجز کے تئیں کلکتے سے بہ سرفرازی بعضے خدمات عمدہ صوبہ عظیم آباد کے، ومختاری نظامت کے امتیاز بخشے۔ اس وقت بیچ تردد خدمات متعلقہ کے دماغ انشا پردازی کا معلوم، مگر منظور نظر و مرکوز خاطر کے تھا کہ اگر زمانہ چند صباح موافقت کرے تو اس آغاز کو انجام دینا گویا بنا زندگانی کی روز محشر تلک مستحکم کرنا ہے۔ آخر بہ مضمون اس کے کہ کُلّ امرٍ مرہونٌ باوقاتہا، چندروز تصنیف کرنا اس کا ملتوی رکھ کے داخل صوبہ کا ہوا۔ اور یہ تماشا قسمت کا دیکھے کہ بعد برج مرج مقدمۂ سلطنت اور برہمی سلسلۂ بندگی دودمان تقدس نشان خاندان تیموریہ کے، وبہ سبب ارتحال والد بزرگوار اور انقلابات روزگار غدار کے کہ فی الجملہ آئینہ روزگار میرے کا صیقل توجہات بے غایات سرداران انگریز کے سے جلا پذیر ہو چلا تھا، سو بہ واسطۂ زنگ ناتواں بینی بعضے اشخاص مختار معاملہ صوبہ کے سے مکدّر رہوا، لاچار گردش فلکی سے نہ پائے رفتن نہ روے ماندن، اُس وقت چندے اشعار مرزا سودا صاحب کے کہ داد سخن کی دیتا ہے، میرے تئیں حسب حال اپنے یاد پڑے کہ یہ سپہر روسیاہ

درپے رنج وتعب رہتا ہے اہل درد کے — دکھ دہندوں کی ہوا خواہی میں دیتے ہے اپنی جاں

. . .

اس کے تئیں پڑھتے پڑھتے ایک روز بیچ خواب شیرین فکر کے گیا ہوں کہ ایک مرتبہ ملہم غیبی نے اوپر دل میرے کے الہام دیا کہ اے بے خبر آیۂ کریمہ فانّ مع العسر یسرًا و انّ مع العسر یسرًا، جو تونیں [نے] بیش تر اوقات اپنے نہایت خوش حالی و فارغ البالی سے صرف کئے، پس چندروز ایام تکلیف کے بھی بسر لے جانا مضائقہ نہیں ع

چناں نہ ماند و چنیں نیز ہم، خواہد ماند

انشا اللہ خاں انشا

رانی کیتکی

یہ وہ کہانی ہے جس میں ہندی [ہندستانی] چھٹ کسی اور بولی کا نہ میل ہے، نہ پٹ
سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں، اوس اپنے بنانے والے کے سامھنے [سامنے] جس نے، ہم
سب کو بنایا، اور بات کی بات میں وہ کر دکھایا، جس کا بھید کسی نے نہ پایا۔ دوہا اپنی بولی کا

آتیاں جاتیاں جو سانسیں ہیں
اوس کے بن دھیان سب یہ پھانسیں ہیں

یہ کل کا پتلا جو اپنے اُس کھلاڑی کی سدر کھے، تو کھٹائی میں کیوں پڑے، اور کڑوا
کسیلا کیوں ہو؟ اوس پھل کی مٹھائی چکھے جو بڑوں سے بڑے اگلوں نے چکھی ہے۔ دوہا
اپنی بولی کا

دیکھنے کو تو آنکھیں دیں، اور سننے کو یہ کان دیے
ناک بھی اونچی سب میں کر دی، مرتوں کو جی دان دیے

مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں، جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ تاڑ سکے۔ سچ ہے، جو بنایا
ہوا ہو، سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے، اور کیا کہے، یوں جس کا جو جی چاہے پڑا بکے۔ سر سے
لگا پانوں تک جتنے رونگٹے ہیں، جو سب کے سب بول اُٹھیں، اور سراہا کریں، اور اتنے برسوں
اسی دھیان میں رہیں۔ جتنی ساری ندیوں میں ریت، اور پھول پھلیاں کھیت میں ہیں، تو بھی
کچھ نہ ہو سکے، کراہا کریں۔

اس سر جھکانے کے ساتھ ہی دن رات جپتا ہوں اپنے اوس داتا کے بھیجے ہوئے
پیارے کو جس کے لئے یوں ہے "جو تو نہ ہوتا، تو میں کچھ نہ بناتا" اور اوس کا چچیرا بھائی
جس کا بیاہ اوسی کے گھر میں ہوا۔ اوس کی سرت مجھے لگی رہتی ہے۔ ہر گھڑی میں بھولا اپنے آپ

میں نہیں سماتا، اور جتنے اون کے لڑکے بالے ہیں، اور انھیں کی یہاں پر چاہ ہے، اور کوئی ہو، کچھ میرے جی کو نہیں بھاتا۔

ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا

ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ کسی بولی کی پٹ نہ ملے تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے۔ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اوس کے بیچ میں نہ ہو۔ اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے، پرانے دھرانے ڈاگ، بوڑھے گھاگ یہ کھٹراگ لائے۔ سر ہلا کر منھ تھتھیا کر، ناک بھوں چڑھا کر، آنکھیں پھرا کر لگے کہنے "یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہندی پن بھی نہ نکلے، اور بھاکھا پنا بھی نہ ٹھونس جائے۔ جیسے بھلے لوگ، اچھوں سے اچھے، آپس میں بولتے چالتے ہیں، جیوں کا تیوں وہی سب ڈول رہے اور چھانہ کسی کی نہ دے۔ یہ نہیں ہونے کا۔" میں نے ان کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹھوکا کھا کر، جھنجھلا کر کہا "میں کچھ ایسا بڑھ بولا نہیں کہ رائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹھ سچ بول کر اونگلیاں نچاؤں اور بے سری، بے ٹھکانے کی اولجھی تانیں لے جاؤں۔ جو منھ سے نہ ہو سکتا تو بھلا یہ بات منھ سے کیوں نکالتا؟ جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔"

مسکین کا ایک مرثیہ

ہندستانی زبان کے قواعد میں جگہ جگہ مثالیں دیتے ہوئے گل کرسٹ نے عبداللہ مسکین کا ایک اسّی بند کا مرثیہ نقل کیا تھا۔ اور آخر میں ایک جگہ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ فلاں بند فلاں صفحے پر نقل کیا گیا ہے۔ گل کرسٹ نے طالب علموں کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ اس مرثیے کو ترتیب وار وہ نقل کر لیں، کیوں کہ "مسکین کے مراثی کا مطالعہ مبتدیوں کے لئے بے حد مفید ہے"
یہ مرثیہ گل کرسٹ کی نشان دہی کے مطابق ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

یاراں عجب قوی ہے تقدیرِ حق تعالیٰ
جس روز شہ نے ڈیرا کوفے طرف نکالا
اُوس دن جو بھر چکا تھا وہ عمر کا پیالا
مسلم کو کوفیوں نے کوفے میں مار ڈالا

نانا کے مقبرے سے حیدر کا لال جس دم
روتا ہوا چلا تھا بے کس بہ حسرت و غم
کوفے میں بھی اوسی دن اُوس وقت اور اُس دم
مسلم کے حلق سے تھا اُمڈا لہو کا نالا

ابن زیاد نے واں گردن کٹا کے اُوس کی
وہ لُوتھ کوٹ پر سے نیچے ڈلا کے اُوس کی
وہ لُوتھ سر کٹی ہوی سب کو دکھا کے اُوس کی
دیوار پر قلعہ کی رکھوایا ایک بھالا

سر اُوس بریدہ تن کا بھالے اُپر چڑھا کر
خنجر سے کاٹا ہوا خلقت کے تئیں دکھا کے
کہنے لگا کہ تم سب یہ دیکھو سر اُوٹھا کے
مسلم کے سر کو میں نے کیا کیا ہے بار

کوفے کے لوگ آکر اس لُوتھ کو نہاتے
گردن کٹا پڑا دھڑ جا جا کے دیکھ آتے
قلعہ کی برچھی اوپر جس دم نظر یے جاتے
بھالے اُپر دھرا ہے سر ہے جو کاٹ ڈالا

کوچے میں اوس کا گھوڑا خاوند کو روتا پھرتا
پتھروں کے مارے گھائل جا گہہ بہ جا گہہ گرتا
جب کوٹ نیچے آکر آنکھیں اوپر کو کرتا
خاوند کے کاٹے سر کو گھوڑا اچھے کہ جالا

پس اتنی ظالمی پر ابن زیاد نے واں
سب سے کہا کہ مجھ کو آپہونچیاں ہیں خبراں
مسلم کے دو ہیں بیٹے اس شہر میں چھپے یاں
رووے گا اپنے سر کو اون کا چھپانے والا

وے باپ موے بچے روتے ہوئے پدر کو
ادہ موے جا چھپے تھے قاضی کے ایک گھر کو
قاضی نے دیکھا دشمن سب ڈھونڈتے ایدھر کو
پچھلے پہر اونہوں کو اس شہر سے نکالا

جس قافلے کے پیچھے وے بچے لگ چلے تھے
وے لوگ قافلے کے آگے نکل گئے تھے
دونوں بچے بھٹکتے پیچھے وہاں رہے تھے
دیکھیں تو ایک بڑ ہے، بڑ کے تلے ہے نالا

بچے تھے بھوکے پیاسے تن میں تھی ناتوانی
اوس بڑ کے پات چابے، نالی کا پیا پانی
تب یہ کہا کہ کاٹیں کوئی دم کی زندگانی
ہم اپنا گھر بنادیں اس بڑ کا ایک ڈالا

چھکلا سا ایک دو شاخا دِ تظر جو کیا
بچوّں نے چڑھ کے اوس پر رہنے کو گھر جو کیا
یک عورتِ محب نے نیچے گذر جو کیا
پھر اوس نے اپنا باسن پانی کے بیچ ڈالا

دیکھے تو پانی اندر شکلیں نظر ہیں آتی
ہیں اون کے ہاتھ ہلتے اور پیٹتے ہیں چھاتی
یہ دیکھ کر وہ عورت جوں ہی نظر اُونچائی
دیکھے تو دو بچے ہیں، ہر ایک رونے والا

اُوس نے کہا کہ لڑکو تم کیوں چڑھے ہو بڑ پر
نیچے اگر گرو گے، مرجاؤ گے مقرّر
میں بھی سنوں اے بچو! کیا دکھ پڑا ہے تم پر
اس وقت ماں نے تم کو کیوں گھر سے ہے نکالا

اوپر سے روے بچے، کہنے لگے کہ بی بی!
کیا پوچھتی ہو ہم پر بیتی ہے کیسی بیتی
اماّں ہماری یاں سے کوسوں اُدھر ہے بیٹھی
بابا کو کوفیوں نے کوفے میں مار ڈالا

تس پاس ہم کو بابا تھا سونپ کے سدھارا
اُوس نے سنا ہمارا بابا گیا ہے مارا
ڈر کر جب اُوس نے دیکھا پچھلا پہر اندھارا
عاصی سمجھ کے ہم کو گھر سے دیا نکالا

جس قافلے کے پیچھے ہم نکلے دونوں بھائی
نہ قافلے میں پہنچے نہ ہم کو راہ آئی
دونوں پھرے بھٹکتے منزل کہیں نہ پائی
تھوڑا سا ہم کو سوجھا پانی کا یہ اُوجالا

دو دن سے پانی دانا پیا نہ تھا نہ کھایا
یہ پانی ہم نے پیا پاتوں کے تئیں چبایا
چھپنے کو یہ دو شاخہ ان ڈالیوں میں پایا

وہ پانی بھرنے والی سن کر کے دکھ اونھوں کا
کہنے لگی تمھارے بابا کا نام کیا تھا
رو کر کہا بچوں نے مسلم تھا نام اُوس کا
کس کس مجتوں سے تھا ہم کو اُوس نے پالا

اوس نے کہا کہ شاید مسلم عقیل ہو گا
جس کو حسین شہ نے نائب تھا کر کے بھیجا
رو کر کہا بچوں نے کہ اے بی بی ہاں وہی تھا
وہ مر گیا ہے، ہم کو کوی نئیں بٹھانے والا

وس نے کہا چلو تم، بی بی میری بھلی ہے
بچوں کے پالنے میں عورت نہیں، ولی ہے
لنس پر وہ جب سنے گی یہاں رشتۂ علی ہے
تم پر سے ہو گی واری چندر پہ جیسے ہالا

دونو یتیم معصوم سن کر حقیقت اوس کی
اوترے درخت پر سے، دیکھیں محبت اوس کی
ساتھ اوس کے اوٹھ چلیں تو دیکھیں شفقت اوس کی
گھر میں رکھے گی یا نہ، جب وقت ہو گا کالا

جو وہ لے جانے والی گھر لے گئی بچوں کو
بی بی تیں سنایا بچوں کے حادثوں کو
جب ان بی بی نے دیکھا ان سر کھلے بچوں کو
کئی بار اپنے تن کو اون پر سے وار ڈالا

حرمت سے ان بچوں کو مسند اُوپر بٹھا کر
بہتر سے بہتر ان کو نعمت پکا کھلا کر
آرام سے رکھا جب روتوں کے تئیں سلا کر
اتنے میں گھر میں آیا اس کا کمانے والا

حارث تھا نام اس کا، قاتل تھا ان بچوں کا
ان کو تمام دن سے تھا ڈھونڈھ تا پھرتا
ہو کر خراب خستہ، جو گھر میں آ کے بیٹھا
سگ جیسا بھوکھا لایا، بھوکھا تھا اور بھوکھالا

عورت سے کہنے لاگا کھانے کو لا شتابی
اوس نے کہا کہ ظالم یہ کیا ہے اضطرابی
اُوس نے کہا تجھے کیا، ہے مجھ اُوپر خرابی
ابن زیاد آگے منہ ہوگا میرا کالا

اوس نے کہا کہ آخر میں بھی سنوں تو کیا ہے
کہنے لگا کہ کل سے عہدہ مجھے ملا ہے
مسلم کے بیٹوں خاطر پھرنا مجھے پڑا ہے
سر ان کے کاٹ لاؤں تو ہوگا منہ اُجالا

عورت روئی کہ ہے ہے یہ کیا بنی زبونی
ساتھی بچے ہیں گھر میں، ساتھی بچوں کا خونی
لونڈی تئیں کی اوس نے سینوں* سے رہ نمونی
حجرا جو تھا بچوں کا، اوس کو دلایا تالا

حارث نے کھا کے کھانا، اور پی کے ٹک جو پانی
سونے کو لاگا، چادر لے اپنے سر پہ تانی
دونوں بچوں نے دیکھا ایک خواب ناگہانی
بابا کو رونے لاگے حجرے میں شور ڈالا

حارث لعیں جو چونکا، یعنی یہ شور کیا ہے
ہمسایوں کے گھر میں کوئی چور گیا پڑا ہے
دیّا جلا کے ڈھونڈھا، کوی اپنے گھر گھسا ہے
آخر بچوں کو پکڑا، حجرے ستی نکالا

دو دو طمانچے مارے، پوچھا کہ سچ کہو تم
کیوں گھر میں آ کے بیٹھے ہو اور کون ہو تم
روے بچے کہ جیتا ہم کو اگر رکھو تم
دکھ اپنا کہہ سناویں ہم پر جو کچھ ہے جالا

* سین بہ معنی اشارہ۔ آنکھوں کا اشارہ۔

مسلم کے ہم ہیں بیٹے، مسلم گیا ہے مارا
غیر از خدا کے، بالکل کوی نہیں ہمارا
سو اب فلک نے ہم کو دکھلایا گھر تمھارا
تو نے طمانچے مارے، اوس نے دیا نوالا

گر دونو شخص تم آج کچھ غم ہمارا کھاؤ
بابا موے سمجھ کر یا اپنے گھر بٹھاؤ
یا ہم کو دس چچا تک پہونچاؤ یا بھجاؤ
اس کی جزا تمھیں بھی دیوے گا حق تعالا

روتے ہوئے بچوں سے یہ سن کے آہ و زاری
حارث نے اون کو باندھا تیغے کی ہول ماری
تجویز کر کے گھر میں ایک کوٹھری اندھیاری
بچوں کو اوس میں مونداجرہ کیا دو تالا

جب دن ہوا تو دس نے شمشیر کر کے عریاں
بچوں کو گھر سے کاڑھا، اور باندھیں ان کی زلفاں
زلفاں جھٹک جھٹک کے کنپٹیاں ٹوٹ چلیاں
جاں کندنی کو پہونچا بچوں کا آہ و نالا

بابا کو تھے بلاتے کا ے بابا تو کدھر ہے
ہم پر ہے مار پڑتی ، یہ کون سا نگر ہے
جن نے ہمیں ہے جکڑا یہ کوں سا کٹر ہے
زلفاں جھٹک جھٹک کے ہم کو ہے مار ڈالا

باندھے ہوے بچوں سے یہ سن کے آہ وزاری
حارث لعیں کی عورت بہتیرا رد پکاری
عورت کے سر میں شمشیر وِس نے ماری
پھر اپنا مار ڈالا بیٹا کنوارا بالا

تھا ایک غلام اس کا دیکھے تو ظلم ہوا
بی بی بھی ماری گئی ہے ساتھ ہی خوزادہ ہوا
وہ اس لعیں سے ڈر کر آگے جلو میں ہوا
کہتا تھا کس برے سے مجھ کو پڑا ہے پالا

جس دم فرات اوپر پہونچا بڑا وہ خوں خوار
اپنے غلام کے ہاتھ دی اپنی ننگی تلوار
کہنے لگا کہ میں کیا چھوتوں اُپر کروں وار
تو ان بچوں کا سر کاٹ رے نوجواں لالا

وِس نے کہا کہ اپنی آقائی تہہ کرو تم
پیغمبر آگے مجھ کو مت روسیہ کرو تم
ٹک اپنا سر جھکا کر تیغے تلے دھرو تم
دیکھو تو کیا کروں گا میں لون کھانے والا

یہ سن کے وِس لعیں نے شمشیر پھر چھنا لی
وِس لون کے پلے کی گردن اتار ڈالی
دکھلا کے وُن بچوں کو وِس کے لہو کی نالی
تیغے کو لاکے وِن پر قبضے کو پھر سنبھالا

کہنے لگا ادتار وِے کرتے اپنے تن سے
تم عاصیوں تئیں اب کیا کام ہے کفن سے
ٹک سر جھکا کے بیٹھو اک تن سے ایک من سے
دونوں کا سر اُدتاروں، جیسے روئی کا گالا

بچے روے کہ ہم نے کوئی دم کی میہمانی
کھائی بھی تھی تیرے گھر، پیا تھا ٹھنڈا پانی
اب ہم یہ چاہتے ہیں، ہو تجھ کو شادمانی
تو چل کے بیچ ہم کو، کچھ اپنے گھر کما لا

پہلے بلا کے نائی زلفاں مُڈا ہماری
نخّاس بیچ ہم کو لے چل تب ایک باری
کہیو کہ ایک بستی میں نے ہے دوڑ ماری
بندھووں کو بیچتا ہوں، مالک نہیں دلا لا

جب یہ ہماری زلفاں اُو سر مونڈا ہوے گا
بردے سمجھ کے ہم کو کوئی خرید لے گا
پس ہم کو وہ خریدار ساتھ اپنے لے چلے گا
تو اپنے گھر کو جائیو سب سے ہو کر نرالا

اُس نے کہا کہ لڑکو بازی نہ کھاؤں گا میں
تم کو یہاں سے جیتا لے کر نہ جاؤں گا میں
کوئی تم کو چھین لیوے، تو کیا کماؤں گا میں
بہتر ہے تم کو ماردں لاہا ہوے دلا لا

بچوں نے دیکھا، گردن کاٹے گا اب ہماری
بھائی بڑے نے پہلے کی وس کنے یہ زاری
سر کاٹ پہلے میرا، اول ہے میری باری
میں چھوٹے بھائی آگے ہوں صدقے ہونے والا

چھوٹے نے اس بڑے سے آگے ہو سر دیا دھر
کاے شخص پہلے تلوار تو کھینچ مار مجھ پر
بھائی بڑے کو مت مار، مجھ پر اتنا کرم کر
ٹک تو میری دعا لے، میں بھی ہوں بھولا بھالا

حارث نے کچھ نہ مانا بچوں کا بلبلانا
کہنے لگا کہ سیکھو ٹک اپنا سر منڈانا
گردن جھکا کے مارا تیغا لہو لہانا
دونوں کا باری باری سر تن سے کاٹ ڈالا

بھائی بڑے کے دھڑ نے کر پیار کا ارادہ
چھوٹے کے دھڑ کو لیا کر کے بغل کشادہ
چھوٹے کے دھڑ نے الفت کر اس سے بھی زیادہ
ماٹی میں آپ گر گر اوس کا بدن سنبھالا

اون دونوں سر کٹوں کے دونو ملے ہوئے تن
دریا میں جب ڈبا کر واں سے چلا وہ دشمن
سر توبڑے میں ڈالے، رتّی کا کر کے لٹکن
کوفے طرف واں سے کیّا لعین نے چالا

لے کے وہ دونو نکلے، لوہو ہیں تھرتھراتے
گردن سے خون بہتا، آنکھوں سے انسو جاتے
ابن زیاد آگے جا ڈالے تر ترا تے
دکھ ان کا کچھ نہ بولا، اپنا کہا کسالا

پس جب حسین سرور بن کربلا میں آئے
دیکھا تو سامنے سے لوگ آویں ہیں پرلے
پوچھا کہ کچھ خبر تم کوفے سے بھی ہو لائے
مسلم کے ساتھ کیتا لشکر ہے اور رسالا

وے لوگ کہنے لاگے، کیا پوچھتے ہو باتاں
مسلم اُوپر جو کی تھی واں قاتلوں نے گھاتاں
آج اُس گلا کٹے کو چھبیس ہوئی ہیں راتاں
اس کو بہ مع یتیماں واں مارکاٹ ڈالا

ابن زیادہ بصری کوفے میں ہے جو آیا
ابن معاویہ کی فوجوں کو ہے بلایا
ابن علی سے لڑنے کربل میں ہے بھیجا یا
اب کوچ ہوا ہوگا، دو روز تھا اٹالا

سن کر مسافروں سے کوفے کی خبراں ساری
مسلم کے غم سے شہ پر آئی جو سوگواری
جنگل میں با قبیلے، روئے بہ آہ و زاری
اپنے سروں کو دیا تقدیر کا حوالا

پھر جو شمارا اس پہ چھبیس دن ہوے تھے
مسلم اور اوس کے بیٹے کوفے میں واں موے تھے
بے شرب آلِ حیدر بے خانماں ہوے تھے
مرنے کو اپنا اسباب اوس روز تھا نکالا

تب یہ کہا کہ بھائیو مسلم تو مر چکا ہے
سر کاٹنے کا بھی دن کل تک مجھے دھرا ہے
تم کو یہاں سے بھائیو اُوٹھ جانا ہی بھلا ہے
اب تک ہے دور، تم تو شمشیر اور بھالا

بھائی روے کہ بھائی ہم تیرے ساتھ آویں
مرنے کا نام سن کر اب تم کو چھوڑ جاویں
کل کو نبی علی پاس کیا مکھ کے تیں دکھاویں
نا بھائی! ہم پئیں گے تجھ ساتھ اجل کا پیالا

بانو تئیں خبر ہوی، باہر یہ کچھ ہے تدبیر
فریاد کر پکاری کہ اے میرے شاہِ شبیر
میں جی کے کیا کروں گی، جب ہوں گی رانڈا گیر
میرا ہے کون، مجھ کو دیوے گا رنڈ سالا

گر تم کو آبنی ہے خنجر سے آشنای
پس میری گور تم نے کیدھر کو ہے کھودای
گر تم نے شانے اُوپر شمشیر ہے اوٹھای
میری بھی گور خاطر لیتے چلو کدالا

اصغر کو ہاتھوں اُوپر دکھلا کہا کہ شاہا!
اب یہ تمھاری پگڑی پہچاننے لگا تھا
پس میں کسے کہوں گی کہ آجامیاں کے بابا
جس دم ہڑک ہڑک کے مرجاوے گا یہ بالا

کئی روز سے یہ بچا مجھ ماں کی سن کے بتیاں
تھا اب تمھیں بلاتا، ہاتھوں کی باندہ مٹھیاں
کس کو بتاؤں گی میں، بابا تیرا یہ میاں
جب رو رو جان دے گا مٹھیاں بنانے والا

مانگی گئی جو بیٹی اوس کی دیکھا کے صورت
رو رو کہا کہ دیکھو مرجھائی اوس کی مورت
یہ سنتی تھی کہ ہوگی ایک دن تیری مہورت
اب اس بچی کو اپنے جی کا پڑے گا لالا

وہ جو مری سکینہ، مظلوم پیاری بیٹی
ایدھر اُودھر سے تم کو ہر دم تھی آ لپٹتی
میں کس کی آس اوپر پونچھوں گی آنکھیں اوس کی
جب وہ ہٹے گی اماں! بابا کو جا بلالا

میرا یتیم عابدِ بیمار تپ سے جلتا
دو شخص ہیں اُوٹھاتے تکیہ سے تب نکلتا
جب قید بیچ ہوگا پھر ننگے پاؤں چلتا
کس کو کہوں گی میرے بچے کو جا چھڑالا

پس میری پردہ پوشی اس میں ہے میرے سرور
میں مر کے جا سماؤں تم آگے گور اندر
جب تم نہ ہوگے سر پہ کیا دیکھوں گی میں جی کر
دن رات رُو رُو میری آنکھوں میں ہوگا جالا

یوسف پچھے زلیخا رہتی اگر سلامت
بعد از جو اُوس کے جیتی، روتی بھی تاقیامت
وہ اُس کا مرنا سن کر، مرجاتی از ملامت
میں ہوں ابھی سے مرتی، اے میرے شاہِ والا

بانو جگر جلی سے یہ سن کے درد سارا
شہ نے کہا کہ بانو کچھ بس نہیں ہمارا
میرا تمھارا اللہ ہے شرم رکھنے ہارا
تقدیر پر نظر کر، مت کر تو آہ و نالا

یہ باتیں ہوتیاں تھیں، تو اگلا دن جو آیا
شہ پر اجل کا بادل چاروں طرف سے چھایا
چاہا کہ پیویں پانی، ایک بوند بھر نہ پایا
پیاسے گلے کو قسمت خنجر ہوا نوالا

بھائی، عزیز، شہ کے سب قتل عام ہو کے
دھڑ کٹ گئے سروں سے نیزے مقام ہو کے
ناموس کے سراپے بے انتظام ہو کے
اہل حرم کو گھر سے عریاں سر نکالا

مانگی ہوئی بچی کا بانو کو غم لگا تھا
بیاہی گئی تھی اوس وقت، اور باپ مرگیا تھا
تب شامیوں نے اُس کو بیڑی پنھا دیا تھا
چھنوا لیا تھا سب کچھ بدّھی ہو خواہ مالا

کلثوم کو جو باہر عریان سر بٹھایا
زینب رُدی کہ پھیر دو اُوس کا جو کچھ چھنایا
بیٹوں موی بہن پر اس نے ہے جی جلایا
میرے موے بچوں کی ہے یہ غریب خالا

اُو لوٹ لینے والے، پردہ دروں کے سردار
مجھ زینب اوپر اتنا احسان کر تو ایک بار
بھاوج بہن کی خاطر دو چادراں ہیں درکار
یہ پھیر دو تو جانو مجھ کو دیا دوشالا

کہنے لگا وہ ظالم، اے عورتِ زیاں کار
میں نے پچھانا تو ہے اس گھر میں سب کی سردار
فلک سب سے آگے چل کر ہو اونٹ پر تو اسوار
یوں جان، قیدیوں کا تجھ کو ہوا رسالا

عابدِ یتیم کے تئیں در رنج و ناتوانی
بندھوں کا پیشوا کر، فرمایا سار بانی
بیمار، پا برہنہ، کانٹوں پہ راہ جانی
تھا ہر قدم میں ایک ایک انگور کا سا چھالا

بانو جو لاج کے تئیں روتی تھی شہ کے آگے
گھر سے اُوجڑ کے نکلی شامی سپہ کے آگے
وہ قاتل اوس کو لے گئے اوس روسیہ کے آگے
جس نے مع یتیموں مسلم کا گھر تھا گھالا

اوس نے کہا کہ جلدی جلّاد کو پکارو
یہ جو کھڑا ہے لڑکا اس کا بھی سر اُوتارو
جو عورتاں کھڑی ہیں، فاقوں سے ان کو مارو
یا اُن کے تیں پلاؤ آب و نمک اُوبالا

بعضے جو مومنوں نے آنسو وہاں بہائے
کہنے لگا کہ مجکو آنسو عبث دکھائے
اوس روز تم کہاں تھے کیوں درمیاں نہ آئے
جس دن لڑا علی سے حضرت نبی کا سالا

یہ ظلم ابتدا کا، اُوس نے سند پکڑ کر
آل علی کو کئی دن رکھوا کے قید اندر
بھیجا یزید کے پاس ہمراہ دے کے لشکر
تو اُوس کے تیئں سمجھے اُون کا ستانے والا

جب وہ ستانے والے خوش ہوئے اُوں کے دکھ پر
کہنے لگے کہ اب تو ہوئی آرزو میسر
پھر عابدین کو جو کچھ کہنا تھا، اوس نے کہہ کر
رخصت کیا مدینے کرنے کو آہ و نالا

تاب اب نہیں جو مسکین یہ درد و غم سناوے
دُھر کے الم زدوں کو زیادہ الم سناوے
لیکن یہ ایک مصرع ہر صبح دم سناوے
مونہہ شامیوں کا کالا، سرور کا بول بالا

شیکسپیئر کا ترجمہ —— از گل کرسٹ

Farewell, a long farewell, to all my greatness!	خوشا اے عمدگی! اے اب تو ایک مدت خوش رہو۔
This is the state of man: today he puts forth	یہی انسان کی حالت ہے، جیوں درخت آج ملائم پاتوں
The tender leaves of hope; tomorrow blossoms,	کے سے مہر سبز ہوا، وکل مراد کے سرخ غنچوں سے شگفتہ رو ہوا،
And bears his blushing honours thick upon him:	اور رنگ برنگ ترقی کی، پھولوں پر آیا۔
The third day comes a frost, a killing frost,	تیسرے دن ایسا ایک جاڑا آتا ہے، ہائے کیسا سخت جاڑا!
And,—when he thinks, good easy man, full surely	کہ جس وقت اوس نادان بے چارہ انسان نے یقین جانا کہ
His greatness is a-ripenning,— nips his root,	اب میری زندگی کا پھل پکتا ہے، تب اوس کو وہ سکھاتا ہے جڑ تک،
And then he falls, as I do. I have ventur'd,	تب گرتا ہے میری طرح۔ میں نے دریائے شان میں، کئی ایک
Like little wanton boys that swim on blades,	موسم گرما کے جیسے شوخ لڑکے، جو گھڑوں پر تیرتے ہیں ——
This many summers in a sea of glory ;	اپنی تھاہ [ہ] کی حد سے بہت پرے آزمایا ہے۔
But far beyond my depth: my high-blown pride	آخر میرے نیچے، پھولا ہوا بلند غرور کا گھڑا مانجھ دہار میں پھوٹا
At length broke under me; and now has left me,	وضعیف، پیر مرد، خدمت رسیدہ کو خونخوار دھارے کی موج
Weary and old with service, to the mercy	پر، کہ ڈبنت مجھے ڈبوئے رکھے گی، چھوڑا ہے۔
Of a rude stream, that must for ever hide me.	
Vain pomp and glory of this world, I hate ye:	ناچیز جاہ و جلال اس جہان کے اب میرے تئیں نفرت ہے تم سے،
I feel my heart new opened. O, how wretched	کیونکہ حق اپنا دل فی الحال منور پایا بھی ہے۔
Is that poor man that hangs on prince's favours!	وہ کیا کم بخت آدمی ہے جو کہ اسرار رکھتا ہے بادشاہوں کی توجہات پر

There is, betwixt that smile we would aspire to,
That sweet aspect of princes, and their ruin,
More pangs and fears than wars or women have:
And when he falls, he falls like Lucifer,
Never to hope again.

جس شیریں تبسم اور خوش بدِ نظر کو سلاطینوں کی ہم بخواہش تاکتے ہیں،
اُن دونوں و اپنی ذلت کے عرصہ میں زیادہ جانکندن و تشویش ہے۔
عورتوں کے دل و لڑائیوں کے میدان سے۔ غرض وہ بیکس اپنے درجے سے گرتا ہے،
ابلیس کی طرح گرتا ہے، و پھر اٹھنے کا نہیں۔

(۲)

To be, or not to be,—that is the question :
Whether 'tis nobler in the mind to suffer
The slings and arrows of outrageous fortune,
Or to take arms against a sea or troubles,
And by opposing end them.—To die?—to sleep,—
No more; and by a sleep to say we end
The heart-ache and the thousand natural shocks
That flesh is heir to,—'tis a consumation
Devoutly to be wish'd. To die,—to sleep:—
To sleep! perchance to dream:—ay, ther's the rub;
For in that sleep of death what dreams may come,
When we have shuffled off this mortal coil,
Must give us pause: there's the respect

جینا، خواہ نہ جینا (؟) سوال یہی ہے کہ
بہتر ہے دل میں برداشت کرنا
قہر آلود قسمت کے فلاخن و تیر باراں کو
یا سن مکھ دست بہ شمشیر ہونا دریا مصیبتوں کے
و تمام کرنا اون کو۔ مرنا کیا ہے؟ سونا ہے،
کچھ اور نہیں، یہ کہنا کہ ایک نیند سے ہم مل میٹے کرتے ہیں
دردِ دل اور ہزار صدماتِ فلکی
جن کا متحمل ہر ایک متنفس ہے۔ یہ مراد ایک ہے،
جس کو بہ آرزو چاہا چاہیے۔ مرنا درست، سونا ہے،
ہاں سونا ہے، شاید سپنا دیکھنا۔ فی الواقعہ سدِ راہ یہی ہے کہ
کہ جب ہم نے اس کش مکش دنیوی سے نجات پائی تب اس موت کی نیند میں کیسے خواب نظر آویں گے
یہی تشویش ہم کو خوف و رجا میں رکھتی ہے۔ امتیاز یہی ہے
جو اذیت کی اینہاں تک عمر دراز کرتی ہے۔

That makes calamity of so long life;
For who would bear the whips and scorns of time,
The oppressor's wrong, the proud man's contumely,
The pangs of despis'd love, the law's delay,
The insolence of office, and the spurns
That patient merit of the unworthy takes,
When he himself might his quietus make
With a bare bodkin? Who would—fradels bear,
To grurt and aweat under a weary life,
But that the dread of something after death,—
The undiscover'd country, from whose bourn
No traveller returns,—puzzles the will,
And makes us rather bear those ills we have
Than fly to others that we know not of.
Thus conscience does make cowards of us all;
And thus the native hue of resolution
Is sicklied o'er with the pale cast of thought;

دالا کون سہتا زمانے کی کوئک وا ہانت
ظالم کے ظلم، مغرور کی حقارت
جگر سوزی عشق خام کی، قید عدالت کی
غرور عہدے پادشاہی کا، اور لات بیزار
مبتذلوں کی۔ جو صابر قدرا نگیز تا ہے،
ہرگاہ وہ آپ اپنی مخلصی کر سکتا ہے —
خالی ایک چھوری سے۔ کون بوجھ اوٹھاتا
دکھ بھرنے اور لہو پانی کرنے کے لئے بیچ مکدر زندگی کے،
جو بعد مرگ کسی چیز کی دہشت نہ ہوتی۔
وہ ملک اَن دیکھا، جس کی منزل سے
کوئی مسافر پھرتا نہیں۔ یہی اختیار انسان گھبراتا ہے و داور؟
ہم کو سہاتا ہے وے خرابیاں جو موجود ہیں —
پہلے اس کے کہ بھاگیں اوروں کی طرف کہ وے نامعلوم ہیں۔
یوں ہی عبرت ہم سب کو بزدلا بناتی ہے،
اور اسی طرح اصل رنگ استقلال کا
پھیکا ہو جاتا ہے فکر کے زرد عکس سے،

ہندستانی نظموں کا انگریزی ترجمہ

۱

An Ode from Mirza Kazim Ali Jawan, paraphrased by Gilchrist.

Fair youth is the season which mortals should prize,
As the spring of both body and mind ;
Thro' Summer and Autumn, see ! life swiftly flies,
With old age, its cold winter behind.

Awake ! now sweet Hebe benignantly cheers,
Like Aurora, the morn with her rays,
Oh, hear my young friends !—ere the dark night appears,
For improvement, these !—these are the days.

Exert every nerve while the soul is in tune,
The high summits of learning to gain,
Should Time's hoary locks bring Death's warning at noon,
Then, indeed, you may labour in vain.

If reason, or genius, your bosom yet fires,
With advantage contemplate this truth !
As day-light itself before darkness retires,
Clouds may lower on the sunshine of youth.

Now quickly empoly every moment you can,
Adolescence with honour to crown ;
For science should ever distinguish the man,
Who aspires, or to rank, or renewn.

In arts and accomplishments, emulate all,
Preserve to Fames temple, in view ;
While Envey and Ignorance shamefully fall,
Merit's bays, there, are waving for you.

The dictates of Malice, let *cowards* obey,
Arm'd with pencil, stiletto, or pen ,
Leave slander's base weapons, which *Innocence* slay,
To assassins, the basest of men.

True worth is a lamp with celestial flame,
That will shine when the Globe shall decay,
Tho' monuments lurk in the dust—a good name
Is the dawn of Eternity's day.

By just and magnanimous actions the brave,
Gather laurels unfading, on high ;
From earth Far remov'd, and the sting of grave,
In heaven—where they never can die.

See pleasure and fortune, both fade like the rose,
When its dew-drops of morn disappear !
But Glory's immortal fresh blossoms disclose,
Like the myrtle, spring's charms thro' the year.

Indulge not too freely in pride, nor in wine,
Those false lights in the visible gloom !
Which Coxcombs and Profligates borrow to shine,
As the glow-worms in Vice's dark tomb

While juvenile minds, which no passion inspires,
That an Angle might blush to descry,
Reflect the pure image that Virtue admires,
In the tears of the mild Sympathy's eye.

(The Asiatic Annual Register, London, 1804).

۲

An Ode by Mirza Ali Lutf, paraphrased by Gilchrist.

Each morn with false colours array'd :
    Hope swears she will grant me my fair,
But the hope which the morn had convey'd,
    The evening converts to despair.

I wish'd, nay resolv'd, this same day,
    Half the pangs of my heart to reveal ·
She approach'd—speech and sense fled away,
    And scarce left me the power to feel.

O grief what a triumph is here !
    To withhold thy own sorrowful flood ,
To refuse to my eyes one salt tear,
    While my heart streams in current of blood.

Like Messiah, to some she may prove,
    A relief for each evil blow :
Yet 'tis strange that a balm from above,
    Should to me prove a source of new woe.

O when can I fly from despair !
    Not on earth, 'tis too small for my rage :
Like the lark whom the fowlers ensnare,
    I fret, and would fain burst my cage.

O Lootf* ! thou wast surely aware
    What fate from her hands thou must prove,
Thou knewest she was cruel as fair,
    But who shall teach prudence to love.

[From Gilchrist's Guide to the Hindoostanee Language].

*Pen-name of Mirza Ali Lutf, a Hindustani poet.

گل کرسٹ کے رسالے "رسم الخط واعراب" کا خلاصہ

(مقتبس از باغِ اردو)

صاحبان دانش پر ظاہر ہو کہ، جو رسالہ جناب مسٹر جان گل کرسٹ دام اقبالہ نے واسطے رسم الخط و اعراب کے بنایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ اور جو کوئی کلیّہ اس کا دریافت کیا چاہے سو اس رسالے کو دیکھ لے۔

ایک کلمے کے حروف سوائے حرف علّت ساکن بدون نشانِ فتحہ و سکون کے ہمیشہ مفتوح و ساکن تلفظ میں رہیں گے، مگر جہاں نشانِ فتحہ ضرور ہوگا، دیا جائے گا۔ اگر مضموم و مکسور ہیں بدستور رہیں گے۔ اور کسی حرف کے واسطے علامت سکون کی خطاً معین نہیں کی گئی۔ پہلا حرف متحرک ہے خطاً سوائے فتح کے، اور دوسرا ساکن بغیر علامت کے، اگر مفتوح نہ ہوا الا متحرک خطاً ہوگا۔ تیسرا متحرک ہے بدونِ نشانِ فتحہ کے اگر ساکن نہ ہو۔ چوتھا ساکن ہے بدون علامت کے جو متحرک نہ ہو۔ حرف پانچویں اور چھٹے کو بھی باترتیب مثل تیسرے اور چوتھے کے قیاس کرنا چاہیئے۔ اور آخر حرف کلمے کا ہمیشہ ساکن ہے۔ اگر اضافت و عطف نہ ہو مگر کئی لفظ مرکب عربی کے مثلاً 'اقبالہٗ و علیہ' وغیرہ۔ جہاں کلمے کے دو حروف آخر کے بہ خوبی تلفظ نہ ہو سکیں وہاں ایک متحرک ہوگا، خواہ مشدد، خواہ مخفف، جوں 'جگر' و 'سبب' و 'علامت'، و واسطے رفع اشتباہ کے جو 'واو' یا اور کوئی حرف مفتوح کلمے ثلاثی وغیرہ میں بجائے عین کلمے یا سوائے عین کلمے کے آوے، سو اُن کو خطاً مفتوح کیا گیا، مثلاً 'ہوا'، 'خبر'، 'بین'، و 'لاجورد'، 'دیہ ورد'۔ و یائے معروف دونوں بغیر نشان کے ہیں۔ اور یائے دامنی بدون نقطوں کے ہے۔ چناں چہ 'نور'، 'نیز'، 'تو'، 'کی'۔ واو و یائے مجہول کی علامت کا نشان جزم مدوّرہ مقرر کیا۔ اور صورت ان کی کلمے کے بیچ میں یہ (ہوگی) — وْ، یْ۔ اور آخر میں ایسی — وْ، ے۔ مگر آخر میں یائے مجہول کو معکوسی

بدون نقطوں کے لکھا جیسا — 'شور'، 'کو'، 'کے'۔ اور 'و' 'یا' اور یائے ساکن ماقبل مفتوح کی علامت کا نشان جزم غیر مدوّرہ ٹھہرایا۔ اور صورت اُن کی کلمے کے بیچ میں یہ ہے — وْ، یْ۔ اور آخر میں یہ وْ، یْ۔ مگر اِس یا کو آخر میں بے نقط بہ صورت یائے ثلثی کے لکھا، جیسا — 'شو'، 'کی'۔ 'واؤ' جمع کا ہمیشہ مجہول رہتا ہے، اس واسطے کوئی علامت اس کی مقرر نہیں کی، مثلاً 'لڑکو'، 'لڑکوں'۔ واو معروفی کا سر سفید رکھا گیا، جوں 'خوش'، اور یائے مشہوری کے نیچے دو نقطے کھڑے دیے گئے تاکہ درمیان لفظ 'کہا' اور 'کیا' کے امتیاز ہو۔ اور جس 'واؤ' اور 'یا' حرف علت ساکن کو، جہاں متحرک بہ منزلہ حرف صحیح کے ہونے دینا ضروری ہے جہاں اُس کے اول میں الف اور بیچ میں ہمزہ لکھا گیا جیسا — 'اوڑ' 'اُوس'، 'ایمان'، 'داؤد'، 'کیجیے'۔ اور جو ہمزۂ ملینہ مثل لفظ 'گھائل' 'وغائب' میں ہے۔ نونِ مغنونہ اگر اِنھ حرفوں — ب، پ، ج چ، ک، گ کے ساتھ آوے، تب اس کی علامت حروف کے بیچ میں بہ صورت جزمِ مدوّرہ کے ایسی — 'نْ' ہے۔ اور آخر میں صورت اس کی نونِ بے نقط ایسی — 'ں'۔ اور نونِ اظہار جیسا تلفظ و صورت میں قدیم تھا، ویسا ہی رہا، جوں — 'منجن'۔ جب الف مقصورہ بہ صورت یا کے ہو، تب اس کے دامن میں ایک نشان بہ صورتِ خنجری زبر کے دیا گیا، جیسا — 'موسیٰ' اور الف ممدوہ پر مدّ بول — آب۔ اور حرف مشدّد پر تشدید لکھا گیا، مثلاً 'مدّ'۔ اور جس لفظ میں صوت دراز نہ ہو، اس میں بھی ایک خنجری زبر دیا (جائے) جیسا 'الٰہی' 'زکوٰۃ'۔ اور 'ٹے' ہندی پر بعد نقطوں کے ایک خطِ عرضی، اور 'رائے' و 'دال' ہندی پر وہی خط عرضی مقرر کیا، جیسا 'ٹ'، 'ر' اور 'الف' 'ولام' 'وصل' 'و' 'یا' 'و' 'واؤ' — جو حالتِ وصل میں متلفظ نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے نیچے خطِ عرضی دیا گیا، جیسا — 'فی التاریخ' (اور) 'ابوالقاسم' وغیرہ۔ ہائے مخفی فارسی جو مستعمل ہے، ہندی میں اکثر ساتھ یائے مجہول کے بدل ہوتی ہے۔ اہل ہند کے محاورے میں جیسا — 'مردے' 'کو' اور عربی الفاظ جو 'قصداً' 'ومثلاً' کے مانند ہیں سو ان کے املا کو حالت اصلی پر بہ حال رکھا۔ اور حرف کاف فارسی پر دو مرکز جو قدیم سے ہیں، سو ہی رہے۔ باقی جو کچھ مخفی رہا، سو حرفوں کے نقشے سے جو رسالے میں ہے، کل واضح ہوگا۔ فقط اس میں سے ایک 'بھ' ہے، جو تیرہ حروف ناگری میں آتے ہیں۔

حیدر بخش حیدری کا غیر مطبوعہ تذکرہ

گلشنِ ہند

"تذکرۂ حیدری" مصنفہ حیدر بخش حیدری کا ایک ناقص نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ہے جس کی نقل ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے حاصل کی تھی۔ پھر انھوں نے اس تذکرے کا ایک مکمل نسخہ آکسفورڈ کے انڈین انسٹی ٹیوٹ کے کتب خانے میں ڈھونڈ نکالا۔ اس سلسلے میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ابھی تھے کی مرتبہ "فہرست مخطوطات باڈلی ین" میں اس نسخے کا ذکر نہیں ہے۔

ذیل میں تذکرۂ حیدری کا دیباچہ پیش کیا جا رہا ہے، جو ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے نقل کردہ نسخے سے اخذ کیا گیا ہے۔

زینت کلام کی اس آفریدگار کی حمد سے ہے کہ جس نے سخن روح افزا کو ہر بشر کی زبان پر جاری کیا اور اپنی وحدانیت کے اثبات کرنے کو گویا، اور رونق بیان کی اس افصح الفصحا کی نعت سے ہے کہ جس کے کلامِ معجز نظام کی برکت سے سنگ کو قوتِ ناطقہ ملی۔ اور بے زبانوں نے طاقتِ تقریر پیدا کی۔ درود خدا کا نازل ہوجیو اس پر اور اس کے وصی پر، اور آلِ پاک علیہم السلام پر۔ بعد اس کے صاحبانِ طبیعت پر معلوم ہو کہ سید حیدر بخش متخلص بہ حیدری، خلف سید ابوالحسن نجفی ساکن دلی، شاگرد قبلۂ کونین مولوی غلام حسین غازی پوری، تعلیم یافتہ مجلس نواب ابراہیم علی خاں بہادر مرحوم، سنہ بارہ سو چودہ ہجری میں اکیسویں رجب [مطابق ۱۸ دسمبر ۱۷۹۹ء] کو تری کی راہ بنارس سے مرشد آباد کی طرف روانہ ہو، بعد قطع منزل غازی پور کے قریب پہنچا۔ وہاں مرزا محمد علی، مرزا محمد فاضل کے بیٹے، دلّی کے رہنے والے سے کہ وہ بھی ایک کشتی پر سوار ہوئے اسی سمت کو آتے تھے، ملاقات ہوئی۔ صاحب سلامت پیدا کی۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات اُن کے پاس جا بیٹھا کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھی مہربانی فرماتے تھے، اور طبع بھی موزوں رکھتے تھے۔ اس سبب سے اکثر شعر و سخن

بہم ہوا کرتا تھا۔ ایک دن کہنے لگے کہ میرے پاس ہندی کے دیوان متعدّد ہیں۔ اُن کی سیر کرو، اور اچھے اشعار اُن میں سے انتخاب کر کر ایک نسخہ بہ طور تذکرے کے ترتیب دو، جو تمھاری یادگار رہے۔ اگرچہ طبیعت اس فقیر کی صعوباتِ سفر اور تکالیف زمانہ سے ہر آن میں مشوّش رہتی تھی لیکن ان کی خاطر ازبس کہ عزیز تھی: وے دیوان دیکھے، موافق اپنے حوصلے کے اشعار چنے۔ اور نام اُن کے مصنّفوں کے بہ قدر تحقیقات کے احاطۂ تحریر میں لاکر اس تذکرے کا نام "گلشنِ ہند" رکھا۔ اب التماس صاحبانِ سخن و نقادانِ عالی طبع سے یہ ہے کہ سیر کے وقت اگر غلطی عبارت یا نامربوطی محاورہ نظر سے گذرے تو لطف و مہربانی سے اصلاح فرمائیں اور ذیل عنایت سے چھپائیں۔ جو یہ نہ ہو سکے تو جی ہی میں رکھیں، ظاہر نہ کریں۔ المسؤل من اللہ حسن القبول۔

چند اہم تاریخیں

۱۵۵۰ پرتگالی ہندستان میں پہلا چھاپا خانہ لائے۔

۱۵۵۷ "مالاباری تامل" زبان کی کتاب چھاپی گئی، جو ہندستان کی پہلی مطبوعہ کتاب تھی۔

۱۵۹۹ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام عمل میں آیا۔

۱۶۱۵ سورت میں پہلی انگریزی تجارتی کوٹھی قایم ہوئی۔

۱۶۳۰ "فارسی، ہندستانی، انگریزی و پرتگالی لغت" سورت میں مرتب کیا گیا۔

۱۶۷۲ گجراتی رسم خط کا چھاپا خانہ بھیم جی پارکھ نے سورت میں قایم کیا۔

۱۷۰۴ ہندستانی زبان کا ایک لغت، لاطینی زبان میں، ایک یورپین راہب نے مرتب کیا

۱۷۱۱ کیٹے لر پرتگالی سفیر کی حیثیت سے ہندستان وارد ہوا۔

۱۷۱۵ جوشا کیٹے لر نے لاطینی میں ہندستانی زبان کے قواعد و لغت کی ایک کتاب مرتب کی، جس میں انجیل کے اوامر عشرہ کا ہندستانی ترجمہ بھی شامل تھا، جو ہندستانی زبان میں کسی یورپین زبان کا پہلا ترجمہ تھا۔

۱۷۴۴ شُولٹز نے ہندستانی زبان کے قواعد لاطینی میں شایع کیے، جس میں ہندستانی رسم خط کی طباعت کے نمونے بھی شامل تھے۔

۱۷۵۷ پلاسی کی لڑائی۔ بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔

۱۷۶۵ شاہ عالم نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیوانی کی سند عطا کی، جس کے ساتھ ہی ہندستانی بولی کے اکثر علاقوں تک ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت پھیل گئی۔

اسی سال کپتان ہیڈلے نے ہندستانی زبان کے قواعد انگریزی میں مرتب کیے۔

۱۷۷۴ / ۱۷۷۵ تحسین نے چہار درویش کا اردو میں ترجمہ کیا جو جدید اردو نثر کی پہلی کتاب ہے۔

۱۷۸۲ ہندستان میں گل کرسٹ کا ورود اور ہندستانی زبان کی تحصیل کا آغاز۔

۱۷۸۴ کرنل کرک پیٹ رک نے ہندستانی زبان کے قواعد و لغت مرتب کیے۔ (یہ کتاب شایع نہیں ہوئی)۔

۱۷۸۵ گل کرسٹ نے ہندستانی زبان کے قواعد و لغت کی تدوین کا کام شروع کیا۔

۱۷۸۶ گل کرسٹ کے لغت کا پہلا حصہ طبع ہوا۔

۱۷۹۰ کپتان ہےرس نے انگریزی ہندستانی لغت مدراس سے شایع کیا۔
گل کرسٹ کے لغت کا دوسرا حصہ طبع ہوا۔

۱۷۹۶ گل کرسٹ نے "ہندستانی قواعد" کی کتاب شایع کی

۱۷۹۹ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول ملازمین کو ہندستانی زبان کی تعلیم دینے کے لئے گل کرسٹ نے کلکتے میں مدرسہ قایم کیا۔

۱۸۰۰ گل کرسٹ کے مدرسہ کا خاتمہ۔
فورٹ ولیم کالج کا قیام۔

۱۸۰۱ فورٹ ولیم کالج کے طالب علموں کے لئے گل کرسٹ نے مسکینؔ کا ایک مرثیہ دیوناگری رسم خط میں چھاپا۔

۱۸۰۲ گل کرسٹ نے "ہندستانی پریس" قایم کیا۔
شیر علی افسوس نے "باغ اردو" کے نام سے گلستان کا ترجمہ کیا، جسے گل کرسٹ نے ہندستانی پریس سے شایع کیا۔ یہی اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب ہے۔

۱۸۰۴ فورٹ ولیم کالج سے گل کرسٹ کا استعفا اور مراجعت وطن۔

حوالے

ابتدائیہ (صفحہ ۲۵ تا ۴۴)

۱ لکشمی ساگر وارشنے : فورٹ ولیم کالج ، (ہندی) ص ۳

۲ Keay : A History of Hindi Literature, p. 80.

۳ مولوی عبدالحق : قواعد اُردو ، ص ۱۲

۴ رام بابو سکسینہ : تاریخ ادب اردو (حصہ نثر) ص ۵

۵ یحییٰ تنہاؔ : سیر المصنفین ، جلد اول ، ص ۵۲

۶ Grierson : Linguistic Survey of India, Vol. ix, p. 3.

۷ The Calcutta Gazette, Vol. xxxiv, No. 865.

دیکھیے سرکاری اشتہار بابت "فورٹ ولیم کالج" جس میں پروفیسروں اور متعلقہ افسروں کی فہرست درج ہے۔ نیز دیکھیے نیشنل آرکائیوز (نئی دہلی) میں

Home, Miscellaneous, Vol. 559

جس میں گل کرسٹ کے خطوط بھی درج ہیں۔

۸ ibid, p. 309.

۹ Regulations of the College of Fort William.

۱۰ The Calcutta Gazette, op. cit.

۱۱ Buckland : Dictionary of Indian Biography, p. 55.

۱۲ میر امّن : باغ و بہار (مطبوعہ ہندستانی پریس ۱۸۰۳ء) ص ۵، ۶

۱۳ Gilchrist : English-Hindoostanee Dictionary, (Edinburgh, 1810)

۱۴ شیر علی افسوس : آرائش محفل (مطبوعہ انجمن ترقی اردو) ص ۳

۱۵ Dictionary of National Biography, Vol. xi, p. 575.

۱۶ Encyclopaedia Britannica, Vol. xi, p. 575.

Buckland, op. cit., p. 165. ١٧
Bailey : History of Urdu Literature, p. 80. ١٨

١٩ لکشمی ساگر وارشنے : متذکرہ ، ص ٣

٢٠ عتیق صدیقی : ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں ۔ ص ٤٣ - ٤٤

٢١ نادم سیتاپوری : فورٹ ولیم کالج اور مولوی اکرام علی ۔ ص ١٦٧

Gilchrist : The Appendix, p. vii. ٢٢
ibid., p. vi. ٢٣
ibid. ٢٤
Blumhardt : Catalogue of Hindi, Punjabi, and Hindustani Mss. in the British Museum, p. 53. ٢٥

پہلا حصّہ

پس منظر (صفحہ ٤٧ تا صفحہ ٦٠)

John Fryer : A New Account of East India and Persia, Vol. i, p 253. ١
ibid., Vol ii, p. 122. ٢
Vide Yule and Burnell : Hobson Jobson, p. 417. ٣
Grierson : Linguistic Survey of India, Vol. ix, p. 8. ٤
The Asiatic Annual Register, (London), 1805, see Account of Books, p. 4. ٥
Grierson, op. cit. ٦
The Asiatic Annual Register op. cit. ٧
Proceedings, Home, Public, December 1799, pp. 79-93. ٨
Gilchrist : The Appendix, p. ii. ٩
ibid., p. iii. ١٠
The Dictionary of National, Biography, Vol. xxiii, p. 435. ١١
Dodwell and Miles : The Indian Army List (1760-1834), pp. 124-125. ١٢
O.C., Home, Public, November 2, 1771, No. 7. ١٣
The Dictionary of National Biography, op. cit. ١٤
Yule and Burnell, op. cit. ١٥
Gilchrist : The Oriental Linguist pp. i-ii. ١٦
Kirpatrick's letter to the Court of Directors, (O.C., Home, Public, August 24, 1785, No. 39) ١٧

Grierson, op. cit. ۱۸
O.C., Home, Public, May 15, 1797, No. 50. ۱۹
The Dictionary of National Biography, vol. xxix. p. 389. ۲۰

۲۱ بحوالہ 'ہماری زبان' (علی گڑھ) جلد ۱۸ نمبر ۱۷ - یکم مئی ۱۹۵۹ء
دیکھیے ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا مضمون "اُردو کا ایک اور نام"

Proceedings of the College of Fort William, in the National Archives of India, New Delhi, Home Miscellaneous, vol. 559, pp. 297-300. ۲۲
O.C. Home, Public, February 14, 1785, No. 73. ۲۳
Edward : Catalogue of Persian Printed Books in the British Museum. ۲۴
Gilchrist : The Appendix., p. xxxi. ۲۵
Love : The Vestiges of Old Madras, Vol. iii, p. 346. ۲۶
Grierson, op. cit. ۲۷
Lovo, op. cit. ۲۸

۲۹ نورالحسن ہاشمی : مقدمہ نوطرزِ مرصع ، ص ۲۹، ۳۰
۳۰ محمد حسین عطا خاں تحسین : نوطرز مرصع (ہندستانی اکیڈمی) ص ۵۳ - ۵۴

دوسرا حصہ

ہندستان میں گل کرسٹ کا ورود اور تصنیف و تالیف کا دور (صفحہ ۶۳ تا صفحہ ۹۵)

Dictionary of National Biography, Vol. xxi. p. 342. ۱
ibid. ۲
Gilchrist : The Appendix, p. vi. ۳
O.C. Home, Public, April, 1, 1784, No. 40. ۴
ibid., January 31, 1785, No. 41. ۵
ibid., October 23, 1782, No. 10. ۶
Gilchrist, op. cit. ۷
ibid. ۸
ibid. ۹
O.C., Home, Public January 26, 1784, No 40 ۱۰
Gilchrist, op. cit. p. vii. ۱۱
O.C., Home Public, January 31, 1785, No. 42. ۱۲
ibid. ۱۳
ibid., September 23, 1785, No. 15 A. ۱۴
ibid. ۱۵
Gilchrist, op. cit. ۱۶

ibid. ۱۷
ibid. ۱۸

انشاء اللہ خاں انشا : دریائے لطافت (مرشد آباد ۔ ۱۸۵۰ء) ۱۹

Gilchrist, op. cit., p. viii. ۲۰
ibid. ۲۱
O.C., Home, Public, August 24, 1785, No. 39. ۲۲
ibid. ۲۳
ibid. No. 38. ۲۴
ibid. ۲۵
ibid., Decamber 8, 1786, No. 18. ۲۶
The Calcutta Gazette, Vol. vi, No. 147, Dec. 21, 1786. ۲۷
Governor-General's Letter to the Court of Directors, (Copies obtained from the India Office) Vol. 45, part 1, (178), pp. 108—129. ۲۸
O.C., Home, Public, June 4, 1787, No. 10. ۲۹
Proceedings, Home, Public, June 4, 1787, No. 10. ۳۰
Gilchrist, op. cit., p. x. ۳۱
A Narrative of Insurrections which happened in the Zamindari of Banaras, (1792). ۳۲
Gilchrist, op. cit., p. xii. ۳۳
Gazipore, (the District Gazeteer of U.P., Vol. xxix), p. 35. ۳۴
Banaras Affairs, (U. P. Government Records Office Series), pp. 152—157. ۳۵
ibid. ۳۶
ibid ۳۷
O.C., Home, Public, January 26, 1789, No. 14 ۳۸
ibid., February 4, 1789, No. 18. ۳۹
Gilchrist, op. cit., p. xii. ۴۰
Ghazipore, op. cit. ۴۱
Gilchrist, op. cit., ۴۲
Banaras Affairs, op. cit. ۴۳
Gilchrist, op. cit. ۴۴
Proceedings, Home, Public, February 13, 1788. No. 1. ۴۵
ibid. ۴۶
O. C., Home, Public, May 4, 1781, No. 28 A. ۴۷
ibid., April 22, 1791, No. 3. ۴۸
ibid. ۴۹
ibid. ۵۰
ibid., January 21, 1791, No. 33. ۵۱
ibid., May 18, 1791, No. 2. ۵۲
ibid, May 18, 1791, No. 9. ۵۳

Proceedings, Home, Public, December 22, 1794, pp. 4885-4886 ۵۴

ibid. ۵۵

The Calcutt Gazette, May 26, 1796, (Vide : Seton-Karr's Selection from the Culcutta Gazette, Vol. i). ۵۶

O. C., Home, Public, September 10, 798, No. 79. ۵۷

Governor-Generl's Letter to the Court of Directors, (National Archives of India), Vol. 1798-1799 pp. 22-23 ۵۸

Gilchrist : Oriental Linguist (see Advertisement). ۵۹

Gilchrist : The Appendix, pp. ix-x. ۶۰

۶۱ ڈاکٹر مختارالدین احمد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے ذاتی کتب خانے میں اس لغت کی دونوں جلدیں ہیں۔

Grierson, op. cit., p. 17. ۶۲

Gilchrist : English-Hindoostanee Dictionary. Second edition, p. 2. ۶۳

Dictionary of National Biography, Vol, xxiii, pp. 121-123. ۶۴

۶۵ درد اور سودا کی بعض غزلوں کے انگریزی ترجمے گل کرسٹ ہی نے اپنی تالیف اورنٹیل لنگویسٹ میں نقل کئے ہیں۔ جو فرانسس گلیڈون کے انگریزی رسالے اورنٹیل میسے لینی میں شائع ہوئے تھے۔

Gilchrist : A Grammar of Hindoostanee Language, p. 283. ۶۶

ibid., 334. ۶۷

Gilchrist : The Appendix, p. i. ۶۸

ibid. ۶۹

ibid., p. 94. ۷۰

ibid., p. 95. ۷۱

ibid., p. 184. ۷۲

The Asiatic Researches Vol. ۷۳

ibid. ۷۴

Gilchrist : Oriental Linguist, p. 117. ۷۵

ibid., p. 137. ۷۶

تیسرا حصہ

گل کرسٹ کا مدرسہ (صفحہ ۱۰۵ تا صفحہ ۱۳۳)

Proceedings, Home, Public Dec. 1798, pp. 3866-93. ۱

O. C., Home public, September 10, 1798, No. 79. ۲

Proceedings, op. cit. ۳

ibid. ۴

ibid. ۵
ibid. ۶
ibid. ۷
ibid. ۸
Proceedings, Home, Public, March 1799, pp. 618-89. ۹
ibid. ۱۰
ibid., pp. 619-41. ۱۱
ibid., April 1799, pp. 1021-22. ۱۲
ibid., pp. 1023-24. ۱۳
ibid. ۱۴
ibid., p. 1028. ۱۵
ibid. ۱۶
O. C., Home, Public, January 23, 1800, No. 61. ۱۷
ibid., February 7, 1800, No. 2. ۱۸
ibid., August 21, 1800, No. 1. ۱۹
Prodceedings, Home, Public, January 14, 1800, No. 1. ۲۰
O. C., op. cit. ۲۱
The culcutta Gazette, Vol. xxvi, No. 855. ۲۲
O. C., op. cit. ۲۳
ibid. ۲۴
ibid. ۲۵
ibid. ۲۶

چوتھا حصہ

گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج میں (صفحہ ۱۳۷ تا صفحہ ۱۸۶)

O. C. (Supplement), July 10, 1800, (Copies obtained from the India Office). ۱
ibid. ۲
ibid. ۳
ibid. ۴
The Calcutta Gazette (Extra Ordinary), 29 Sept., 1800. ۵
Martin : Welleseiy's Despatches, Vol. ii, p. 366. ۶
Martin : op. cit. ۷
ibid. ۸
Pearce : Memoirs and Correspondence of Wellesley. Vol. ii, pp. 206-208. ۹
Martin, op. cit. ۱۰
Pearce, op. cit. 211-12. ۱۱
ibid. ۱۲
ibid. ۱۳

۱۴ Proceeding of the College of Fort William (National Archives of India), Vol. 1, p. 4,

۱۵ ibid., p

۱۶ ibid., p. 14.

۱۷ ibid., pp. 45-46.

۱۸ ibid., pp. 47.

۱۹ ibid., pp. 47-50.

۲۰ ibid.

۲۱ ibld., p 51.

۲۲ ibid., pp. 54-55.

۲۳ ibid.

۲۴ ibid., p. 57.

۲۵ ibid.

۲۶ محمد اشرف : "اختر شہنشاہی" دیکھیے "ہندستانی"

۲۷ The Bengal Past and Present, Vol. xxi, No. 4-42. (July-December 1920), p. 168.

۲۸ Proceedings of the College of Fort William, op. cit , p. 168.

۲۹ میر امّن : گنجِ خوبی' دیکھیے دیباچہ

۳۰ Proceedings, op. cit. p. cit.

۳۱ ibid.,

۳۲ ibid., p. 45.

۳۳ Blumhardt, op. cit. (دیکھیے باغ وبہار)

۳۴ Proceedings, op. cit., 6.

۳۵ ibid.

۳۶ ibid.

۳۷ ibid., pp. 60-61.

۳۸ ibid.

۳۹ ibid., pp. 62-63.

۴۰ ibid.

۴۱ ibid.

۴۲ ibid., p. 93.

۴۳ کاظم علی جوان : "سکنتلا ناٹک" دیکھیے دیباچہ

۴۴ O.C. Home, Public, January 29, 1801, No. 27.

۴۵ ibid., No. 26.

۴۶ مرزا علی لطف : "گلشن ہند" ص ۱۵۲

۴۷ Proceedings of the College, op cit. p. 114.

۴۸ ibid. p. 123

۴۹ Grierson's Linguistic Survey of India, Vol ix,

۵۰ رام بابو سکسینہ : تاریخ ادبِ اردو (حصۂ نثر) ص ۱۵

۵۱ سید محمد : ارباب نثر اردو ص ۲۶۰

۵۲ ایضاً ص ۲۶۱

۵۳ ایضاً ص ۲۶۱ - ۲۶۲

۵۴ ایضاً ص ۲۶۲

۵۵ گریرسن کے لنگوسٹک سروے آف انڈیا کی نویں جلد کے علاوہ اسکی دوسری تالیفات میں اس کا اعادہ کیا گیا ہے۔

Gilchrist' Grammar of the Hindustani Language, p. ۵۶

۵۷ درگاہ قلی خاں : مرقع دہلی ص ۵۲

Procedings of the College, p. 143-144. ۵۸
ibid. ۵۹
ibid. ۶۰
ibid., p. 247-248. ۶۱
ibid. ۶۲
ibid., 255-262. ۶۳
ibid. ۶۴
ibid. ۶۵
ibid., 272-273. ۶۶
ibid., 277 ۶۷
ibid., pp. 280-281 ۶۸
ibid. ۶۹
ibid. ۷۰
ibid., pp. 274-276. ۷۱
ibid., pp. 285-287. ۷۲

۷۳ سید محمد : ارباب نثر اردو، ص ۵۶، ۵۷

Procedings of the College, 268-269. ۷۴
ibid., p. 298. ۷۵
ibid. ۷۶
ibid. ۷۷
ibid., pp. 289-292. ۷۸
ibid., pp. 298-299 ۷۹
ibid. ۸۰
ibid., p. 299. ۸۱
ibid., p. 300. ۸۲
ibid., p. 301. ۸۳
ibid., pp. 308-310 ۸۴
ibid. ۸۵

کتابیات

میر امن دہلوی	"باغ و بہار"	کلکتہ	۱۸۰۳ء
میر امن دہلوی	"گنج خوبی"	کلکتہ	۱۸۴۶ء
بہادر علی حسینی	"اخلاقِ ہندی"	کلکتہ	۱۸۰۳ء
حفیظ الدین	"خرد افروز"	"	
حیدر بخش حیدری	"توتا کہانی"	بمبئی	۱۸۷۰ء
حیدر بخش حیدری	"بارہ ماسا"	"	
رام بابو سکسینہ	"تاریخ ادبِ اردو"	لکھنؤ	۱۹۵۲ء
سید محمد	"اربابِ نثرِ اردو"	لاہور	۱۹۵۰ء
شیر علی افسوس	"باغِ اردو"	کلکتہ	۱۸۰۲ء
مولوی عبدالحق	"قواعد اردو"	لکھنؤ	۱۹۲۶ء
کاظم علی جوان	"سکنتلا ناٹک"	کلکتہ	۱۸۰۴ء
محمد اشرف	"اخترِ شہنشاہی"	لکھنؤ	۱۸۸۸ء
محمد حسین عطا خاں تحسین	"نوطرزِ مرصع"	الہ آباد	۱۹۵۸ء
محمد عتیق صدیقی	"ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں"	دہلی	۱۹۵۷ء
مرزا علی لطف	"گلشنِ ہند"	لاہور	۱۹۰۵ء
نادم سیتاپوری	"فورٹ ولیم کالج اور مولوی اکرام علی"	لکھنؤ	۱۹۶۰ء
نہال چند لاہوری	"مذہبِ عشق"	بمبئی	۱۸۴۳ء
یحییٰ تنہا	"سیر المصنفین"	دہلی	

فارسی

انشاءاللہ خاں انشاؔ "دریائے لطافت" مرشدآباد ۱۸۵۰ء

درگاہ قلی خاں ذوالقدر جنگ مرقع دہلی

گل کرسٹ "نوایجاد یعنی نقشۂ افعال فارسی" کلکتہ ۱۸۰۱ء

ہندی

वार्ष्णेय, लक्ष्मीसागर : फोर्ट विलियम कालेज १८००—१८५४ ई०
इलाहाबाद सं० २००४ वि०

انگریزی

East India Company's Records preserved in the National Archives of India, New Delhi :—

Indices (1772-1805).

Original Consultations, (1772-1805),

Procedings of the Governor-General's Council. (1772-1805),

Procedings of the College of Fort William. (1801-1805).

Bailey, T.G., *A History of Urdu Literature*, London, 1932.

Blumhardt. *Catalogue of Hindi, Punjabi and Hindustani Mss. in the British Museum.*

Buckland, C. E., *Dictionary of Indian Biography*, London, 1906

Dictionary of National Biography, London, 1885-1900, 63 Vols.

District Gazetteer of United Provinces, Vol. xxix (Ghazipore), Allahabad 1909.

Dodwell and Miles, *Indian Army List* (1760 1834).

Dodwell and Miles, *Medical Officers of the Indian Army.*

Edward Edward, *Catalogue of Persian Printed Books in the British Museum.*

Encyclopaedia Britannica, (article on Hindustani Literature), 1955 edition.

Fryer, John, *A New Account of East India and Persia*. 2 Vols. London, 18

Gilchrist, J. B., *Hindoostanee and English Dictionary*, Calcutta, 1786-1790.

Gilchrist, J. B., *Grammar of the Hindoostanee Language*, Calcutta, 1796.

Gilchrist, J. B., *Oriental Linguist*, Calcutta, 1798.

Gilchrist, J. B., *Appendix* (to *Grammar* and *Dictionary*), Calcutta, 1798.

Gilchrist, J. B. *Hindoostanee Philology*, (English and Hindustani Dictionary, in one volume), Edinburgh, 1810.

Gilchrist, J. B., *A New Theory of Persian Verbs*, (in Persian and English), Calcutta, 1801.

Gilchrist, J. B., *Oriental Fabulist*, Calcutta, 1803.

Grierson, G. A., *Modern Vernacular Literature of Hindustan*. Calcutta, 1817.

Grierson, G. A., *Bibliography of Western Hindi, including Hindustanni*, in the *Indian Antiqnary*, (a Journal of Oriental Research), Calcutta, Vol. xxxii (January—July, 1903).

Grierson, G. A., *Linguistie Survey of India*, Calcutta, 1916

Hadley, Capt. George, *Grammatical Remarks on the Practical and Vulgar Dialect of Indostan*, London, 1772.

Hadley, Capt. George, *A Compendious Grammar*, (4th edition of the above, corrected and enlarged), London, 1797.

Keay, F. E., *A History of Hindi Literature*, London, 1933.

Love, H. D., *Vestiges of Old Madras*, London, 1914, 4 Vols.

Martin, R. Montgomery, *Our Indian Empire*, London, u.a. 2 Vols.

Martin, R. Montgomery, *Wellesley's Minutes and Despatches*. London, 1836, 3 Vols.

Narain, V. A., *Jonarthan Duncan and Varanasi*, Calcutta, 1957.

Narrative of Insurrections which Happend in the Zamindari of Banaras, Calcutta, 1792.

Pearce, Rev. H., *Memoirs of Rev. Claudius Buchanan*, London. 1819, 2 Vols.

Pearce, R. R., *Memoirs and Correspondence of Richard Marquess Wellesley*, London, 1846, 3 Vols.

Ranking, Lieut.-Col. G. S. A., *History of the College of Fort William*, in the *Bengal Past and Present*, Vols. vii, xxi-xxiv, (Calcutta).

Roebuck, Thomas, *Annals of the College of Fort William*, Calcutta 1819.

Saletore G. N., *Banaras Affairs* (1788-1810) Vol. 1, Allahabad 1955.

Saletore, G. N., *Banaras Correspondence*, (Press List of the Pre-Mutiny Records) Vol. 1, Allahabad, u. d.

Yule and Burnell, *Hobson Jobson*, (a glossary of colloquial Anglo-Indian words and phrases), London, 1903.

PERIODICALS AND NEWSPAPERS

The Asiatic Annual Register (London), 1801-1807.

The Asiatic Researches, (Calcutta), 1788-1800.

The Bengal Past and Present, see Ranking.

The Calcutta Gazettee, *Pasim*.

اشخاص اور اداروں کا اشاریہ

کتابوں کا اشاریہ

گل کرسٹ اور اس کا عہد

تصویریں

گل کرسٹ

اُردو، ہندی اور رومن حروف تہجی

گل کرسٹ کے لغت کا اشتہار

گل کرسٹ کے لغت کے پہلے حصّے کا سرورق

گل کرسٹ کے لغت کا پہلا صفحہ

گل کرسٹ کے لغت کے دوسرے حصّے کا سرورق

گل کرسٹ کے قواعد کا سرورق

اُردو ہندی طباعت کا ایک ابتدائی نمونہ

گل کرسٹ کے "ضمیمے" کا پہلا صفحہ

گل کرسٹ کی اُورِینٹَل لِنگوِیسٹ کا سرورق

اُورِینٹَل لِنگوِیسٹ کا ایک صفحہ

گل کرسٹ کی تحریر کا عکس

فورٹ ولیم کالج کی مہر

فورٹ ولیم کالج کا پُرووُسٹ ڈیوِڈ بُراؤن

فورٹ ولیم کالج کا وائس پُرووُسٹ بُکھانن

گل کرسٹ کی ایک فارسی تالیف کا سرورق

باغ و بہار کی پہلی اشاعت کا سرورق

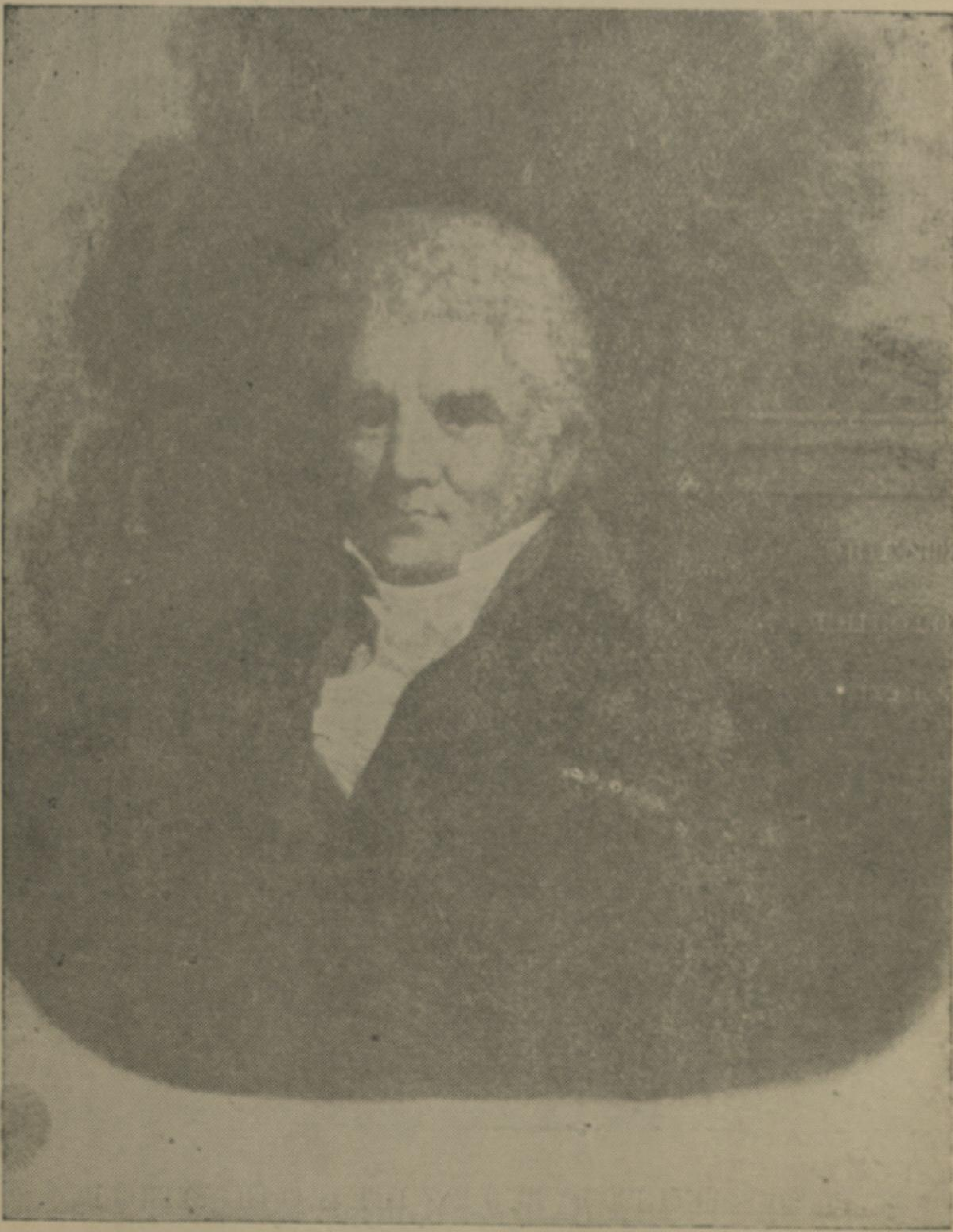
گنج خوبی کا سرورق

گنج خوبی کا پہلا صفحہ

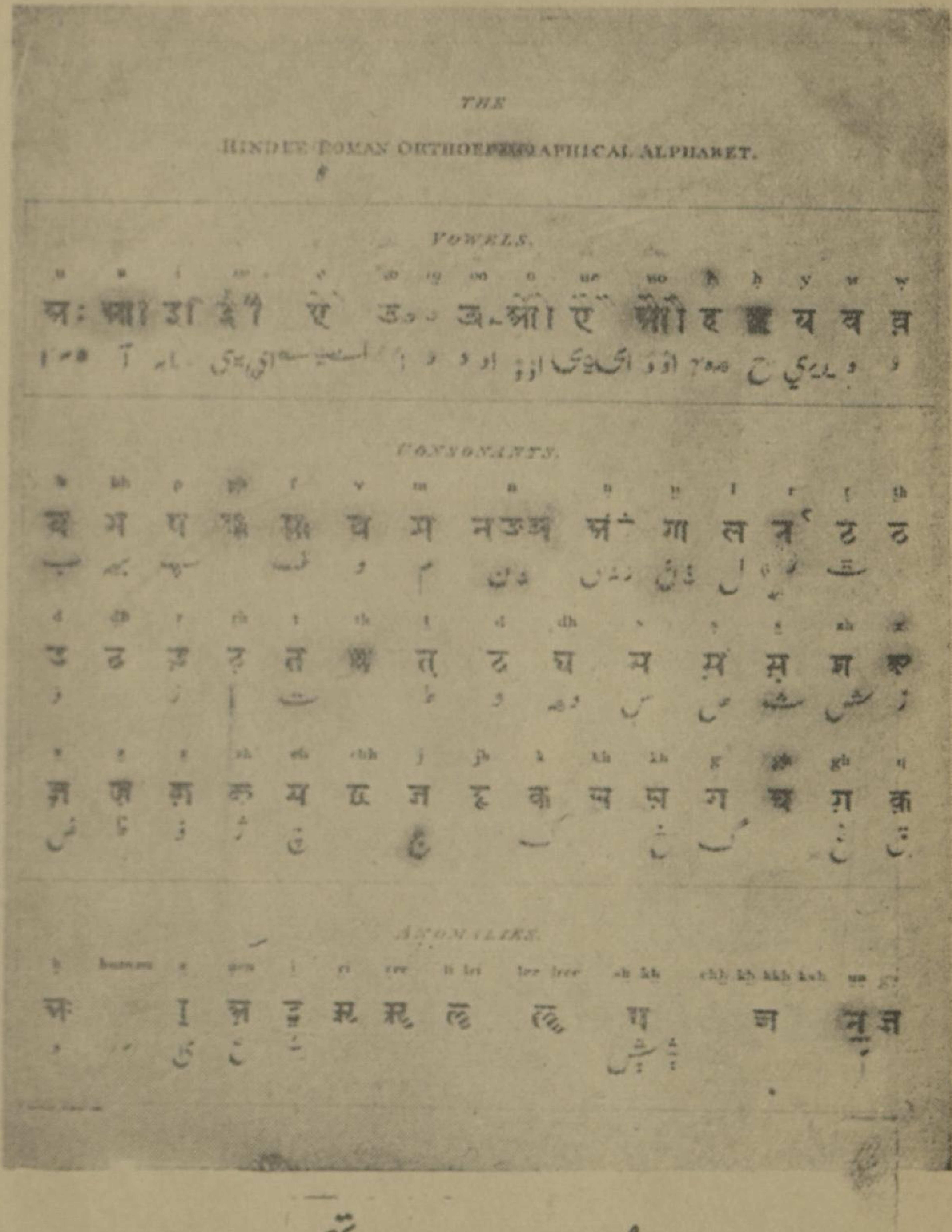
اخلاق ہندی کا سرورق

اخلاق ہندی کا انگریزی سرورق

ہندوستان میں گل کرسٹ کی آخری تالیف



گل کرسٹ



اردو، ہندی اور رومن حروف تہجی

Gilchrist's Dictionary.

THE ENGLISH AND HINDOOSTANEE DICTIONARY being now completed, and having considerably exceeded the Limits at first intended, the Author respectfully informs the Subscribers, that he has thereby been subjected to an Encrease of Expence, which he determined to hazard, rather than curtail a Work that, with all it's Imperfections, has been favourably received by a discerning and indulgent Public.— *The Grammar and Appendix* would soon be published, (and will eventually be delivered *Gratis* to the *Subscribers*, when required,) were the Author not greatly in Arrears to the Printers, and otherwise, from various Misfortunes, much embarrassed in his Circumstances; he is therefore necessitated to *solicit* what he has *no right to demand*, the Addition of *Ten Rupees* for the above Parts, to the Original Subscription of *Forty Rupees* for the Whole, from those Subscribers only who may wish to testify their Approbation of his Labours in this Way. All Sums or Drafts sent to Mr. John Holmes, at the Chronicle Office, in consequence of this Solicitation, will be duly acknowledged, and appropriated to the sole Purpose of discharging the Author's Debts to the Press; together with the Amount of many out-standing Subscriptions, when the original Subscribers in this predicament find it convenient to pay the same. Should this Address have the desired Effect, Mr. GILCHRIST will be induced *(after printing the Grammar)* to circulate his *Proposals for publishing Volume Second*; containing his *Hindoostanee and English Dictionary, on a perfectly new, perspicuous, easy, and comprehensive Plan, carefully preserving the Correlativeness of this Volume, and the First, or English and Hindoostanee Dictionary already published.* Gentlemen inclined to countenance the *proposed Work*, will be so good as to send their Names to the Printers, of which no Advantage can or will be taken, until they approve of the *Proposals for, and Plan thereof*, when laid before them.

JOHN GILCHRIST.

Ghazeepoor, 23d November, 1790.

گل کرسٹ کے لغت کا اشتہار

A

DICTIONARY,

NGLISH AND HINDOOSTANEE.

TO WHICH IS PREFIXED

A GRAMMAR

OF THE

HINDOOSTANEE LANGUAGE.

BY

JOHN GILCHRIST.

هرجا كه سهوي و خطائي واقع شود بذيل كرم
بپوشند و قلم اصلاح بر آن جاري دارد

Wherever there ſhall occur an Omiſſion or Error, cover it with the Mantle of Generoſity, and hold the Pen of Correction running over it.

DR. BALFOUR'S HERKEREN.

CALCUTTA:

PRINTED BY
STUART and COOPER.

M.DCC.LXXXVI.

گل کرسٹ کے لغت کے پہلے حصّے کا سرورق

A

DICTIONARY,

ENGLISH and HINDOOSTANEE.

A, Has uniformly a broad found, as in *all.*

A, (or *an*) the indefinite article of unity, is either expressed by the numeral *ek* ایک *one*, or found *(as in Latin)* in the simple *noun*; thus, in Souda:

Ek dil mila ki jis men hyn syk ron mulole:

ایک دل ملا کہ جس مین ہین سیکرون ملولی

I have found *a heart* in which there are many sorrows.

And again, in this verse;

Khoolta hy ubhee *pul* men tilismat juhan ka:

کہلتا ہی ابہی پل مین طلسمات جہان کا

Now the charm of this world in *a moment* dissolves.

A, before participles, is either rendered by *koo* کو *to*: They went *a*-swimming, pyrne *koo* gue پیرنی کو گئی or by the inflection of the verbal noun only: thus, They went *a*-walking, phirne gue پہرنی گئی

A, implying *proportion*, *h.* peech,he پیچہی *p. sure* سری *a. fee* فی thus: How much is his income *a* year? burus *peech,he* oos kee ketee amud hy? برس پیچہی اوسکی کیتی آمد ہی How much *a* chair? *sure* choukee keta سری چوکی کیتا Five rupees *a* yard, *fee* guz panch roopue فی گز پانچ روپی These particles are nevertheless often omitted. How much *a* pair? kete jo ra? کیتی جوڑا How much *a* piece? kete t,han? کیتی تہان v. *for*, *per*, &c.

TO ABANDON, *h.* ch,hor na چہوڑنا teagna تیاگنا tujna تجنا ch hor-*b,hagna* چہوڑ-بہاگنا *a.* turk *kurna* ترک-کرنا v. *to desert.*

ABANDONED, *a.* khalee خالی *h.* foona سونا oojar اوجاڑ *p.* weeran ویران v. *deserted*; *p.* kh,war خوار *a.* ubtur ابتر *h.* chour chouput چوڑ چوپٹ futte,a-nas ستیاناس v. *vicious*, &c. To be abandoned, *p.* goozur-*jana* گزر-جانا khwar-&c. *hona* خوار-ہونا v. *graceless.*

ABASED *h.* hulka ہلکا *p.* foobook سبک *h.* upuman اپمان v. *debased.*

B ABASHED,

گل کرسٹ کے لغت کا پہلا صفحہ

A

DICTIONARY,

ENGLISH AND HINDOOSTANEE:

IN WHICH THE WORDS ARE MARKED WITH THEIR DISTINGUISHING INITIALS;

AS

HINDUWEE, ARABIC, AND PERSIAN;

WHENCE

THE HINDOOSTANEE,

OR WHAT IS VULGARLY, BUT IMPROPERLY, CALLED

THE MOOR LANGUAGE,

IS EVIDENTLY FORMED.

By JOHN GILCHRIST.

IN TWO PARTS.

PART II.

هرجا كه سهوي وخطائي واقع شود بذيل كرم
بپوشند وقلم اصلاح بران جاري دارند

"Whenever there shall occur an Omission or Error, cover it with the Mantle of Generosity, and hold the "Pen of Correction running over it." BALFOUR'S HERKEREN.

CALCUTTA:

FROM THE PRESS OF COOPER AND UPJOHN,

M,DCC,XC.

گل کرسٹ کے لغت کے دوسرے حصّے کا سرورق

A

GRAMMAR,

OF THE

HINDOOSTANEE LANGUAGE,

OR PART THIRD

OF

VOLUME FIRST,

OF A SYSTEM OF

HINDOOSTANEE PHILOLOGY.

By JOHN GILCHRIST.

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جوان ہے	*Ub ſamne merr jo ko,ee peer o juwan hy*
دعوی نکرے یہ کہ میرے مونہہ مین زبان ہے	*Dawa na kure yih ki mere moonh men zuban hy*
مین حضرت سودا کو سنا بولتے یارو	*Myn huzrut i Souda ke ſoona bolte yaro*
اللہ ہی اللہ کہ کیا نظم و بیان ہے	*Ullah hee Ullah ki kya nuzm o byan hy.*

هر جا که سهوی و خطائی واقع شده بذیل کرم
بپوشند و قلم اصلاح بران جاری دارند

"Wherever there ſhall occur an Omiſſion or Error, cover it with thy Mantle of Generoſity,
"And hold the Pen of Correction running over it." DR. BALFOUR'S HERKERN.

CALCUTTA:

PRINTED AT THE CHRONICLE PRESS.

M DCC XC VI.

گل کرسٹ کے قواعد کا سرورق

مکری

ساري رين چهتين پر را کها
رس کس وا کا سبهي چا کها
بهور بهيء تب ديني ڈار
کيا سکهي ساجن نهين سکهي ہار

मुकुरी

सारीरइनिछतिअनपरराख्या
रस कश आका सबही चाख्या
भोर भयो तब दीनो डार
क्यासखीसाजननहिसखीहार

FREE TRANSLATION.

All night I bore upon my heaving breaſt,
Of ev'ry ſweet, and ev'ry charm poſſeſt,
Nor quitted 'till the morn began to breathe—
"Whom? your beloved?" No—A flow'ry wreathe.

SAHIB.

اُردو ہندی طباعت کا ایک ابتدائی نمونہ

ABO ABS

A, For the name and power of this letter conſult the Grammar, and Volume II. when publiſhed. Where *a* means *any*, *every*, *each*, it is expreſſed by *ku,ee* and the particles already enumerated, or by a repetition of the word; whence roz roz, admee admee, burus burus, often ſignify *a day*, *a man*, *a year*, ſee *each*, &c.

Abaft, *h.* pich,hwara, v. *rear.*

Abandoned, *h.* gy,a guzra, *p.* khoda,ee khwar, v. *wicked.*

To Abaſe, *h.* puch,harna, girana, v. *degradation*, &c.

To Abaſh, *h.* ſukchana, chupana, panee panee-*k.* v. n. *h.* ſukuchna, chupna, v. *to bluſh.*

Abbot, *h.* muhunt,h, *p.* tukee,edar,-da,eredar,- [ee.] v. *chief.*

Abbreviation, *a.* turkheem, v. *contraction.*

A. B. C. *p.* ulif be, *h.* ku k,hu. v. *alphabet.*

Abdicator, *a.* tarik, *h.* te,agee, v. *deſerter.*

Abdication, *(of a throne)* *a* turki ſultunut, v. *reſignation.*

Abdomen, *h.* kot,ha, *(hypogaſtrium)* peroo, *(hypochondrium)* kok,h, kokha. v. *belly.*

Aberration, Aberrance, *h.* koo-put,h, v. *deviation.*

Abettor, *p.* dumbaz, *h.* purchukee, v. *to inſtigate.*

Abhorrence, *h.* g,hing,hinahut, kuchee,ahut, *a.* ikrah, v. *deteſtation*, &c.

Abject, *h.* jootee khor,-pyzar khor,- [ee.] v. *wretched.*

Abodement, *h.* k,hutka, agum, *a.* khutru, v. *to forebode.*

To Aboliſh, *h.* mitana, v. *to expunge.*

Abolition, *a.* ibtal, muhwee,ut, inhidam, v. *deſtruction.*

Abominable, *a.* mustukruh, *p.* nufrut-ungez, v. *hateful.*

a. bytudmal, v. *exceſſively.*

Abomination, &c. *p.* nufrut angezee, v. *obſcenity*, *defilement*, &c. *(in the pl.)* mukroohat. v. *orgies.*

Aborigines, *a.* usool, *h.* adou. v. *ancient*, *primitive*, &c.

Abortion, *a.* wuzu - or - ſuqoothumul, *h.* gurb,h ſurwut, *(produce)* *a.* ſuqtu, *h.* potla, mujee,a, v. *mole*, *(in contempt)* hynee lutta. v. *clout.*

Abortive, *(or apt to miſcarry)* *h.* petgirounee or-lurounee. v. *imperfect*, &c.

Above, *p.* bur, *a.* fouq. To be above any buſineſs, &c. *h.* k,hynch rukhna. v. *to ſcorn.*

Above cited, &c. *a.* murqoom, muzboor, mushar-un ilehe, momu,ileh, mousoof, mumdooh, *p.* nam burdu, *h.* wohee.

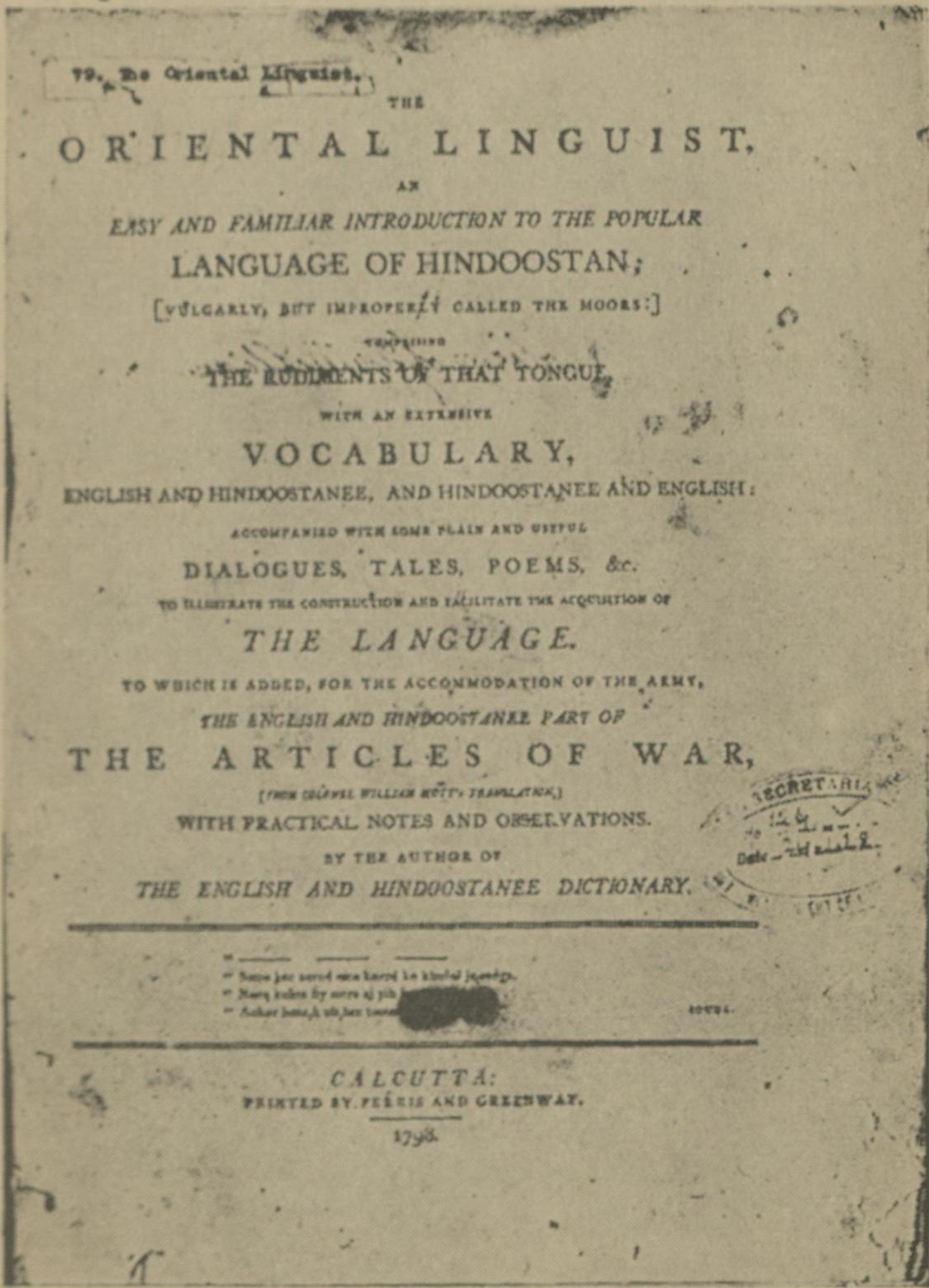
To Abound, *h.* oomundna, b,hurna, p,hoot-purna. v. *to ſwarm.*

About, *h.* nikut, kilhee, uchun, v. *nearly*, *(indirect)* *h.* p,hir, p,herkur, g,hoom, v. *as*, &c. All about, *h.* ſub id,hur ood,hur, v. *here*, &c. To come about, *h.* p,hirna, v. *to return*, *prepare*, &c.

Abreaſt, *h.* kurekur, *p.* pahloo bu pahloo, v. *ſide.* Abroach, *h.* or huk-pur. v. *atilt.*

Abroad, *h.* unte, *p.* be-wutun, *a.* wi-

گل کرسٹ کے "ضمیمے" کا پہلا صفحہ



79. The Oriental Linguist.

THE

ORIENTAL LINGUIST,

AN

EASY AND FAMILIAR INTRODUCTION TO THE POPULAR

LANGUAGE OF HINDOOSTAN;

[VULGARLY, BUT IMPROPERLY CALLED THE MOORS:]

COMPRISING

THE RUDIMENTS OF THAT TONGUE,

WITH AN EXTENSIVE

VOCABULARY,

ENGLISH AND HINDOOSTANEE, AND HINDOOSTANEE AND ENGLISH:

ACCOMPANIED WITH SOME PLAIN AND USEFUL

DIALOGUES, TALES, POEMS, &c.

TO ILLUSTRATE THE CONSTRUCTION AND FACILITATE THE ACQUISITION OF

THE LANGUAGE.

TO WHICH IS ADDED, FOR THE ACCOMMODATION OF THE ARMY,

THE ENGLISH AND HINDOOSTANEE PART OF

THE ARTICLES OF WAR,

[FROM COLONEL WILLIAM SCOTT'S TRANSLATION,]

WITH PRACTICAL NOTES AND OBSERVATIONS.

BY THE AUTHOR OF

THE ENGLISH AND HINDOOSTANEE DICTIONARY.

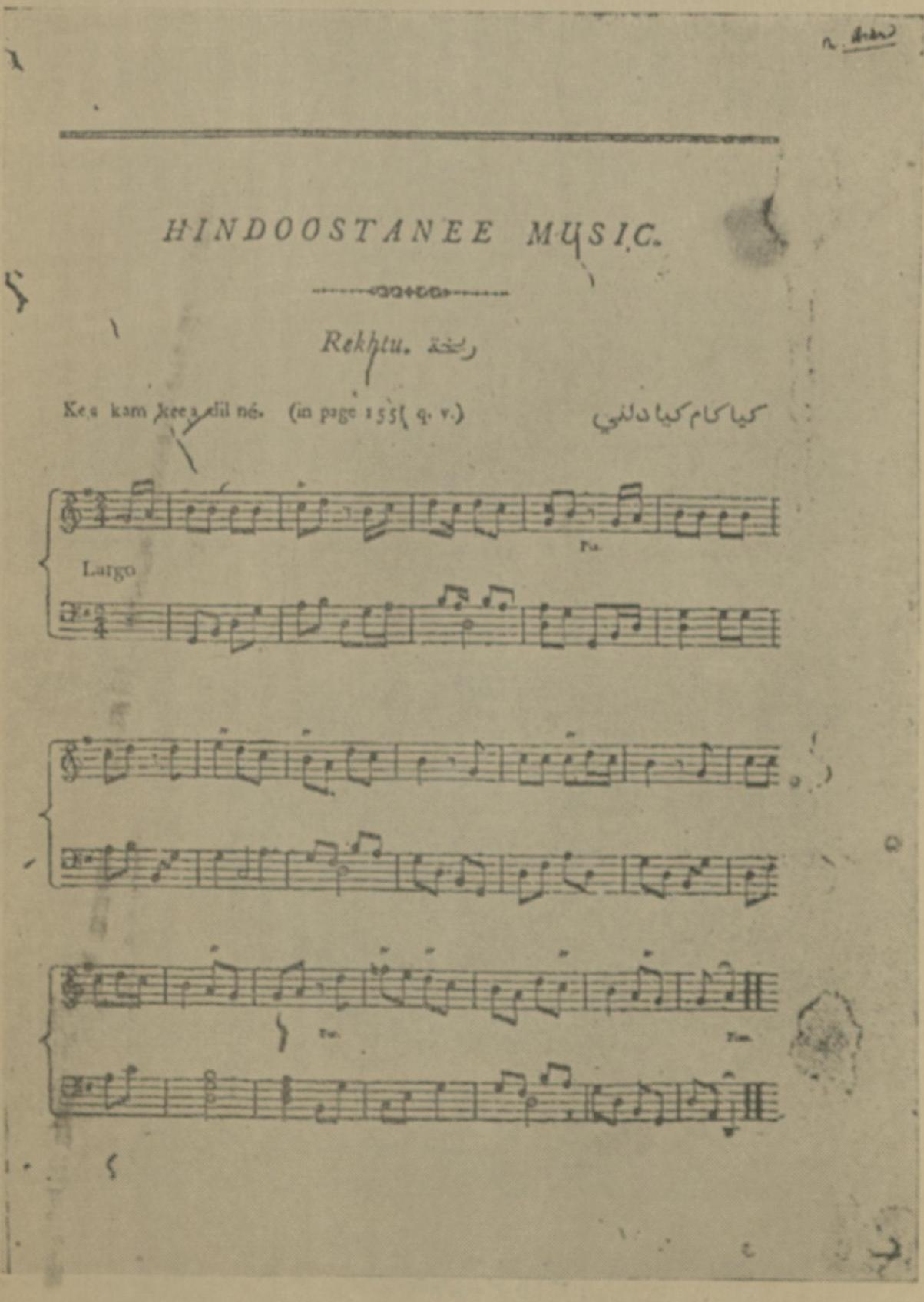
SOUDA.

CALCUTTA:

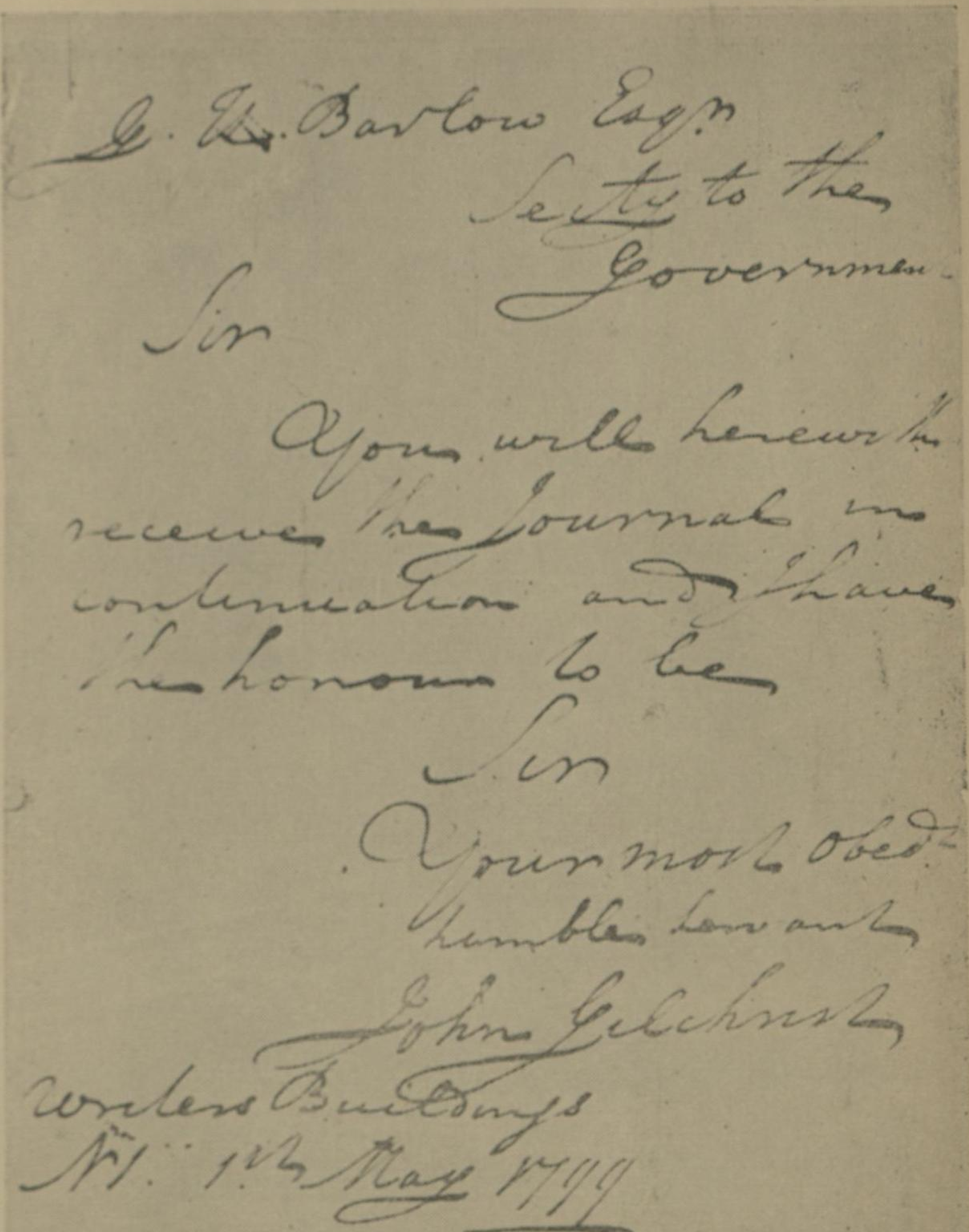
PRINTED BY FERRIS AND GREENWAY.

1798.

گل کرسٹ کی اورینٹل لنگوسٹ کا سرورق



اُورینٹل لنگوسٹ کا ایک صفحہ



G. H. Barlow Esqr

Secty to the

Government

Sir

You will herewith receive the Journal in continuation and I have the honour to be

Sir

Your most Obedt

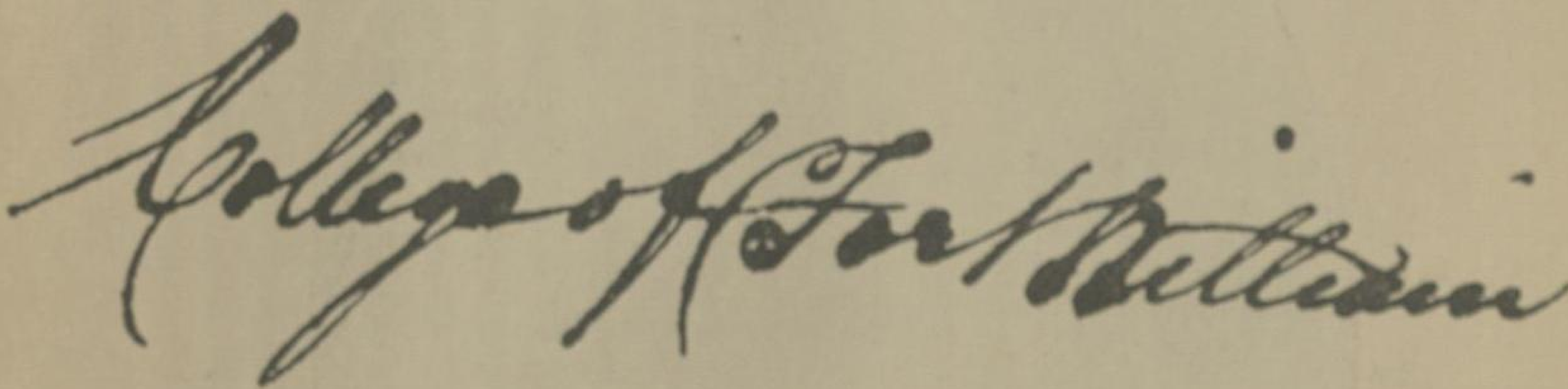
humble Servant

John Gilchrist

Writers Buildings

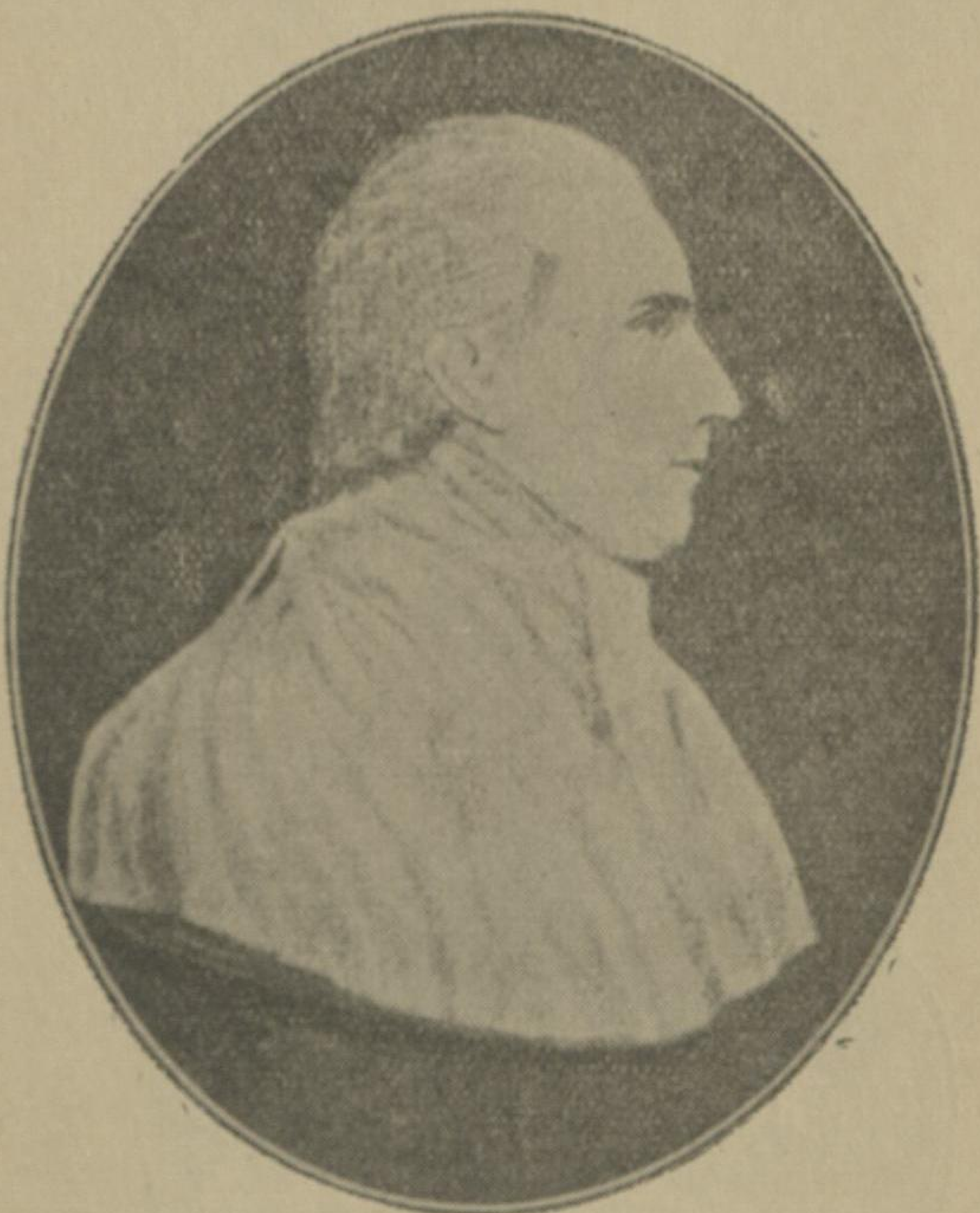
No. 1. 1st May 1799

گل کرسٹ کی تحریر کا عکس

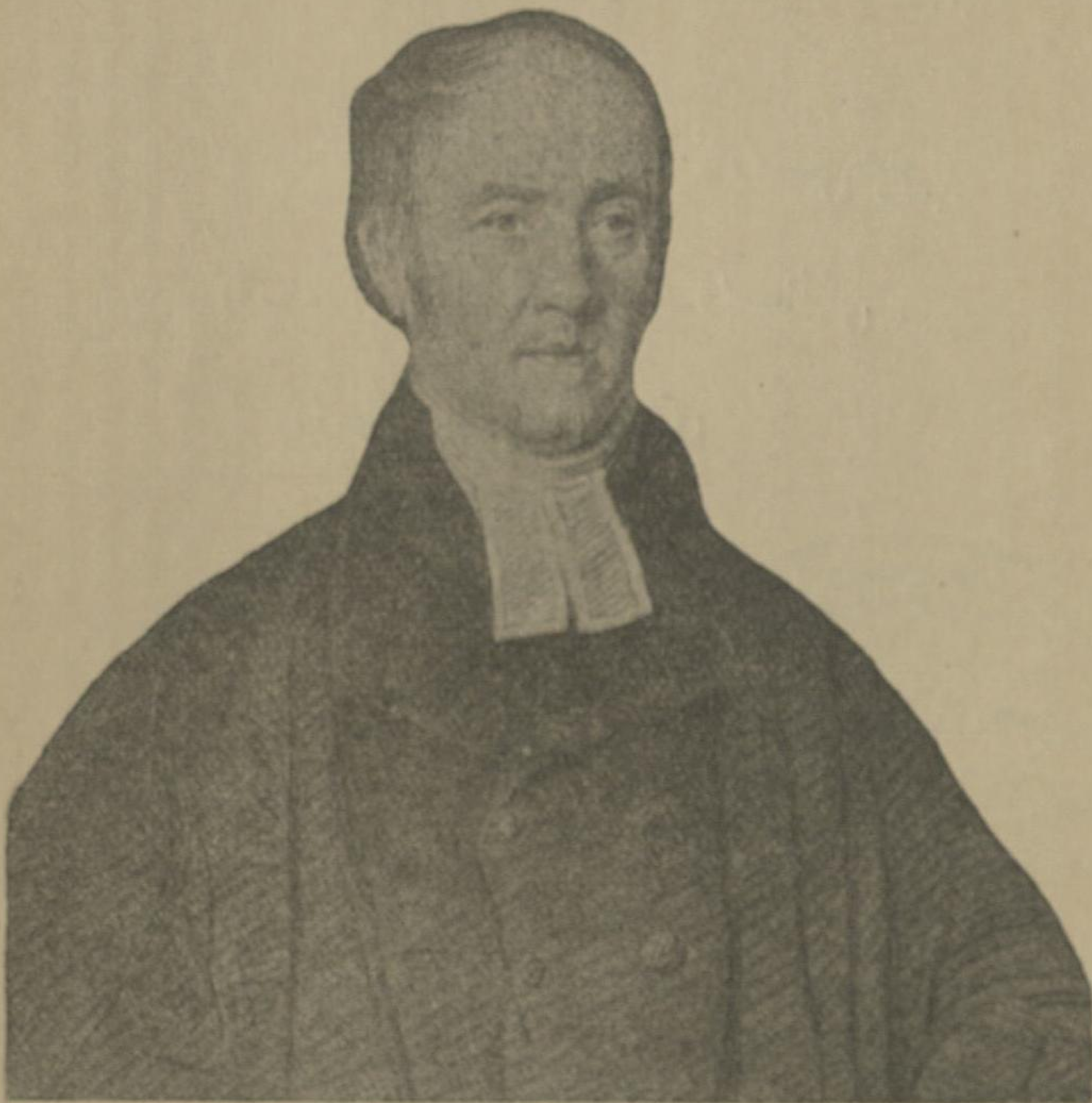




فورٹ ولیم کالج کی مہر



فورٹ ولیم کالج کا پرووسٹ ڈیوڈ براؤن



فورٹ ولیم کالج کا وائس پرووسٹ بکھائن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نو ایجاد یعنے نقشۂ افعال فارسی مع
مصدرات آن و مترادف ہندوستانی
در فارسی و انگریزی

مصنفہ

جان گلکرسٹ

ہزار غوطہ بخوردم دُرے بکف نرسید

بمقام کلکتہ در کارخانۂ ہرکارہ

تیار کردۂ تامس ہالنگ بری

سنہ ۱۸۰۱ عیسوی

گل کرسٹ کی ایک فارسی تالیف کا سرورق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باغ و بہار

واسطے زندہ نوئیان عالیشان مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان مارکوئیس
ولزلی گورنر جنرل بہادر دام افضالہ کے خوشنامی و حافظ مدرسے کے ہیش

ماخذ اسکا نوطرز مرصع وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہی
فارسی قصہ چار درویش سے

ابن گلکرسٹ صاحب دام دولتہ کی فرمایش سے

تالیف کیا ہوا میر امن دلی والیکا

شست و شو دوں زباں میں الفاظ کو جس پانی سے
در دہی اب گہر سامنے اسکے وہ زلال
خامہ کہتا ہی میرا ہی جو فصاحت آہنگ چیر
سوز بانگی ہی میری خار دمہ ے زر و مال
ختم اب کرتا ہی سودا بدعا ای خامہ
دوست ہوں شاد تیرے اور ہوں دشمن پامال

ہندوستانی چھاپاخانہ
سنہ ۱۸۰۳ عیسوی مطابق سنہ ۱۲۱۸ ہجری کے

باغ و بہار کی پہلی اشاعت کا سرورق

هو الاول

کتاب سعادت انتساب

گنج خوبی

اخلاق المحسنی کا ترجمہ کیا ہوا میر امن دلی والے کا زبدۂ نویسان
عظیم الشان شہر خاص حضور فیض معمور مالکہ ممدرہ بارگاہ
انگلستان اشرف الامرا نواب گورنر جنرل سر ہنری
ہارڈنگ بہادر دام اقبالہ کے عہد حکومت میں اور جناب
معلی القاب خوش خلقی و خوبی کے گنج علم و فضل کے سرسنج
کپتان جارج تربل مارشل صاحب بہادر دامت حشمتہ کی
سے برتری فورٹ ولیم کالج کے وقت میں

اہتمام سے بندۂ عاصی پر معاصی

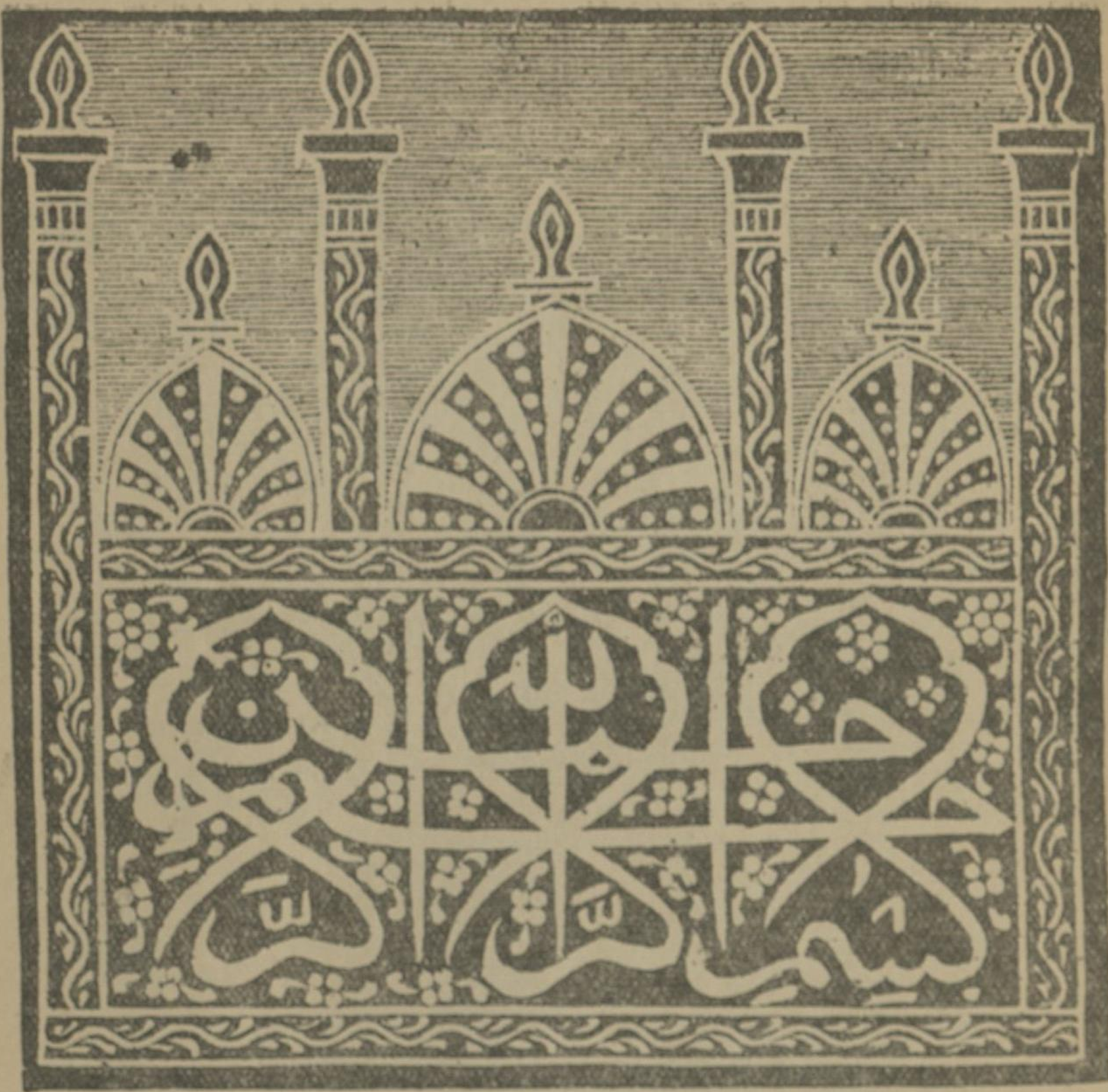
غلام حیدر

ساکن ہوگلی کے شہر کلکتے کے درمیان مطبع احمدی میں جناب
حاجی سید عبداللہ صاحب کے سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں
مطابق سنہ ۱۸۴۶ عیسوی کے چھاپی گئی *

* شعر *

* میں اسکو پری نثر کہوں یا صنم ہند *
* ہر اک جسکی سطر ہے گویا انوار سہیلی *

گنج خوبی کا سرورق



مخلوق کی کیا بساط جو خالق کے اخلاق اور اوصاف بیان میں
لاوے ۔ ایک سر مو نہ کہہ سکے اگر بدن کے روئیں روئیں کو
زبان بناوے ۔ انسان کو واجب ہی کہ اپنی خلقت کو نظر تامل
سے دیکھے اور سجدے شکر کے بجا لاوے کہ خلاق دو عالم نے
اسے اشرف المخلوقات خلق کیا اور ایسا خلیق پیغمبر
ہدایت کے لئے بھیجا کہ وہ حسن خلق میں بے بدل ہی چنانچہ
خلق محمدی ضرب المثل ہی ۔ اور درود رسول مقبول صلی اللہ

گنج خوبی کا پہلا صفحہ

هو
الله
اکبر

اخلاقِ ہندی

ترجمہ مُفتی تاج الدین کی

مفرح القلوب کا مدرسۂ جدید

کے لیے عہد میں زبدۂ نوئینانِ عظیم الشان

مُشیرِ خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان مارکویس

ولزلی گورنر جنرل بہادر دام ظلہٗ کے کیا ہوا

میر بہادر علی حسینی کا حکم سے خداوند

نعمت جان گلکرسٹ

صاحب دام اقبالہٗ

کے

رہکے دنیا میں کیجیے وہ فکر — بعد کوئی کرے بہ خوبی ذکر

سنہ ۱۸۰۳ عیسوی مطابق

سنہ ۱۲۱۸

ہجری

ہندوستانی چھاپے خانے

میں چھاپا گیا ہوا

منشی غلام نبی

کا

اخلاقِ ہندی کا سرورق

UKHLAQI HINDEE,

OR

INDIAN ETHICS,

TRANSLATED FROM

A

PERSIAN VERSION

OF THE CELEBRATED

Hitoopudes, or Salutary Counſel,

BY

MEER BUHADOOR ULEE;

HEAD MOONSHEE IN THE

HINDOOSTANEE DEPARTMENT

OF THE

NEW COLLEGE, AT FORT WILLIAM,

FOR THE USE OF THE STUDENTS,

UNDER THE SUPERINTENDENCE

OF

JOHN GILCHRIST

Calcutta.

PRINTED AT THE HINDOOSTANEE PRESS.

1803.

اخلاق ہندی کا انگریزی سرورق

THE

ORIENTAL FABULIST

OR

POLYGLOT TRANSLATIONS

OF

ESOP'S AND OTHER

ANCIENT FABLES

FROM

THE ENGLISH LANGUAGE,

INTO

HINDOOSTANEE, PERSIAN, ARABIC,

BRIJ B,HAK,HA, BONGLA,

AND

SUNKRIT,

IN THE

ROMAN CHARACTER,

BY

VARIOUS HANDS

UNDER

THE DIRECTION AND SUPERINTENDENCE

OF

JOHN GILCHRIST,

FOR THE USE OF

THE COLLEGE OF FORT WILLIAM.

CALCUTTA,

PRINTED AT THE HURKARU OFFICE

1803.

ہندوستان میں گل کرسٹ کی آخری تالیف

پسِ طباعت

باسط خاں باسطؔ	مقتبس از	قصۂ گل صنوبر (مخطوطہ)
خلیل علی خاں اشکؔ	" "	انتخاب سلطانیہ "
مرزا مغل	" "	باغِ سخن "
معین الدین فیضؔ	" "	چشمۂ فیض "
مظہر علی خاں ولاؔ	" "	جہاں گیر شاہی "
منصور علی	" "	بحرِ عشق "
احوالِ ترجمہ قرآن شریف	" "	ترجمہ قرآن شریف "

باسط خاں باسطؔ

(مقتبس از گلشنِ ہند)

... التماس اہلِ قلم، معنی رقم، صاحبِ فضل و ہنر، اہلِ قدر، عالی منش کی خدمت میں یوں ہے، کہ فدوی باسط خاں، متوطنِ ہندوستان، تخلص باسطؔ، قدیم غلامانِ غلام، بندۂ بارگاہِ سلطانی، ہمیشہ سے روزگار بزرگوں نے سپہ گری کا بادشاہوں کے دربار میں کیا، اور مجراگاہ آداب و تسلیمات کی بار بار پاتے رہے۔ محمد شاہ غفراللہ کے جہان سے اُٹھ جانے کے سبب اور غفلت کی نیند لینے کے باعث ایک عالم نے ایسی تباہی دیکھی کہ کیا بیان کروں۔ اور چرخ نے اپنی کاوش کے ساتھ خرابی گو دہاں کی ایسی نیلی پیلی آنکھیں دکھلائیں کہ کسی کے پہنچنے کا تو کیا مذکور، سر اکسانے کی نوبت نہ آئی۔ پھر تو ایسی عجیب گردی ہوئی [کہ] جدھر جس کا سینگھ سمایا اُدھر کی راہ لی۔ کوئی کدھر گیا اور کوئی کسی طرف۔ عہد میں شاہ عالم بادشاہ کے کہ جن کا تخلص آفتاب ہے، جب اس فدوی کی پیدائش ہوئی۔ اور پانچ برس کا سن ہوا تب اِس خاکسار کے والد، مراد خاں نے گردونِ دوں کی گردش کے ساتھ شاہجہاں آباد کی وہ سرزمین چھوڑی کہ جہاں مٹی چھوئیے سونا ہوتا تھا، اور سونا چھوئیے جواہر۔ چناں چہ یہ بات مشہور ہے، اور وہاں کے باشندے سب جانتے ہیں کہ ایک قوم نیاری کہلاتی ہے۔ ان کی خلقت روز فجر کو ٹوکری ہاتھ میں لے کر اُس شہر کے گلی کوچے میں پھرتی تھی۔ جس مقام سے اُنھوں نے "بالو" یا ریت، یا کرکر [کرکٹ؟] یا مٹی اُٹھائی اب جو اُن کی قسمت سے ہاتھ لگے۔ اگر سونا روپا ہاتھ لگا تو ڈھیریوں۔ اور نہیں تو موتی، مونگا، پتّا، پکھراج، نیلم، یاقوت، زمرد، ہیرا، الماس، مقناطیس۔ لوگ کہتے ہیں کہ لعل پتھر سے پیدا ہوتا ہے، وہاں خاک سے لوگوں کے ہاتھ لگتا تھا۔ اُن جواہرات سے جب اُن کے ایک بھی ہاتھ لگا تو چپ کے سے جوہری بازار کی راہ لی، اس کو بیچا اور اپنی منڈیا کو، وہ جو عمارت سے زیادہ سمجھتے، بیٹھ کے چین کے ساتھ ایسی اوقات کاٹی، گویا اپنے نزدیک انھوں نے

اُس دن ہفت اقلیم مول لی۔ یا شدّاد کی سی خدائی ہاتھ آئی۔ جہاں کے غریبوں کی ایسی صورت تھی وہاں کے امیروں کی کیا حالت بیان کروں.... بیت

خوبی میں کیا کروں اِس سرزمین کی روئے زمیں پہ جس کی تھی صورت نگین کی

دو کم پچاس... (کرم خوردہ) تنگ شہر کی آبادی تھی۔ چورس چوکھونٹی ایسی جیسے مربع کا نقش یا شطرنج کی بساط۔ چار کونے ہیں ایک کونا، چار سمت میں ایک سمت بھی خالی نہ تھی۔ سو اس آبادی کے چمن کی بہار لٹیرے لوٹ لے گئے۔ بُلبل اپنے چہکے، قمریاں اپنی صدائیں۔ طوطیاں اپنی خوش الحانیاں بھولیں۔ قطعہ

پہلے ہی لُٹ چکی ہے، گلوں کی وہاں بہار صرصر کی اور بادِ خزاں کی عناد سے
باقی تھی اس چمن کی جو کچھ خاک اور روش شاید کہ وہ بھی چھوٹی نہ ہو گردباد سے

قصہ کوتاہ جہاں ادنیٰ دوکانی کہ لنگوٹی میں پھاگ کھیلتے تھے اور اپنی دوکان میں بیٹھ کر کوکیوں کی روشنی کے تماشے دیکھتے تھے۔ اور مجلسِ حیران کی سیر کیا کرتے تھے، سو وہاں اب روشنی کی جگہ پر بھگ جگنی کی بھی دمک نہیں۔ شاہد القول کلام حضرت مرزا رفیع السودا۔ مخمس۔

جہان آباد تو کب اِس ستم کے قابل تھا مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
مٹا ہے اس طرح گویا کہ نقشِ باطل تھا عجب طرح کا یہ بحرِ جہاں پہ ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

مصنف اِس کلام کا ملک الشعرا، فخرِ زبانِ اُردوئے معلا ہو کر گذرا ہے، جس نے زبانِ اُردو میں نظم کو ایسی طرح دی اور سخن کو ایسی خوبی بخشی کہ جیسے سیقل گر جوہر دار تلوار کا رنگ چھوڑ کر جوہر نکالتا ہے، یا ماہی دنداں کو خرادی خراد پر چڑھا کر جلا دیتا ہے۔ قطعہ

شاعروں کا نہ تھا پیمبر وہ پر سنا ہے یہ سب سے قال و مقال
اِس جہاں میں ایک ہے طوطیِ ہند بوستانِ خیال

گذشتہ را صلواۃ آئندہ مجلس صفت کی ہم بنی ہیں اور سُننے والے بھی۔ اگر کوئی پوچھے کہ ہندوستان کی رفت و گذشت کا احوال شروع دیباچے میں لکھنا کیا ضرور تھا، تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہندزبان ریختہ کی بسم اللہ ہے بہ طریق بسم اللہ کے اگر اتنی عبارت ہندی تحریر میں یا تقریر

میں آئی تو کچھ کلمۂ کفر نہیں، اور دوسرے یہ کہ ہند کے اور جہاں کے عدد قاعدے میں برابر ہیں ... بعد حمد و نعت کے لوگ دو جہان کی کیفیت درج کرتے ہیں، میں نے بھی بعد حمد و نعت کے اگر اپنے جہان کا احوال لکھا تو کیا ہوا۔ وہ جہاں کہ جس جہان کے روڑے کو بھی اس نور پر شرف ہے۔ کہ اگر دشمن کے پاؤں تلے آوے تو رپٹا کرکے گرے۔ اور جب دوست کے قدموں تلے آوے تو خاکساری کے ساتھ پس کے سرمے کی سی حالت پیدا کرے۔ ایسی کہ وہ دوست اُٹھا کر آنکھوں میں لگالے۔ اُسی جہاں کے روڑوں کا میں بھی ایک کنکر ہوں کہ کنکر بھی بھرے گھڑے کو کفایت کرتا ہے۔ اپنے تئیں کنکر میں شمار کیا، اس واسطے کہ چھوٹی عمر میں اس فدوی کے آنے کا اتفاق عظیم آباد کو ہوا۔ صوبہ دار عظیم آباد کلیان سنگھ بہادر کے صاحبزادوں کے ساتھ ہم مکتب اور ہم نشین رہا۔ اُن کی بہ دولت اچھے اچھے عالم فاضل، قابل، دانا بینا، ثقہ، صاحب دلان باشندۂ ہندوستان کی صحبت پائی جب ہوش سنبھالا تو چندے نواب دلاور جنگ کی حضوری میں مصاحب رہا۔ کم ترین نے ایک مدت صاحب فضل و ہنر کے بوستاں کی سیر کی۔ اُن کے گلستاں کی خوشبو سے دماغ کو اور گل سے دامن کو بھرا۔ تب گل چینوں کے شمار میں [آیا] ...

... مارکوئیس ولزلی ... کے عہد میں ... بہ موجب حکم مسٹر جان گل کرسٹ بہادر دام اقبالہ ... واسطے تربیت و تعلیم صاحبان، عالی شان والا دودمان، دست گیر بے کساں سخن آرائی کے ساتھ قصۂ گل صنوبر اور نقلیں چند قطعہ اشعار و قصہ و کہانی اپنی تصنیف، اچھی اچھی دل چسپ باتیں جمع کرکے اس مجمع سخن کا نام 'گلشنِ ہند' کیا۔

[خاتمۂ کتاب]

عید کے مہینے میں قصۂ گل صنوبر کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ ربیع الثانی کے مہینے میں کہ پانچویں تاریخ روز دوشنبہ ۱۸۰۳ عیسوی میں تمام کیا۔ 'گلشن ہند' اس ترجمے کا نام رکھا۔ تاریخ اس کتاب کی دو نکالی ہیں۔ ایک تو ہجری ہے۔ 'خلدِ بریں روئے زمیں' ۔ فصلی ہے ___ 'چشم خوب رویاں' ۔ جو جس کی پسند خاطر ہو وہی خوب ہے۔

خلیل علی خاں اشکؔ

(مقتبس از انتخاب سلطانیہ)

محمد خلیل علی خاں فیض آبادی اشکؔ کہ تولد اس کا شاہ جہاں آباد، دلی ہے، لیکن سن تمیز کو فیض آباد میں پہنچا۔ اکثر محفل میں شہزادوں کی معزز و ممتاز رہا۔ چناں چہ خدمت میں صاحب عالم مرزا جواں بخت جہاں دارا شاہ کی مدت باریاب رہا۔ اور انعامات سے کامیاب۔ سن ہجری بارہ سو نو [مطابق ۱۷۹۴ء] میں آب و خور ملک میں بنگالہ کے کھینچ لایا۔ یہاں بھی شرف اندوز خلوت میں اس ملک کے ناظموں کی رہا۔ بعدہٗ چندے کے سن ہجری بارہ سو پندرہ میں مطابق اٹھارسو ایک عیسوی کے شہر دار الخلافت کلکتے میں وارد ہوا۔ لیکن احوال یہاں کا دیکھ کر اکثر لوگوں سے ترک ملاقات کر کے خانہ نشینی اختیار کی۔ ایک دن مخدوم زادہ والا شکوہ خلف ارشید قاضی القضات قاضی محمد نجم الدین خاں صاحب، مولوی سعید الدین سلمہ کی زبانی دریافت ہوا کہ صاحبانِ عالی شان نے لکھنؤ سے کئی شاعر بلواتے ہیں۔ چناں چہ اُن میں مرزا کاظم علی صاحب کہ جوانؔ تخلص کرتے ہیں تشریف لاتے ہیں۔ اس نوید بہجت اثر سے دل کو نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ کیوں کہ احقر نے ان ہی کے فیضِ کلام سے طریقہ شعر و شاعری کا اور فن سخن آوری کا حاصل کیا تھا۔ اُسی وقت بے تامل ان کی خدمت میں جا کر حاضر ہوا۔ اور شرف اندوز ملازمت۔ از بس کہ عنایت بیحد قدیم سے تھی، نہایت توجہ فرما ہوئے اور ارشاد کیا کہ تعجب ہے کہ تم اس شہر میں ہو اور مسٹر گل کرسٹ صاحب سے ملاقات نہ کرو کہ جوہر شناس گوہر لفظ و معانی ہیں اور فن نکتہ دانی میں لاثانی۔ چنانچہ صاحب موصوف نے بموجب ارشاد

صاحبانِ عظیم الشان لکھنؤ میں اسکاٹ صاحب [رزیڈنٹ] کو لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اس فن کا کہ قصّہ کہنے میں مہارت رکھتا ہو، تو اسے مقرر بھیجا چاہیئے۔ لیکن وہاں سے جواب آیا کہ کوئی شخص اس فن کا ادھر ارادہ نہیں کرتا۔ اب تم چلو اور صاحب موصوف سے ملاقات کرو۔ چناں چہ اپنے ہمراہ لے جاکر ملازمت کروائی صاحب عالی قدر ملاقات کے وقت گفتگو سے اس احقر کی نہایت خوش ہوئے اور از راہِ الطاف و بندہ نوازی کے فرمایا کہ تم خاطر جمع رکھو ہم تمہارے واسطے حتی المقدور سعی میں کوتاہی نہ کریں گے ہمارے لئے قصّہ امیر حمزہ کا زبان ریختہ میں تصنیف کرو بہ موجب فرمانے کے احقر اس کام میں مشغول ہوا۔ چند داستانیں لکھی تھیں کہ سبب سے زمانے کی ناتوانِ بینی کے طبیعت پر گرانی گزری، پھر آکر خانہ نشین ہوا۔ اور گوشۂ عافیت کو اختیار کیا۔ یہ احوال سن کر مولوی سعیدالدین صاحب نے توجہ فرمائی۔ لے جاکر خداوند نعمت ہربرٹ ہارنگٹن صاحب عالی جاہ سے ملازمت کروائی۔ صاحب عالی ہمت نے فرمایا خاطر جمع رکھو، ہم تمہاری خاطر کونسل میں لکھیں گے اور سب دفتر امیر حمزہ کے تصنیف کروادیں گے۔ چناں چہ ان ہی کی شفقت بے پایاں سے سبب روزگار کا ہوا اور مسٹر گل کرسٹ صاحب نے موصوف سے احقر کو مانگ لیا۔ اور اُسی روز سے مقرر کیا کہ شب کو ہندی درس کے روز کالج میں بعد کھانے کے بندے کو لے کر اوپر کے مکان میں درمیان میں صاحبانِ عالی شان کے بیٹھا کرتے اور یہ احقر جو کچھ تقریر کرتا وہ صاحبان کو انگریزی میں تفہیم کرتے۔ چناں چہ اکثر اسی تقریر سے از راہ بندہ پروری فرماتے [کہ] صاحبان کو تمہارے فیض صحبت سے اس زبان میں نہایت ترقی ہوئی۔ سب صاحب تعریف تمہاری کرتے ہیں۔ بعد چندے کے جب صاحب موصوف نے کالج میں رات کا جانا موقوف کیا بندے کو بھی اس خدمت سے باز رکھا اور منشیوں میں درجہ ادنی کے مقرر کرکے فرمایا ہمارا جی نہیں چاہتا ہے کہ تم بے کار رہو اب تو اسے قبول کرو، بعد چندے کے تمہاری خاطر کوئی اور کام لایق تمہارے تجویز ہوگا۔ جیسے یہ کمترین اس فقرے میں ہوا اور بہ موجب صاحب موصوف کے

فرمانے کے اس عدم فرصت میں؛ اپنے صاحب کو پڑھانے اور سرکاری فرمایشات بجالانے کے بعد راتوں کو محنت کرکے دو جلدیں امیر حمزہ کے قصّے کی کہیں، اور رسالہ کائنات جو کا کہ فنِ حکمت سے تعلق رکھتا ہے۔ تصنیف کرکے حضورِ عالی میں گذرانا اور قصّۂ رضوان شاہ کا کہ بہ نگار خانۂ چین موسوم ہے واسطے صاحب عالی شان خداوند نعمت مسٹر مار وانٹ رکیش صاحب کے تصنیف کیا اور احوال ان کتابوں کا ہر خورد و کلاں پر ظاہر ہے۔ اب سنہ ہجری بارہ سے انیس میں مطابق اٹھارہ سو پانچ عیسوی کے فرمایش سے اسی منبعِ جود و سخا یعنی جناب مار وانٹ صاحب بلند اختر کے واسطے مدرسۂ جدید کے اس تاریخ کو لکھا۔ چناں چہ صاحب عالی قدر کی یہ فرمایش تھی کہ ابتدائے بنیاد دلّی سے سنہ حال تک شاہ عالم کے، شہر مذکور میں کتنے بادشاہ ہوئے، اس احوال کو لکھو۔ سو حقیر نے یہ کتاب اُسی طور پر لکھی اور نام اس کا انتخاب سلطانیہ رکھا، کیوں کہ تاریخ بھی اس کی یہی پائی۔

مرزا مغل

(مقتبس از باغِ سخن)

...اہلِ دانش کو معلوم ہو کہ اصل اس خاکسار کی عرب اور مولد لکھنؤ جب یہ خوشہ چینِ سخنوراں، شاگرد مرزا کاظم علی جوانؔ، حاجی مرزا مغل متخلص بہ نشانؔ کربلائے معلیٰ سے سعادت زیارت حاصل کر کے، اور صحیفۂ ہدایت، حدیقۂ کرامت، سردفترِ صلحا، سرگروہِ اتقیا، حاتمِ دوراں، رستمِ زماں، جناب مرزا حسین علی خاں دام مجدہٗ، ابن امیر الامرا امیر الدولہ نواب حیدر بیگ خاں مغفور کی رفاقت میں مدت تک رہا... جب اُن کی حالت ابتر ہوئی، اور اِس عرصے میں بہر نوع فقیر واجب الحج ہو گیا بموافق حکمِ خدا و رسول ترکِ وطن واجب جانا۔ داغ ہے اب تک اس صحبت کا، خدا پھر ملا دے حسبِ تمنا۔ غرض... اِس اندیشے میں تھا کہ زادِ راہ بہم پہنچایا چاہیے اور بہر طریق حج و زیارت کو جایا چاہیے۔ اِس فکر و تدبیر میں تھا کہ شہرۂ صاحبانِ عالی شان کی قدردانی کا سُنا۔ اُن کی مرتبہ شناسی سوچ کر مرشد آباد سے کلکتے کا ارادہ کیا۔ اور اوصافِ حمیدہ سن کے... جناب مسٹر جان گل کرسٹ صاحب دام ظلہ کے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا۔ جوینده یا بنده۔ پس موافق رائے اور اشتہار کے زادِ راہ کی اُمید پر عہد حکومت میں... مارکوس ولزلی گورنر جنرل... کے ترجمہ بوستانِ سعدی کا زبانِ اُردو میں کیا۔ ہر چند بارہ برس سے شعر و سخن ترک تھا، اور تحصیل علوم دینی میں مصروف۔ لیکن اہم جان کے خواب و خور اپنے اوپر حرام کر کے جان لڑا کے ایک مہینے کے عرصے میں موافق اس شرح کے جو میر غلام حسین صاحب نے لکھی تھی، اور سب شارحوں کے قول جمع کر کے جس کو ترجیح دی تھی اس کو لکھا۔ اور دو مہینے کے عرصے میں لفظ و معنی و محاورات درست کر کے آپی [آپ ہی] اِس فقیر نے کتاب کو صاف کیا جو محنت ترجمے میں ہوئی تھی اس سے دہ چند اِس میں ہوئی۔ لیکن نظرِ انصاف سے دیکھے تو ہتھیلی پر سرسوں جمائی۔ اور جو کوئی اس کتاب کی سیر کرے گا اُس پر کھلے گا کہ ترجمہ موافق اصل کے ہے اور مفہوم بہت کم، مگر جہاں جہاں محاورہ نہ بنتا تھا وہاں کچھ کچھ گھٹایا بڑھایا ہے....

معین الدین فیض

(مقتبس از چشمۂ فیض*)

بندہ کمترین میر معین الدین متخلص بہ فیض ابن سید فخر الدین ابن سید زین العابدین، قوم سادات حسینی الحسنی اپنا احوال یوں بیان کرتا ہے [کہ] وطن اس نیاز مند کے بزرگوں کا خاص سمرقند تھا۔ انھوں نے کسی تقریب سے معہ قبایل دہلی، دارالخلافت ہند میں درمیان پرانے شہر کے تشریف لاکر سکونت اختیار کی۔۔۔ باعث برہم ہونے سلطنت کے، کہ شہر پر صدمے متواتر گذرنے لگے۔۔۔ چناں چہ عاصی کا بھی اسی سبب اتفاق لواحقوں سمیت غازی پور، ضلع بنارس) میں آنے کا ہوا۔ جس عرصے میں صاحب خداوند نعمت ممدوح [گل کرسٹ] غازی پور تشریف لے گئے تھے، نحیف خانہ نشین تھا۔ ازرہِ نوازش یاد کر کے واسطے سند پہنچانے محاورات شاعرانِ ہند کے فقیر کو نوکر رکھا۔ جب تک [غازی پور میں] تشریف فرما رہے، ان کی بدولت بندے نے پرورش اور تربیت اتنی پائی کہ قابل صحبت صاحبانِ والا شان کے ہوا۔

---

* منظوم ترجمہ پند نامہ فرید الدین عطار مخطوطہ ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء

مظہر علی خاں ولاؔ

(مقتبس از جہاں گیر شاہی)

.... حقیر مظہر علی خاں جو سلمان علی خاں کا چھوٹا بیٹا اور پوتا آقا محمد حسین اصفہانی کا، جس کا خطاب علی قلی خاں تھا۔ اور پر وتا آقا صادق ترک کا۔ یہ بیان کرتا ہے [کہ] جب وہ دونوں بزرگوار ساتھ ساتھ ولایت اصفہان سے شاہ جہاں آباد میں آتے۔ شدہ شدہ آقا محمد حسین نے نواب سعید الدین خاں بہادر میر آتش غفراں پناہ کی وساطت سے سنہ احد میں فردوس آرام گاہ محمد شاہ بادشاہ کا شرف ملازمت اختیار کیا اور اپنی لیاقت و قابلیت سے یہ رسائی بہم پہنچائی کہ شہنشاہ گیتی ستاں نے ازراہِ نوازش و مہربانی حضور کی باتیں خدمتوں سے — جیسے خاصہ بارہ، اور کچہری اور گلال باد، اور پیادۂ کرناٹک، اور اکثر حلقوں کے اہتمام کے سوا اور خدمتوں کی دروغگی سے سرفراز کر علی قلی خاں خطاب عنایت فرمایا۔ خانِ مغفور کی رحلت کے بعد بڑا بیٹا سلمان قلی خاں عرف مرزا محمد زماں و دآد کہ کمالاتِ حمیدہ سے متصف تھا، نواب نجم الدولہ محمد اسحاق خاں بہادر جو بہ نواب شہید مشہور ہے، اس کے وسیلے سے اور بہ نظر قدامت ازراہِ نوازش و مہربانی کے ظلِ سبحانی نے تجویز کر منگل پاشی کے منصب سے سرفراز فرمایا۔ نواب موصوف اس کے جوہر کے ملاحظے سے برابر کا سلوک کرتا اور اس بزرگوار کی وضع کی تقلید و تتبع شاہ و گدا کرتا۔ چناں چہ یہ بات مشہور و معروف ہے۔ اور شاہ عالم بادشاہ اخلد اللہ برہانہ ملکہ کی ابتدائے سلطنت میں نواب عزت الدولہ صولت جنگ موسیٰ خاں بہادر غفراں پناہ کی رفاقت اختیار کی تھی جو فنِ اشعار فارسی و ہندی اور محاورہ دانی اردو و فارسی

میں مہارت کلی تھی۔ چناں چہ فخرالشعراء مرزا رفیع سوداؔ اور میاں خاکسار، خادم قدم شریف نے سرمایہ ریختہ گوی کا اسی جناب کی شاگردی سے حاصل کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ عاصی مدت تلک نواب سیف الدولہ بخشی الملک نجف قلی خاں بہادر مظفر جنگ کی رفاقت میں رہا۔ اور کتنے دنوں شاہزادہ جہاں دار شاہ بہادر عرف مرزا جواں بخت کی سرکار میں تھا۔ اکثر اوقات جو شاہزادہ جنت آرام گاہ کے حضور اشعار گذرانتا، تفضلات و مہربانی سے تحسین و آفریں فرماتے۔ جس وقت کہ شاہزادۂ عالی جاہ نے بنارس کو کوچ کیا۔ اتفاقاً بندے کا رہنا لکھنؤ میں ہوا۔ بعد اس کے معتمد الدولہ مشیر الملک مہاراج اُدھر راج نراندر مہاراج ٹکیت رائے بہادر صلابت جنگ نے اس بندے کی نوکری کا سررشتہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر ہزبر جنگ کی سرکار میں درست کرا اپنا رفیق کیا۔ چناں چہ سات برس تلک اس کے سررشتے میں رہا۔ جب مہاراج کی مختاری کا سررشتہ برہم ہوا۔ راقم کتنے دنوں معطل رہا تھا کہ اتفاق حسنہ سے سنہ اٹھارہ سے سیوی میں نواب مستطاب معلی القاب تاج بخش سلاطین ہندوستان ۔ ۔ ۔ مارکویس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ نے جو لکھنؤ سے شاعروں کو بلوایا، بندے نے بخشی الممالک فخر الدین احمد خاں عرف میرزا جعفر ابن محسن زماں خاں مرحوم کی وساطت و مربی گری سے ملازمت اسکاٹ صاحب والا مناقب و عالی مناصب کی حاصل کی اور انیس مارچ کی دسویں تاریخ نوکر ہو سن مذکور میں وارد کلکتہ ہوا، اور ملازمت امیر الامرا بہادر [چیف سکریٹری] کی حاصل کی۔ انہیں کے حکم کے بہ موجب صاحب عالی شان، عالم معانی و بیان جان گل کرسٹ صاحب کی خدمت میں جو زبانِ ہندی کے مدرس تھے۔ متعین ہوا۔ اور صاحب ممدوح کے فرمانے سے مادھونل اور بیتال پچیسی سے جو برج بھاشا میں ہیں اُن کا ترجمہ للو لال کب کی مدد سے اس طرح کیا کہ بیش تر برج کی بولی بیتال پچیسی میں رہنے دی کہ مرضی صاحب مدرس کی یوں ہی تھی۔ بعد اس کے ہفت گلشن کا ترجمہ کیا جب اس سے فراغت حاصل ہوئی، محسنِ زماں، حاتمِ دوراں، فیض رسانِ شرفا ۔ ۔ ۔ مسٹر

ہارنگٹن دام حشمتہ کی نذر کے لئے پندنامہ سعدی شیرازی کا ترجمہ زبان اردو میں شعر کا شعر کیا۔ چناں چہ ہزار جلد اس کی چھاپی گئی۔ پان سے گلستان ہندی کے ساتھ اور پان سے علیحدہ۔ بعد اس کے صاحب مدرس دالامناقب نے ازراہِ نوازش دالطاف مجوزہو کر فرمایا کہ لطایف دظرایف کا ترجمہ بہ لطایف دظرایف کیا جائے، بہتر ہے کہ تو ہی اس کا ترجمہ کر کہ زبان اردو میں تجھے خوب دخل ہے۔ اور بہ مرتبہ جہارت راقم نے بہ موجب ارشاد کے قبول کیا، اور اسے انصرام کو پہنچایا۔ اس [عرصے] میں صاحب ممدوح [گل کرسٹ] کو ولایت جانے کا اتفاق ہوا، اور کپتان جمیس مویت صاحب دالا مناقب قائم مقام اُن کے ہوئے۔ حقیر نے موافق حکم کے ترجمہ [تاریخ] شیر شاہی کا کیا۔ بعد اس کے صاحب عالی شان منبع لطف و احسان ...... ڈاکٹر دلیم ہنٹر ثرونتہ کی ابتدائے ارشاد میں اقبال نامۂ جہاں گیری کا ترجمہ شروع کیا اور بارہ سے چوبیس ہجری مطابق سن اٹھارہ سو نو عیسوی میں نواب معلی القاب... لارڈ منٹو گورنر جنرل بہادر کے عہد دولت میں اس طرح تمام اتمام کو پہنچا کہ بالکل لفظاً باللفظ ترجمہ کیا، مگر بعضے جگہ رعایت محاورہ کے لئے اس کا مدعا لیا اور جہاں گیر شاہی اس کا نام رکھا۔ اور اس کو ...... کپتان ٹیلر صاحب دام دولتہ، کہ بالفعل مدرّس مدرسۂ ہندی کے ہیں، ان کی وساطت سے حضور والا میں گزرانا۔

منصور علی

(مقتبس از بحرِ عشق*)

...کمترین خلائق عجز پرست ازلی، سید منصور علی ابن سید امام بخش حسینی مولوی سبزواری جو وسیلے سے جناب میر صاحب قبلہ و کعبہ مخدومی معظمی سیّدی سندی میر بہادر علی صاحب حسینی ترمزی... اشرف البلاد کلکتے میں وارد ہو کر بہ صیغہ منشی گری صاحبانِ عالی شان، نو آموزوں کی تعلیم و درس کے واسطے مدرسے میں کمپنی انگریز بہادر دام اقبالہٗ کے تفریق ہندی میں سرفراز ہوا ہے۔ اس نے عہد میں شاہ عالم بادشاہ خلد اللہ ملکہ کے، اور عہد میں... مارکویس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے، بہ موجب ارشاد صاحبِ عالی رفعت... مسٹر جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام دولتہ، جو صاحب مدرس تفریق ہندی کے ہیں سنہ بارہ سے اٹھارہ، ہجری میں مطابق اٹھارہ سو تین عیسوی کے زبان ریختہ نثر میں [سیف الملوک کے قصے کا] ترجمہ کیا۔ اور اکثر ان لفظوں کو جنھیں خاص و عام، ہندو مسلمان سب بولتے ہیں، صاحبان نو آموز کے استفادے کے واسطے قصداً تحریر میں لایا۔ بعضے اشعار فارسی کے متفرق جو اچھے معلوم ہوئے ان کو بھی قرینہ پا کے لکھ دیا۔ اور نام اس کتاب کا بحرِ عشق رکھا۔ ...

[خاتمۂ کتاب]

۔ رمضان کی انیسویں تاریخ منگل کے روز سنہ بارہ سو اٹھارہ ہجری میں مطابق اٹھارہ سو تین عیسوی کے اس کتاب بحرِ عشق کا ترجمہ تمام ہوا۔

---

* "قصہ سیف الملوک شہزادے کا، جس کو محمد عمر نے اپنے دوستوں کے کہنے سے عبارت فارسی میں بہ طور مثنوی کے لکھا تھا۔" (بحرِ عشق)

احوالِ ترجمہ قرآن شریف

(دیباچہ از کاظم علی جوآن)

... رمضان کی نویں تاریخ سن بارہ سے انیس ہجری [مطابق ۲۲ر دسمبر ۱۸۰۴ء] ... قرآن شریف کا ترجمہ زبان ریختہ میں تمام ہوا۔ شروع اس کی حسب الحکم صاحب عالی شان جان گل کرسٹ صاحب دام اقبالہ کے ذی الحج میں کہ سن بارہ سے سترہ تھے، ہوئی تھی۔ مولوی امانت اللہ صاحب اور مہدی بہادر علی صاحب میر منشی، اور احقر [کاظم علی جوآن] ترجمے اور محاورے کے لئے مقرر تھے۔ بعد چندے مولوی فضل اللہ صاحب کو بھی ارشاد ہوا [کہ] تم بھی شریک ہو کہ بدون دو مولویوں کے یہ امرِ عظیم ترجمے کا بہ خوبی سرانجام نہ ہو سکے گا۔ چناں چہ نام اُن کا شروع میں مندرج ہے۔ پانچ چھ سپارے جب ترجمہ ہوئے ایسی کچھ نزعِ لفظی ان دونوں [مولوی] صاحبوں کے درمیان آئی کہ اُن میں سے مولوی فضل اللہ رہے اور دوسرے صاحب کے عوض حافظ غوث علی صاحب مقرر ہوئے۔ پہلے دونوں صاحب بہ دستور ترجمہ کرتے تھے، جب [گل کرسٹ] صاحب ممدوح ذی قعدہ کی دسویں تاریخ سن بارہ سے انیس [مطابق فروری ۱۸۰۵ء] میں ولایت کو تشریف لے گئے اور اصالتاً مدرسی کپتان ماوٹ صاحب دام حشمتہ کو حضور پُر نور [ولزلی] سے مقرر ہوئی۔ اسی طور سے موافق اُن کے ارشاد کے کام ترجمے کا جاری رہا۔ چناں چہ اسی عرصے میں اکیس سپارے ہوئے کہ صاحب عالی شان [کپتان ماوٹ] نے بندے کو فرمایا [کہ] مولویوں میں سے ایک مولوی ترجمہ کرے اور تو ہی محاورے کی درستی میں رہ۔ قبول کر کے مولوی فضل اللہ صاحب ترجمہ کرتے رہے، میں محاورہ کرتا رہا۔ اب حق سبحانہٗ تعالیٰ کے تفضلات سے وہ کام اختتام کو پہنچایا۔ مگر نظرِ ثانی باقی ہے، جس طرح ارشاد ہوگا عمل میں آوے گا۔ لیکن وے لوگ جو ہمیشہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کرتے ہیں ان کی خدمت میں التماس ہے کہ مہربانی سے نگاہ کریں۔ قرآن شریف کہ کلام الٰہی ہے اور فصاحت و بلاغت ایسی کہ چشم و گوش فلک نے بھی نہ دیکھی نہ سُنی اور جس عصر میں کہ اس کا نزول ہوا ہے کیسے کیسے اہلِ فصاحت

عربستان میں تھے، اس کی عبارت جو سراسر صفتوں سے بھری ہے اور تمام مسجع و مقفیٰ ہے، نگاہ کر کے حیران تھے الحق کہ کہاں کلام خالق کا اور کہاں زبان مخلوق کی۔ پس جو جو صنایع و بدایع اُس میں ہیں من و عن اس کا ترجمہ کس سے ہو سکتا، مگر فارسی کے ترجمے اور تفسیروں سے جس لفظ کے جو معنی مترجموں اور مفسّروں نے لکھے ہیں۔ زبانِ ریختہ میں اُن کے موافق لکھنے میں آیا ہے تفسیر بیضاوی اور مدارک و جلالین یہ تین عربی تفسیریں، بحر مواج اور تفسیر حسینی کہ یہ دو فارسی ہیں، اُن سے ترجمہ کیا ہے۔ جہاں کہیں جو کچھ اختلاف [کوئی] سمجھے ان پانچوں تفسیروں کو دیکھ لے۔ ایک نہ ایک میں موافق پائی جائے گی۔ اور کہیں کہیں جو الفاظ ماضی و حال و استقبال کے ہیں، اور مفسّروں نے ماضی کو حال اور حال کو استقبال کیا ہے، یہاں بھی اُسی طریق کی پیروی ہوئی ہے۔ مگر جہاں کہیں زمانے کی مطابقت سے ہندی عبارت کے مطلب میں خلاف نظر آیا چار و ناچار بہ طور محاورے کے رہنے دیا۔ اور اگرچہ لفظ کے ترجمے کی رعایت سراسر رکھی ہے۔ پر کہیں کہیں اصل مطلب لیا ہے، کیوں کہ لفظ کی متابعت سے معنوں کا فوت ہونا قباحت عظیم ہے۔ اس لئے اُسی بات کو ترجیح دی۔ بہر نوع مطلب نہیں چھوڑا، اسی لئے محاورے کو چنداں دخل نہیں دیا کیوں کہ عبارت کا داب (کذا) روزمرے کی بول چال سے اور ہے۔ حروف مقطعات کا ترجمہ جو بالاتفاق نہ پایا نہ کیا۔ اور مفعولِ مطلق ہندی میں شاذ و نادر ہی کہیں رہ سکا تو رکھا۔ والّا نہ پایا [تو] چھوڑ دیا۔ یا لفظ تاکید زیادہ کیا کہ اُس سے تاکید فرض ہے۔ اور عربی میں التفات بہت سا ہے۔ اور ہندی میں کم، لیکن وہ قاعدہ رہنے دیا کہ بہت تکرار ہے۔ واؤ عاطفہ اور حرف 'ف' اور وہ الفاظ کہ معنی میں تحقیق کے آتے ہیں قرآن شریف میں بہت ہیں، اور زبان عربی میں بہت فصاحت رکھتے ہیں۔ ہندی میں گو کہ ان کی کثرت محاورے کی رو سے اس قدر نہیں، لیکن ترک کرنا ان کا جائز نہ دیکھا۔ اس سبب سے جس طرح جملے میں جس قدر آئے ترجمہ کیا۔ اور کلام اللہ قلیل العبارت اور کثیر المعنی ہے۔ جتنے اہل اسلام کے فرقے ہیں سب کے دین و ایمان کی بنا اُسی سے ہے۔ اجتہاد کر کے ہر ایک اپنا اصلِ اصول یہیں سے درست کرتا ہے۔ اور شانِ نزول ہر آیت کی ہے۔ اگر لکھنے میں آتی تو

بہت طویل ہو جاتی۔ اگرچہ بعض جگہ چاہا تھا کہ کچھ بیان کیجئے۔ پہلے جس صاحب ممدوح [گل کرسٹ] کی فرمائش تھی۔ انھوں نے ارشاد کیا تھا کہ ترجمہ کلام اللہ کا اگرچہ ہندی زبان میں ہے، ہند کے لوگ بہ خوبی سمجھیں گے؛ تاہم جب تلک معلومات بہ وجوہ احسن نہ ہو گی کیوں کر مطلب کو پہنچیں گے۔ ہر ایک غبی کو کب یہ استعداد ہے کہ کتاب کی عبارت کا بیان، گو کہ اُسی کی زبان میں ہو، کر سکے۔ یہ اہلِ فہم و ذکا کے لئے ہے، کہ اگر آپ کماحقہ نہ سمجھ سکے، کسی صاحب استعداد سے دریافت کر لے۔ یقین ہے کہ ہیچ ہیچ کتابیں کہ اس عصر میں عربی و فارسی سے ہندی میں ہوئیں ہیں، اور اُن کے مطلب جس طرح چاہے ہر ایک بیان نہیں کر سکتا، یہ تو کلام اللہ کا ترجمہ ہے، اس کو ہر ایک، اِس طرح کیوں کر سمجھے کہ محتاج کسی استاد کے پوچھنے کا نہ ہو گا۔ جہاں کہیں کہ عالم فاضل جس عبارت کو بہ خوبی سمجھتے ہیں اور جنھوں کو استعداد کم ہے وے اس کی دریافت سے عاجز ہیں۔ ان کی آسانی کے لئے بہ طور حاشیہ کے ایک خط عرضی کر کے مطلب کو بڑھا دیا ہے تا اس نشان سے معلوم ہو کہ یہ ترجمے سے جو زیادہ ہے، ہندی زبان کے ربط کے لئے بڑھا دیا ہے۔ پر یہ اپنی طرف سے تصرف نہیں کیا [بلکہ] تفسیروں کی رُو سے ہے۔

اور شروع ترجمے میں خلقت نے اس بات میں بہت سی شورش کی تھی کہ بنا اس ترجمے کی جو ہوتی ہے، نہایت دین و آئین سے برخلاف ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی زبان میں ہوتا ہے۔ آخرش جو اہلِ فہم و فراست تھے انھوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے۔ غرض فضلِ الٰہی سے وہ آغاز انجام کو پہنچا۔۔۔ پہلے اصلاح مشورت بہت سی ہوئی کہ ایک صفحے پر کلام اللہ لکھا جائے اور اس کے مقابل دوسرے صفحے پر یہ ترجمہ ثبت ہو۔ مگر صحت اعراب کے لئے یہ امر موقوف رکھا کہ ہر گاہ کتابت میں باوجود ہزاروں مقابلوں کے غلطی اعراب کی رہتی ہے۔ اِس کا تو منظور چھاپا ہے، کیوں کر غلطی نہ رہے گی۔۔۔

کاظم علی جوان نے یہ خاتمہ موافق ارشاد صاحب ممدوح [گل کرسٹ] کے لکھا ہے، اور جو کچھ آغاز سے انجام تلک حقیقت گذری وے سب اس میں مندرج ہے۔